قرآن حکیم کی سُورتوں

کے مضامین کا

اِجمالی تجزیہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاہور

36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 3-35869501

maktaba@tanzeem.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

۱۹۷۷ء کے رمضان المبارک کے پہلے پندرہ دنوں میں ریڈیو پاکستان لاہور سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی پندرہ تقاریر نشر ہوئی تھیں‘ جن میں سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الکہف تک کے چیدہ چیدہ مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم کے نصف اوّل کے اہم مضامین پر مشتمل یہ تقاریر محترم ڈاکٹر صاحب نے خود قلم بند فرمائی تھیں‘ اور یہ ’’قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ‘‘ کے نام سے سالہا سال سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے کہ قرآن حکیم کے نصفِ آخر کے اہم مضامین بھی اسی طرح ضبطِ تحریر میں لا کر کتابی شکل میں پیش کیے جائیں۔ چنانچہ چند سال قبل امیر تنظیم اسلامی کی خواہش پر کوئٹہ کے بزرگ رفیق تنظیم سید برہان علی صاحب نے محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے ۱۹۹۹ء کے رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے دوران بیان کیے گئے ’’خلاصۂ مضامینِ قرآن‘‘ کی ترتیب و تسوید کے کام کا آغاز کیا‘ جسے نظرِ ثانی کے بعد سہ ماہی حکمت قرآن میں قسط وار شائع کیا جاتا رہا۔ بعد ازاں اپریل ۲۰۱۷ء میں قرآن مجید کے نصف اوّل (سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف) کے مضامین کی طرح نصف دوم (سورۂ مریم تا سورۃ الناس) کے مضامین کو بھی کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اب ان دونوں حصوں کو یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے‘ اور اس طرح ’’قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ‘‘ اب مکمل صورت میں قارئین کے استفادہ کے لیے پیش خدمت ہے۔

حافظ خالد محمود خضر

یکم نومبر ۲۰۱۹ء — مدیر شعبہ مطبوعات

طبع اول (نومبر 2019ء) ——— 1100

طبع دوم (فروری 2022ء) ——— 1100

ناشر ——— ناظم نشر و اشاعت‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت ——— 36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور

فون: 35869501-3

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس‘ لاہور

قیمت (اشاعت خاص‘ مجلد) ——— 600 روپے

ISBN : 978 - 969 - 606 - 060 - 4

ترتیب

تقدیم	8
قرآن حکیم کی سورتوں کے گروپ	9
❁ پہلا گروپ: الفاتحة تا المائدة	11
سورۃ الفاتحہ	12
سورۃ البقرۃ	13
سورۂ آل عمران	24
سورۃ النّساء	34
سورۃ المائدۃ	53
❁ دوسرا گروپ : الانعام تا التوبة	63
سورۃ الانعام	64
سورۃ الاعراف	72
سورۃ الانفال	80
سورۃ التّوبۃ	86
❁ تیسرا گروپ : یونس تا النُّور	94
سورۂ یونس وسورۂ ھود	94
سورۂ یوسف	102
سورۃ الرّعد	112
سورۂ ابراھیم	115
سورۃ الحجر	117
سورۃ النحل	121
سورۂ بنی اسرائیل والکہف	130

❁ تیسرا گروپ: یُونُس تا النُّور (مسلسل)	**141**
سورۂ مریم	141
سورۂ طٰہٰ	145
سورۃ الانبیاء	149
سورۃ الحج	152
سورۃ المؤمنون	160
سورۃ النور	162
❁ چوتھا گروپ : الفُرقان تا الاحزاب	**168**
سورۃ الفرقان	168
سورۃ الشعراء	172
سورۃ النّمل	176
سورۃ القصص	179
سورۃ العنکبوت	182
سورۃ الروم	189
سورۂ لقمان	193
سورۃ السجدۃ	196
سورۃ الاحزاب	199
❁ پانچواں گروپ : سبا تا الحُجُرات	**205**
سورۂ سبا	205
سورۂ فاطر	209
سورۂ یٰسٓ	213
سورۃ الصّافات	217
سورۂ صٓ	220
سورۃ الزمر	222
سورۃ المؤمن	227
سورۂ حٰمٓ السجدۃ	230

سورۃ الشوریٰ	233
سورۃ الزخرف	236
سورۃ الدّخان	241
سورۃ الجاثیہ	244
سورۃ الاحقاف	247
سورۂ محمد	251
سورۃ الفتح	255
سورۃ الحجرات	258
چھٹا گروپ : قٓ تا التحریم	**264**
سورۂ قٓ	264
سورۃ الذّاریات	267
سورۃ الطّور	269
سورۃ النّجم	271
سورۃ القمر	274
سورۃ الرحمٰن	276
سورۃ الواقعہ	278
سورۃ الحدید	282
سورۃ المجادلہ	288
سورۃ الحشر	291
سورۃ المُمتحنہ	294
سورۃ الصّف	296
سورۃ الجمعہ	300
سورۃ المنافقون	302
سورۃ التّغابن	305
سورۃ الطّلاق	309
سورۃ التّحریم	312

ساتواں گروپ : المُلك تا النَّاس	316
سورۃ الملک	316
سورۃ القلم	318
سورۃ الحاقّہ	322
سورۃ المعارج	324
سورۂ نوح	326
سورۃ الجن	328
سورۃ المزمّل	330
سورۃ المدثّر	332
سورۃ القیامہ	334
سورۃ الدّھر	340
سورۃ المرسلات	342
سورۃ النبا	345
سورۃ النازعات	347
سورۂ عبس	349
سورۃ التکویر	352
سورۃ الانفطار	353
سورۃ المُطفّفین	354
سورۃ الانشقاق	357
سورۃ البروج	358
سورۃ الطّارق	359
سورۃ الاعلیٰ	360
سورۃ الغاشیہ	361
سورۃ الفجر	363
سورۃ البلد	365
سورۃ الشّمس	366

سورۃ اللیل	367
سورۃ الضحیٰ	369
سورۃ الم نشرح	370
سورۃ التین	371
سورۃ العلق	372
سورۃ القدر	374
سورۃ البینۃ	375
سورۃ الزلزال	376
سورۃ العادیات	377
سورۃ القارعۃ	378
سورۃ التکاثر	379
سورۃ العصر	380
سورۃ الہمزۃ	381
سورۃ الفیل	381
سورۃ قریش	382
سورۃ الماعون	383
سورۃ الکوثر	384
سورۃ الکافرون	385
سورۃ النصر	386
سورۃ اللہب	387
سورۃ الاخلاص	388
سورۃ الفلق	389
سورۃ الناس	389





تقدیم

گزشتہ سال ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن نے پروگرام بنایا کہ رمضان المبارک کے دوران روزانہ پندرہ منٹ کی ایک تقریر نشر کی جائے جس میں قرآن مجید کے ایک ایک پارے کے چیدہ چیدہ مضامین کا خلاصہ بیان کر دیا جائے۔ اس ضمن میں پہلے پندرہ پاروں کے لیے ع ''قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند'' مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو مَیں نے عرض کیا کہ میں پاروں کی تقسیم کا سرے سے قائل ہی نہیں ہوں۔ قرآن کی اصل تقسیم سورتوں میں ہے' اگر اس بنیاد پر بیان کی اجازت ہو تو مَیں کوشش کر سکتا ہوں۔ قدرے پس و پیش کے بعد میری یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ چنانچہ میں نے وہ تقریریں تحریر کرنی شروع کر دیں۔ لیکن جلد ہی اندازہ ہوا کہ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے۔ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کی شرح و تفصیل کہیں آسان کام ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ یہاں تو معاملہ وہ ہے کہ ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست!

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر ہر آیت انسان کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ بجائے خود علم و حکمت کا ایک عظیم موتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نظر نہیں آتا! الغرض عجب شش و پنج سے سابقہ پیش آیا کہ ع ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' اس لیے کہ اُدھر براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے 'معاہدہ' ہو چکا تھا اور ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ کا تقاضا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وعدہ پورا کیا جائے۔ چنانچہ دل پر جبر کر کے جیسے بھی بن پڑا پندرہ تقریروں میں سورۃ الکہف تک کے اہم مضامین کا خلاصہ قلمبند کرنے کی کوشش کی' جو اوّلاً 'میثاق' لاہور کی گزشتہ سال کی تین اشاعتوں میں شائع ہوئی تھیں اور اب بعض احباب کے اصرار پر یکجا ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہیں: ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

تقدیم طبع اوّل۔ مطبوعہ
رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء

قرآن حکیم کی سورتوں کے گروپ

ایک ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے کے لیے اس کی سورتوں کی سات احزاب یا منزلوں میں تقسیم تو مشہور و معروف ہے ہی، عجب حسنِ اتفاق ہے کہ مضامین کی مناسبت سے بھی قرآن حکیم کی سورتیں سات گروپوں ہی میں منقسم ہیں، جن میں سے ہر گروپ کا آغاز ایک یا متعدد مکّی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر۔ اور اس طرح جو گروپ وجود میں آتا ہے اس میں ایک مرکزی مضمون کی لڑی بہت نمایاں ہوتی ہے، جس میں اس کی تمام سورتیں حد درجہ معنوی حسن کے ساتھ پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب میں ایک اور بات جو بہت نمایاں نظر آتی ہے، یہ ہے کہ اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں، جیسے البقرۃ و آل عمران، النساء و المائدۃ، الانعام و الاعراف اور الانفال و التوبۃ وغیرہ۔ البتہ کہیں کہیں تین تین اور چار چار سورتوں کے گروپ بھی نظر آتے ہیں، جیسے سورۂ یونس سے سورۃ الانبیاء تک تین تین کے چار اور الفرقان سے السجدۃ تک چار چار کے دو ذیلی مجموعے۔

اس تقسیم کے اعتبار سے قرآن حکیم کی سورتوں کے پہلے گروپ کی مکّی سورت تو ایک ہی ہے اور وہ بھی بہت چھوٹی، اگرچہ اپنی اہمیت و جامعیت کے اعتبار سے وہ بقیہ پورے قرآن کی ہم وزن ہے، یعنی سورۃ الفاتحہ، اور مدنی سورتیں چار طویل ترین مدنیات ہیں، دو دو کے دو جوڑوں کی صورت میں۔ اس گروپ کا مرکزی مضمون ہے شریعتِ اسلامی اور اس کا تفصیلی ڈھانچہ، جو گویا جواب ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی دعا کا، اور اہلِ کتاب کو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت اور ان کی ان فکری و اعتقادی اور عملی و اخلاقی ضلالتوں پر ملامت جن کے باعث وہ راندۂ درگاہِ حق ہوئے!—— جبکہ دوسرا گروپ اس اعتبار سے بہت متوازن ہے کہ اس میں ایک ہی جوڑا "مکیات" کا شامل

ہے‘یعنی الانعام اور الاعراف اور ایک ہی ’’مدنیات‘‘ کا‘یعنی الانفال اور التوبۃ! اس کا مرکزی مضمون ہے مشرکینِ مکّہ پر بالخصوص اور جمیع اہلِ عرب پر بالعموم اتمامِ حجت اور ان کے انکار و اعراض کی پاداش میں عذابِ استیصال کا ورود! —— تیسرے گروپ کا مرکزی مضمون ہے ’’رسالت‘‘ —— اور پہلے پندرہ پاروں میں اس کی ’’مکّیات‘‘ کے تین تین کے تین چھوٹے گروپ ہی آ سکے ہیں۔ یعنی سورۂ یونس‘ سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پہلا گروپ‘ اس کے بعد سورۃ الرعد‘ سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر دوسرا گروپ‘ اور پھر سورۃ النحل‘ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف تیسرا گروپ۔ یہ مختصر تمہید اِن تقاریر میں ترتیب مطالب اور تجزیۂ مضامینِ سُورِ قرآنی کے فہم میں مُمِد ہوگی‘ اِن شاء اللہ!



پہلا گروپ

الفاتحۃ..... تا..... المائدۃ

تقریر نمبر ۱

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ..... بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وہ ماہِ رمضان مبارک ہی کی ایک بابرکت اور قابلِ قدر رات تھی جس میں اب سے ایک ہزار چار سو دس سال قبل خالقِ ارض و سماء تبارک و تعالیٰ کا ازلی اور ابدی و سرمدی کلام لوحِ محفوظ سے بواسطۂ جبریلِ امین علیہ السلام قلبِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر نوعِ انسانی کے لیے واضح اور روشن ہدایت بن کر نازل ہونا شروع ہوا۔ پھر وہ بھی رمضان ہی کا بابرکت مہینہ ہوتا تھا جس میں ہر سال اُس وقت تک کے نازل شدہ کلامِ الٰہی کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری سال یعنی رمضان ۱۰ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پورے کلامِ الٰہی کا مذاکرہ دوبار کیا —— اور اس طرح اسے ایک مرتّب و مدوّن قرآن کی صورت میں اُمّت کے حوالے فرما دیا۔ اور پھر دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں، جو دراصل خلافت علیٰ منہاجِ النبوۃ تھی، اس مرتّب و مدوّن قرآن نے ایک باقاعدہ مصحف کی صورت اختیار کر لی، جس کے کروڑہا کروڑ نسخے دنیا میں پہلے قلم سے لکھے گئے اور ہر دور کی اعلیٰ سے اعلیٰ طباعت سے مزیّن ہو کر تیار ہوتے رہے، تا آنکہ آج بلا مبالغہ اربوں کی تعداد میں صفحۂ ارضی پر موجود ہوں گے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں، اللہ کا یہ کلام کروڑوں خوش قسمت انسانوں کے سینوں میں محفوظ رہا جو اِس کی حنابندی اپنے خونِ جگر سے کرتے رہے، اور چودہ سو برس سے ہر سال رمضان المبارک میں روئے ارضی کے ایک بڑے حصے پر گویا اُس کا سالانہ جشن منایا جاتا ہے، جبکہ حُفّاظ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ اپنا حفظ تازہ

کرتے ہیں اور عُشّاق کروڑوں کی تعداد میں اُن کے پیچھے صف بستہ ہو کر نزولِ کلامِ ربّانی سے اپنے قلوب کی مُردہ زمینوں کو ازسرِ نو زندہ کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال: ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

سورۃُ الفاتحۃ

مصحف کی پہلی یا افتتاحی سورت سورۃ الفاتحہ ہے جسے خود قرآن حکیم ہی نے ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ کا خطاب بھی دیا اور ﴿الْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ﴾ بھی قرار دیا۔ اس کی حیثیت قرآن کے دیباچے اور مقدمے کی بھی ہے اور اُس کے فلسفہ و حکمت کے خلاصے اور لُبِّ لباب کی بھی۔ اس کا اُسلوب دعائیہ ہے اور اس میں گویا فطرتِ انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے تین حصوں میں سے پہلے حصے میں ان حقائق کا بیان ہے جن تک فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیم انسان کو پہنچا دیتی ہیں، یعنی اللہ کی توحید، اُس کی ربوبیتِ عامّہ، اُس کی رحمت کا جوش و خروش اور ہمہ گیری و پائیداری اور اُس کی جزا و سزا، جس کے فیصلے کے لیے ایک دن معیّن ہے، جب اختیارِ کُلی صرف اُسی کے ہاتھ میں ہوگا —— دوسرے حصے میں بات آگے بڑھتی ہے اور بندے گویا اللہ کے رُوبرو ہو کر اُس سے عہدِ وفا اُستوار کرتے ہیں کہ: ''ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے!'' —— اور آخری حصے میں گویا عقلِ انسانی اعتراف کرتی ہے کہ رُشد و ہدایت اور فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے والے صراطِ مستقیم کی تعیین میرے بس میں نہیں، اس کے لیے انسان وحی و رسالت ہی کا محتاج ہے۔ چنانچہ ہم گویا گھٹنے ٹیک کر استدعا کرتے ہیں کہ: ''اے رب! ہمیں ہدایت بخش اُس سیدھی راہ کی جس پر تیرے وہ بندے چلے جو تیرے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرے اور جو نہ مغضوب ہوئے نہ گمراہ!''

سورۃ الفاتحہ کے بعد پورا قرآن حکیم بالعموم اور اُس کی پہلی چار طویل مدنی سورتیں بالخصوص گویا اس دُعا کا جواب ہیں جس میں اُس صراطِ مستقیم کی تفصیلی نشاندہی کر دی گئی ہے جس کا ذکر سورۃ الفاتحہ کے آخری حصے میں کیا گیا تھا۔

سُورۃُ البَقَرۃ

ان میں سے پہلی دو سورتیں یعنی سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران جنہیں آنحضور ﷺ نے ''الزَّھرَاوَین'' کا خطاب دیا ہے' یعنی دو انتہائی روشن اور تابناک سورتیں' ایک نہایت حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں ہیں' جن میں بہت سے اعتبارات سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ دونوں کا آغاز حروفِ مقطّعات الٓمٓ اور کتابِ الٰہی کی عظمت و جلالتِ شان کے بیان سے ہوتا ہے اور دونوں کے اختتام پر انتہائی جامع دعائیں ہیں' اور بہت سے پہلوؤں سے ان دونوں کے مابین مضامین کی حد درجہ حکیمانہ تقسیم بھی پائی جاتی ہے' مثلاً جہاں سورۃ البقرۃ میں اہل کتاب میں سے یہود سے مفصل خطاب کیا گیا ہے وہاں سورۂ آلِ عمران میں نصاریٰ سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ میں ایمان کے مباحث پر زیادہ زور ہے اور سورۂ آل عمران میں اسلام کے مباحث پر۔ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سورۃ البقرۃ میں جہاد بالمال یا انفاق فی سبیل اللہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور سورۂ آل عمران میں قتال فی سبیل اللہ پر۔ وقِس علٰی ھٰذا!

ان میں سے پہلی اور طویل ترین سورت یعنی سورۃ البقرۃ جو ۲۸۶ آیات اور چالیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور جسے آنحضور ﷺ نے قرآنِ حکیم کے لیے ''ذروۃُ السَّنام'' یعنی بمنزلۂ چوٹی یا نقطۂ عروج قرار دیا ہے' ماسوائے چند آیات کے پوری کی پوری آنحضور ﷺ پر ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے تک کے عرصے میں جستہ جستہ نازل ہوئی۔

یہ سورۂ مبارکہ تقریباً دو مساوی حصوں پر منقسم ہے۔

پہلے حصے میں، جو ۱۵۲ آیات اور ۱۸ رکوعوں پر مشتمل ہے، خطاب کا رُخ براہِ راست یا بالواسطہ اہل کتاب، بالخصوص یہود کی طرف ہے، اور دوسرے حصے میں جو بقیہ ۱۳۴ آیات اور ۲۲ رکوعوں پر مشتمل ہے، خطاب کا رُخ اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جانب ہے۔

پہلا حصہ پھر تین اجزاء پر مشتمل ہے اور اس میں عجیب توازن پایا جاتا ہے کہ درمیان میں دس رکوع وہ ہیں جن میں یہود کو براہِ راست خطاب کیا گیا ہے، اور ابتدا میں اور اختتام پر چار چار رکوع وہ ہیں جن میں روئے سخن اُن کی جانب تو ہے لیکن بطرزِ خفی و لطیف! ویسے پہلے چار رکوع نہ صرف اس سورۂ مبارکہ بلکہ پورے قرآن مجید کے مضامین کے لیے نہایت جامع تمہید بھی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اور آخری چار رکوعوں کے مضامین کی نوعیت گویا شہنشاہِ ارض و سما کے اس فرمان کی ہے کہ امامت الناس کی وراثت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک شاخ یعنی بنی اسرائیل سے سلب کر کے دوسری شاخ یعنی بنی اسماعیل کو منتقل کی جاتی ہے، جس میں آنحضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور جس سے اُمّتِ مُسلمہ کا اصل مرکز یعنی Nucleus فراہم ہوا —— اور اس انتقالِ منصبِ امامت کی علامت (symbol) کی حیثیت اختیار کر لی تحویلِ قبلہ کے واقعے نے!

اس اجمال کے بعد سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ بھی ڈال لیجیے۔

اس کے پہلے چار تمہیدی رکوعوں میں بھی مضامین کے اعتبار سے دو دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا جو اِس سورۂ مبارکہ کے نزول کے وقت بالفعل موجود تھے۔ ایک وہ مُتّقین و مُفلحین جو قرآن مجید کی ہدایت سے صحیح طور پر مستفید ہوئے۔ اُن کے اوصاف کے بیان کے ضمن میں اِن شرائط کی وضاحت بھی ہو گئی جو اِس کتاب کی ہدایت سے بہرہ مند ہونے کے لیے لازمی و لابُدی ہیں۔ دوسرے وہ جو کفر پر اس طرح اَڑ گئے کہ اُن کے حق میں کوئی اِنذار یا تبلیغ اور نصیحت مفید نہ رہی۔ اس طرح گویا یہ قاعدہ کُلیہ بیان کر دیا گیا کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ مستقلاً بند کرا لیتا ہے۔ تیسرے وہ جو مُدّعی تو ایمان کے تھے لیکن تھے

حقیقتاً اس سے بالکل محروم۔ اس تیسری قسم کے انسانوں کا ذکر سب سے زیادہ تفصیل سے کیا گیا' اس لیے کہ اس میں جس کردار کی نشاندہی بغیر نام لیے کی گئی اس میں اگرچہ پیشگی طور پر مُنافقین کے کردار کی عکاسی بھی آ گئی' لیکن اصلاً یہود کے گھناؤنے کردار کو پورے طور پر بے نقاب کر دیا گیا۔

اس کے بعد کے دو رکوعوں یعنی تیسرے اور چوتھے رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے' تیسرے رکوع میں مذہبی فکر کی سطح پر اور چوتھے رکوع میں فلسفہ وحکمت کی سطح پر۔ چنانچہ تیسرے رکوع کا آغاز توحید اور بندگیٔ ربّ کی دعوت سے ہوا اور اس کے بعد قرآن کے اعجاز کے ضمن میں نبوّت ورسالت اور پھر جنّت ودوزخ کے ضمن میں ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا اور اس طرح ایمانیاتِ ثلاثہ کی وضاحت ہوگئی۔ چوتھے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اُن کے شرفِ خلافت اور خلعتِ علم سے نوازے جانے اور مسجودِ ملائک قرار پانے اور پھر ابلیسِ لعین کی عداوت واغواء سے جنّت سے نکالے جانے کے ضمن میں گویا انسان کے مقام ومرتبہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اُس کے کشمکشِ خیر وشر میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے' جس میں انسان کو مستقل طور پر شیطان کے اضلال واغواء کا سامنا رہتا ہے اور جس سے تحفظِ دامنِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام) کو تھامے بغیر ممکن نہیں۔ بقول شاعر: ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ!

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصے میں بھی یہود کے کردار کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس طرح ابلیسِ لعین حضرت آدم علیہ السلام کے اعزاز واکرام سے جل بھُن کر کباب ہوگیا تھا اور اس نے اُن کے ازلی وابدی دشمن کی حیثیت اختیار کر لی تھی' اسی طرح یہ مُدعیانِ علم وفضل اور حاملانِ دین وشریعت بھی محمدِ عربی ﷺ کے اعزاز واکرام پر حسد کی آگ میں جل اُٹھے ہیں اور آپ ﷺ کو خوب جاننے اور پہچاننے کے باوجود مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ہیں اور اِس عداوت اور دشمنی میں مشرکین سے بھی دو ہاتھ

آگے نکل گئے ہیں۔

پانچواں رکوع یہود کو دعوت پر مشتمل ہے اور اُس کی سات آیات اس اعتبار سے انتہائی اہم ہیں کہ اس میں انہیں نہایت بلیغ پیرائے میں آنحضورﷺ اور قرآن پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے' اور دعوت کی مناسبت سے اُسلوب ایسا مؤثر اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں قبولِ حق کی ذرّہ برابر استعداد بھی موجود ہو تو وہ فوراً تسلیم کر لے اور لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جائے۔

چھٹے رکوع کے آغاز سے پندرہویں رکوع کے آغاز تک نو رکوعوں سے زائد پر مشتمل ایک مفصل فردِ قرارداد جرم ہے جو یہود پر عائد کی گئی' اور جس کی پاداش میں اُن سے وراثتِ ابراہیمی سلب کر لی گئی اور امامتُ النّاس کا منصب چھین لیا گیا۔ اس مفصل فردِ قرارداد جرم میں ان کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کا بیان بھی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت کی قدر ابتدا ہی سے نہ کی اور اس منصب کی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہی ضائع کر دیا' اور ان جملہ اِعتقادی اور عملی و اخلاقی گمراہیوں کی تفصیل بھی ہے جن میں اپنی تاریخ کے مختلف اَدوار میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے۔ اس حصے کا ایک خاص پہلو اور بھی ہے جو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے' یعنی اس میں نہ صرف یہ کہ ماضی کی تاریخ بیان ہوئی ہے بلکہ علاّمہ اقبال کے الفاظ میں: ''آنے والے دَور کی دُھندلی سی اک تصویر'' بھی موجود ہے۔ اس لیے کہ آنحضورﷺ کے اس قول کے مصداق کہ:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))(۱)

''میری اُمّت پر بھی وہ سب کچھ وارد ہوگا جو بنی اسرائیل پر ہوا' بالکل اسی طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے۔''

بعد میں خود اُمّتِ مسلمہ میں وہ ساری اخلاقی و عملی اور اعتقادی یا نظری و فکری گمراہیاں پیدا ہو کر رہیں' جیسے بجائے ایمان اور عمل کے مدارِ نجات نسلی یا گروہی نسبتوں کو قرار دے دینا' جس کا ذکر ہے آیت ۶۲ میں' یا آخرت کی جواب دہی کے اِحساس کو زائل کر دینا

(۱) سنن الترمذی' ابواب الایمان عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔

اپنی امتیازی حیثیت اور اللہ کے چہیتے اور اُس کے رسولوں کے نام لیوا ہونے کے زعم یا کسی سفارش کی اُمیدِ موہوم اور امداد کی غلط توقع کی بنا پر' جیسے کہ واضح کیا گیا آیات ۴۸ و ۱۲۳ میں' یا عمل کے بجائے تمناؤں کے سہارے جینا' جس کا ذکر ہے آیت ۸۰ میں' اور جدّوجہد اور سعی و عمل کے بجائے اصل دلچسپی رکھنا عملیات یا سحر و کہانت اور ٹونوں ٹوٹکوں سے' جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۲ میں' یا کتابِ الٰہی کو بھی یا تو بالکل پیٹھ پیچھے پھینک دینا اور کُلیتہً نظر انداز کر دینا' جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۱ میں' یا اُس کے حصے بخرے کر دینا کہ شریعت کا ایک جزو تو واجب العمل قرار پائے اور دوسرے جزو کو حیلوں بہانوں سے ساقط العمل کر دیا جائے' جس کا حد درجہ زوردار تہدیدی انداز میں ذکر ہے آیت ۸۵ میں' اور نتیجتاً مبتلا اور مغلوب ہو جانا حیاتِ ارضی کی محبت میں' اور خواہاں ہونا طولِ حیاتِ دُنیوی کا' جس کا ذکر ہے نہایت مذمّت آمیز انداز میں آیات ۹۴ تا ۹۶ میں' اور بٹ جانا فرقوں اور گروہوں میں' جن کی ساری مساعی وقف ہو ایک دوسرے کی تکذیب اور تردید ہی میں' جس کی جانب اشارہ کیا گیا آیات ۱۱۱ تا ۱۱۳ میں —— اور ان سب کی پاداش میں باطنی طور پر مبتلا ہو جانا اُس قساوتِ قلبی میں جس کا حد درجہ یاس آمیز انداز میں ذکر کیا گیا آیت ۷۴ میں' اور ظاہری طور پر ہدف بن جانا اللہ کے غضب کا اور مبتلا ہونا ذلت و مسکنت اور محکومی و رُسوائی میں' جس کا انتہائی عبرت انگیز الفاظ میں ذکر ہوا آیت ۶۱ میں! فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ!

آخری حصے کے پہلے دو رکوعوں یعنی پندرہویں اور سولہویں رکوعوں میں پہلے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کو عطا کیے جانے والے منصب امامت النّاس کا ذکر ہے۔ پھر تعمیرِ کعبہ اور اُس دعا کا ذکر ہے جو اُس کی تعمیر کے وقت معمارانِ حرم یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے لبوں پر جاری تھی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ (آیت ۱۲۹)

''اے ربّ ہمارے! ہماری نسل میں سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات

پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے۔''

اس کے بعد ایک بار پھر یہود کو نہایت مؤثر انداز میں زجر وتوبیخ بھی کی گئی —— اور آخر میں دو رکوعوں یعنی سترہویں اور اٹھارہویں رکوعوں میں اعلان کر دیا گیا کہ یہود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امامت النّاس اور حاملِ کتابِ الٰہی وشریعتِ خداوندی ہونے سے محروم کر دیے گئے اور اب ''شہادت علی النّاس'' کا یہ منصب اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیا گیا۔ اور اس عظیم تبدیلی کی علامت کے طور پر ابدالآباد تک اہل ایمان ویقین اور اربابِ عرفان وآگہی کا قبلہ بنی اسرائیل کی عظمت وسطوتِ پارینہ کی یادگار اور اُن کے دینی و مذہبی مرکز یعنی بیت المقدس کے بجائے اس گھر کو قرار دے دیا گیا جو: ﴿اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ کا مصداق بھی ہے اور ﴿مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ کا بھی' اور جس کی تعمیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی شرکت کی تھی اور جسے اب اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔

اس حصے میں اس اہم تبدیلی کے اعلان کے ساتھ ہی اُمّتِ مسلمہ کو متنبہ کر دیا گیا کہ اس منصب پر فائز ہونا جہاں ایک بہت بڑا اعزاز ہے وہیں ایک بھاری ذمہ داری اور نازک فرض کی حیثیت بھی رکھتا ہے' جس کے لیے وہ اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے۔ اس لیے کہ ان کی غرضِ تأسیس یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی گواہی اُن کے سامنے قولاً وعملاً دی اور اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا لحاظ کیا نہ مخالفت کرنے والے کی مخالفت کا' اور اس طرح اللہ کی حجت ان پر قائم کر دی' اسی طرح اب ان کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کی گواہی دیں اپنے قول سے بھی اور عمل سے بھی' انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی' پوری دنیا اور تمام نوعِ انسانی کے سامنے' اور اللہ کی حجت قائم کریں اُن پر —— اور ساتھ ہی واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اصل میں اسی دُعائے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے' اور اِن کا عملی طریق کار بھی وہی ہے جس کا ذکر اس دُعا میں کیا گیا تھا۔ یعنی: ''اے مسلمانو! ہم نے بھیج دیا ہے تم میں اپنا رسول خود تم ہی میں سے' جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں

ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی.....''
(آیت ۱۵۱) اور اب تمہارا کام یہ ہے کہ ہمارے اس احسان کو یاد رکھو اور اس کا حق ادا کرو' یعنی یہ کہ کتاب وحکمت کے وارث ہونے کی ذمہ داریوں کو ادا کرو۔

❁❁❁

تقریر نمبر ۲

سورۃ البقرۃ کا نصفِ ثانی جو انیسویں رکوع کے آغاز بلکہ اٹھارہویں رکوع کے اختتام سے شروع ہوتا ہے اور آخر سورت تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں تمام تر خطاب اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مُسلمہ ہوا ہے' ترتیب مضامین کے اعتبار سے ایک ایسی رسّی کے مانند ہے جو دو لڑیوں کو بٹ کر بنائی گئی ہو اور اُن میں سے ہر لڑی بھی دو دو لڑیوں سے بٹی ہوئی ہو۔

ان دو لڑیوں میں سے ایک دین وشریعت کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور دوسری اُس کے غلبے کی سعی وجُہد کی ترغیب وتشویق پر!—— پھر دین وشریعت والی لڑی کی بھی دو لڑیاں ہیں' یعنی ایک عقائد وایمانیات اور دین کے فلسفہ وحکمت کی تفصیل پر مشتمل ہے اور دوسری عبادات واعمال' اخلاق وآداب' اوامر ونواہی اور حلال وحرام کی تفصیلات یعنی احکامِ شریعت پر مشتمل ہے۔ اور غلبۂ دین کی سعی وجُہد کی بھی دو شاخیں ہیں۔ ایک وہ جو انفاقِ مال یا سرمایہ ودولت کے صَرف سے عبارت ہے اور دوسری وہ جو بذلِ نفس یعنی جسمانی قوتوں کے کھپانے اور بالآخر جان کی بازی کھیل جانے سے عبارت ہے۔

اس تمہید کے بعد ذرا ہر موضوع کا علیحدہ علیحدہ اِجمالی جائزہ لے لیجیے!

عقائد وایمانیات

عقائد وایمانیات کے ذیل میں سب سے پہلے آیۃ الکرسی کا ذکر مناسب ہے' جسے آنحضور ﷺ نے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے' اور اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ توحید فی الصفات کے ضمن میں اس آیۂ مبارکہ کو وہی مقام حاصل ہے جو توحید

فی الذّات کے ذیل میں سورۃ الاخلاص کو! ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾﴾

''اللہ (ہی معبودِ برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا' نہ اُس کو اُونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اُس کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے۔ اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے' اور ان کی حفاظت اس پر ذرا بھی گراں نہیں' اور وہ بلند و عظیم ہے۔''

توحید کے ضمن میں سورۃ البقرۃ کا بیسواں رکوع بھی بہت اہمیت کا حامل ہے' جس میں توحید کی آیاتِ آفاقی کا ذکر بھی تفصیل سے ہے اور توحید کا اصل حاصل اور لب لباب بھی بیان کر دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جملہ موجودات سے محبوب تر اور عزیز تر ہو جائے اور اللہ ہی انسان کا مطلوب و مقصودِ اصلی بن جائے۔

فلسفہ و حکمتِ دین کے اعتبار سے سورۃ البقرۃ کے بائیسویں رکوع کی پہلی آیت یعنی آیۃ البرّ بھی قرآن حکیم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے' جس میں برّ و تقویٰ کے ایک غلط تصوّر کی نفی کر کے ان کی اصل حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان کی رُوح کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے' اور اُن کے مظاہر کی تفصیل بھی ان کی نسبتِ باہمی کی وضاحت کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو' بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر' قیامت کے دن پر' فرشتوں پر' کتابوں پر اور

انبیاء پر' اور دیا اُس نے مال اس کی محبت کے علی الرغم رشتہ داروں کو' یتیموں کو' محتاجوں کو' مسافر کو' سائلوں کو اور گلو خلاصی کرانے کے لیے' اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی معاہدہ کرلیں۔ اور خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے وقت۔ یہی لوگ ہیں حقیقتاً راست باز اور یہی ہیں واقعتہً متقی و پرہیزگار۔''

ایمان کے ذیل میں اُمورِ ایمانیہ کی تفصیل آیۂ بِرّ میں بھی ضمناً آ گئی ہے اور آیت ۲۸۵ میں بھی' جو (صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق) آخری آیت یعنی آیت ۲۸۶ کے ساتھ ہی آنحضور ﷺ کو معراج میں عطا ہوئی تھی۔

احکامِ شریعت

جیسے کہ سب جانتے ہیں' شریعتِ اسلامی بھی دو اَجزاء پر مشتمل ہے' یعنی ایک حقوق اللہ یا عبادات اور دوسرے حقوق العباد یا معاملات۔

عبادات

عبادات کے ضمن میں جہاں تک نماز کے ذکر کا تعلق ہے تو وہ تو تانے بانے کے مانند پوری سورت ہی میں بُنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس جزوِ ثانی کا آغاز ہی اس ہدایت سے ہوا کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۵۳)

''اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔''

اور پھر آیات ۲۳۸'۲۳۹ میں تاکید کی گئی کہ نماز کی پوری حفاظت کرو۔ حتیٰ کہ اگر خوف کی حالت ہو تو بھی' خواہ پیدل چلتے ہوئے' خواہ سواری کی حالت میں' بہرحال کسی صورت میں بھی اس سے غفلت نہ برتو! رہا صلوٰۃ اور زکوٰۃ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر تو وہ پورے قرآن کے مانند اس صورت میں بھی پانچ بار آیا ہے' جن میں سے ایک بار نصفِ اوّل میں یہود سے خطاب کے ضمن میں آیا تھا' اور چار بار نصفِ ثانی میں مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں آیا ہے' یعنی آیات ۸۳' ۱۱۰' ۱۷۷ اور ۲۷۷ میں۔

روزے کی حکمت اور احکام کے ضمن میں تو قرآن مجید میں پوری کی پوری بحث

سورۃ البقرۃ کے ایک ہی مقام پر یعنی تیئیسویں رکوع میں آیات ۱۸۳ سے ۱۸۷ تک آ گئی ہے۔ یعنی حکمتِ صوم کے ضمن میں اس کی وضاحت بھی کہ روزے سے اصل مقصود حصولِ تقویٰ ہے۔ اس کی صراحت بھی کہ اس عبادت کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس میں قرآن کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی نشاندہی بھی کہ روزے کا اصل حاصل حلاوتِ دُعا اور لذّتِ مناجات ہے' اور احکامِ صوم کی پوری تفصیل بھی اُن کے ارتقائی مراحل کے تذکرے سمیت! یعنی وہ ابتدائی حکم بھی جس کی رُو سے روزے کا وُجوب علی التّخییر قرار پاتا ہے اور وہ آخری حکم بھی جس کی رُو سے روزے کی فرضیت علی التّعیین ہوگئی!

اسی طرح حج اور اس کے مناسک و اَحکام کے ضمن میں بھی اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۱۹۶ تا ۲۰۳ کو حد درجہ اہمیت حاصل ہے' جن میں مناسک حج کے ضمن میں تمام ضروری ہدایات آ گئی ہیں۔ یاد ہوگا کہ ایک رکنِ حج یعنی ''سعی بین الصّفا والمروۃ'' کا ذکر اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی کے بالکل آغاز میں آیت ۱۵۸ میں کر دیا گیا تھا۔

معاملات

جہاں تک معاملاتِ انسانی کا تعلق ہے' اس سورۂ مبارکہ کو شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں وہی مقام حاصل ہے جو کسی عمارت کی تعمیر کے ضمن میں اس کے نقشے کے ابتدائی خاکے (Blue Print) کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق ابتدائی احکام اس سورت میں دیے گئے ہیں اور ان سے شریعتِ اسلامی کا ابتدائی خاکہ تیار ہوگیا ہے۔ بعد میں زیادہ تو سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں' اور کسی قدر سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب وغیرہا میں تکمیلی احکام نازل ہوئے' جن سے اس عمارت کا اتمام و اکمال ہوگیا' بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ.....﴾ (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے.....''

چنانچہ سب سے پہلے آیات ۱۶۸ تا ۱۷۳ میں کھانے پینے کی چیزوں میں حِلّت و حرمت کا ضابطہ بیان کیا گیا' جس کے ضمن میں تکمیلی احکام سورۃ المائدۃ کے پہلے رکوع میں آئے! پھر آیات ۱۷۸'۱۷۹ میں قتل کے ضمن میں قصاص اور دِیَت کے احکام بیان ہوئے۔ پھر آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲ میں وصیّت کا حکم دیا گیا جو گویا اسلام کے قانونِ وراثت کی تمہید تھا' جو بعد میں سورۃ النساء میں نازل ہوا۔ پھر آیت ۱۸۸ میں حرام خوری اور بالخصوص رشوت کی ممانعت کی گئی۔ پھر آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کی حرمت کی تمہید باندھی گئی' جس کی تکمیل سورۃ المائدۃ میں ہوئی۔ پھر آیت ۲۲۰ میں یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی۔ یہ بھی گویا تمہید ہے اس تفصیلی ہدایت کی جو سورۃ النساء کے رکوع اوّل میں آئی ہے۔ پھر اوّلاً آیت ۲۲۱ میں مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی اور اس کے بعد آیات ۲۳۳ تا ۲۴۲ میں نکاح' طلاق' ایلاء' خُلع' رضاعت' بیویوں کا نان ونفقہ' بیوہ کے حقوق' مہر اور ازدواجی زندگی کے دوسرے بہت سے معاملات سے متعلق تفصیلی احکام دیے گئے' جن پر بعد میں مزید اضافوں سے اسلام کے عائلی نظام کا حسین و جمیل اور پاک وصاف قصر تعمیر ہوا۔

پھر آخری حصے میں' جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مدنی دَور کے آخر سے تعلق رکھتا ہے' اوّلاً آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱ میں سُود کی حرمت کا بیان نہایت سخت الفاظ میں ہوا۔ ثانیاً آیت ۲۸۲ میں قرض اور اس سلسلے کی لکھت پڑھت اور گواہی و شہادت کے قانون کی تفصیل آئی' اور اسی کے ضمیمے کے طور پر آیت ۲۸۳ میں رہن کا ضابطہ بیان ہوا' اور اس طرح' جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ابتدائی خاکہ تیار ہو گیا۔

جہاد فی سبیل اللہ

سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مضامین کی دوسری لڑی دینِ حق کے غلبے کی سعی و جہد اور اس کے لیے ترغیب وتشویق پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بھی' جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' دو جزو ہیں۔

۱) ایک جہاد بالمال یا انفاق فی سبیل اللہ۔ یعنی اللہ کے پیغام کی نشر و اشاعت' قرآن مجید کے علم و حکمت کی تعلیم و تشہیر اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجُہد میں مال صرف کرنا' جس کی تاکید ویسے تو اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی میں از اوّل تا آخر رچی بسی ہوئی ہے۔ چنانچہ آیات ۱۹۵' ۲۱۵' ۲۱۹' ۲۴۵ اور ۲۵۴ میں بتکرار و اعادہ اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن آیات ۲۶۱ تا ۲۷۴ یعنی رکوع ۳۶ اور ۳۷ (اور رکوع ۳۸ کی پہلی آیت) تو اس موضوع پر پورے قرآن مجید میں ''ذَرْوَۃُ السَّنَامِ'' یعنی چوٹی یا نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲) دوسرا قتال فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کُفّار سے جنگ' جس کا مُنتہائے مقصود ہے درجۂ شہادت' بقول علّامہ اقبال: ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چنانچہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کا آغاز ہی اس درجۂ شہادت اور اس کے مرتبہ و منزلت کے بیان سے ہوا جو آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷ پر پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ بے شک ہم تمہارا امتحان لیں گے' کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں' جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور ان ثابت قدموں کو خوشخبری سنا دو۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے ربّ کی عنایتیں ہیں اور رحمت' اور یہی لوگ راہ یاب ہونے والے ہیں۔''

پھر باقاعدہ حکمِ قتال آیا جو آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ پر پھیلا ہوا ہے۔ گویا ترتیب مصحف میں حج کے احکام سے مُتّصلاً قبل ہے' جس سے اس امر کی جانب رہنمائی ملتی ہے کہ اس کا اوّلین ہدف مقاماتِ حج یعنی حرم کو مشرکین کے تسلّط سے نجات دلانا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی کہ قتال کا سلسلہ جاری رہے گا تا آنکہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ

لِلّٰہِ ط﴾ (آیت ۱۹۳) گویا قتال فی سبیل اللہ کا آخری ہدف غلبۂ دینِ حق ہے۔

پھر آیت ۲۱۴ میں قتال سے جی چرانے والوں کو تنبیہ کی گئی کہ کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ جنت میں داخلہ مل جائے گا' بغیر اللہ کی راہ میں مصائب جھیلے اور تکالیف برداشت کیے؟ حالانکہ تم سے پہلے اہلِ ایمان کا ہم خوب ٹھوک بجا کر امتحان لیتے رہے ہیں!

پھر آیات ۲۱۶ تا ۲۱۸ میں قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت و مشروعیت کی تصریح کی گئی اور تھوڑی دور آگے چل کر آیت ۲۴۴ میں نہ صرف یہ کہ اس کا پُرزور اِعادہ کیا گیا بلکہ آیات ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اُن واقعات کا ذکر ہوا جن میں مشرکین اور کُفّار سے قتال کے نتیجے میں تاریخی اعتبار سے یہود کی عظمت و سطوت کے دَور کا آغاز ہوا' یعنی وہ جنگ جو طالوت اور جالوت کے مابین ہوئی اور جس کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی پُرشکوہ بادشاہت شروع ہوئی۔ یہ تفصیلی بیان درحقیقت غزوۂ بدر کی تمہید تھا جس سے خود مسلمانوں کی سطوت و شوکت اور دین حق کے غلبے کے دَور کا آغاز ہوا' جس کا نقطۂ عروج دورِ خلافت راشدہ ہے۔

اور پھر اس سورۂ مبارکہ کا اِختتام ہوا اس عظیم دُعا پر جو شہادت علی الناس کی نازک ذمہ داری کی ادائیگی اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن مراحل میں اہلِ ایمان کے لیے سرمایۂ اطمینان و سکون بنتی ہے' اور جس کا خاتمہ ہوتا ہے کفّار کے بالمقابل اللہ سے امداد و نصرت کی اِستدعا پر' اور جو آنحضور ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی شبِ معراج میں اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے ہدیۂ ربّانی کے طور پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾﴾

''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مؤاخذہ نہ فرمانا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اُوپر اس طرح کا کوئی بار نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے گزرے' اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر

کوئی ایسا بوجھ نہ لاد جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو' اور ہمیں معاف کر' ہمیں بخش دے' اور ہم پر رحم فرما' تو ہمارا مولا ہے' پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔''

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○

❁❁❁

تقریر نمبر ۳

سورۂ آلِ عمران

ترتیب نزولی کے اعتبار سے سورۃ البقرۃ کے بعد سورۃ الانفال کا نمبر ہے' اس لیے کہ وہ کُل کی کُل غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ لیکن ترتیبِ مصحف میں سورۃ الانفال کو سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے بعد اور سورۃ التوبۃ سے قبل رکھا گیا ہے' جس کی حکمت پر گفتگو اِن شاء اللہ سورۃ الانفال ہی کے ضمن میں ہوگی۔ بہرحال مصحف میں سورۃ البقرۃ کے بعد سورۂ آلِ عمران ہے' جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ہر اعتبار سے سورۃ البقرۃ کا جوڑا معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ بھی مضامین کے اعتبار سے سورۃ البقرۃ کی طرح دو بالکل مساوی حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصے میں روئے سخن اہلِ کتاب اور ان میں سے بھی بالخصوص نصاریٰ کی جانب ہے' اور دوسرے میں خطاب کا رُخ براہِ راست اُمّتِ مسلمہ کی طرف ہے۔

پھر اس کا نصف اوّل بھی ٹھیک سورۃ البقرۃ کے مانند تین اجزاء ہی پر مشتمل ہے' یعنی جزو اوّل جو آیات ۱ تا ۳۲ پر مشتمل ہے' جو غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوا اور جسے اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ سے خطاب کی تمہید قرار دیا جا سکتا ہے' جزوِ ثانی جو آیات ۳۳ تا ۶۳ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق ۹ ھ میں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا' جس میں نصاریٰ سے براہِ راست خطاب فرمایا گیا اور اُن کے عقیدۂ اُلوہیتِ مسیح کی بھرپور تردید کی گئی' اور جزوِ ثالث جو آیات ۶۴ تا ۹۹ پر مشتمل ہے' جس کا زمانۂ نزول غزوۂ

اُحد سے متصلاً قبل معلوم ہوتا ہے اور جس میں خطاب کا رُخ اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کی جانب ہے' یعنی یہود کی جانب بھی اور نصاریٰ کی جانب بھی' اور دونوں ہی کو بالکل سورۃ البقرۃ کے انداز میں دعوت بھی دی گئی ہے اور ملامت بھی کی گئی ہے۔

اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کا نصفِ ثانی بھی تین اجزاء پر منقسم ہے۔ جزوِ اوّل جو آیات ۱۰۰ تا ۱۲۰ پر مشتمل ہے' جس کا زمانۂ نزول نصفِ اوّل کے جزوِ ثالث کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے اور جس میں اُمّتِ مسلمہ سے عمومی خطاب فرمایا گیا ہے اور انہیں ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہی بخشنے کے ساتھ ساتھ اصولی ہدایات دی گئی ہیں اور بالخصوص اہلِ کتاب کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جزوِ ثانی جو آیات ۱۲۱ تا ۱۸۰ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق غزوۂ اُحد کے فوراً بعد نازل ہوا' جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور اُس کے فوراً بعد پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال پر بھرپور تبصرہ بھی کیا گیا ہے اور اس کے سلسلے میں اہل ایمان کو خصوصی ہدایات بھی دی گئی ہیں' اور جزوِ ثالث جو آیات ۱۸۱ تا ۲۰۰ پر مشتمل ہے اور خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے اور غالباً غزوۂ اُحد سے قبل نازل ہوا۔ واللہ اعلم!

اس تجزیے کے بعد آیئے کہ ہر حصے کے اہم مضامین کا جائزہ لے لیں!

(۱) سورۃ البقرۃ کی طرح سورۂ آلِ عمران کا آغاز بھی حروفِ مقطعات الٓمّٓ سے ہوتا ہے اور اس کے پہلے رکوع میں اوّلاً قرآن مجید کی عظمت و جلالتِ شان کا بیان ہے' اس مزید وضاحت کے ساتھ کہ یہ کوئی نئی یا انوکھی کتاب نہیں' بلکہ کتبِ سماویہ کے اُس عظیم سلسلے کی آخری و جامع اور مکمل و محفوظ کڑی ہے جس میں تورات اور انجیل بھی شامل ہیں۔ پھر سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع ہی کے مانند یہاں بھی دو گروہوں کا ذکر ہوا۔ ایک وہ طالبانِ ہدایت جو اس کتابِ الٰہی سے صحیح استفادہ کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ جن کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جو فتنے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اس اہم حقیقت کی جانب رہنمائی عطا فرمائی

گئی کہ کتابِ الٰہی دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک آیاتِ محکمات جن کا مفہوم و مدلول بالکل واضح اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور دوسری آیاتِ متشابہات' جن کے اصل مراد و معنی کی تعیین میں اشتباہ پیش آسکتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نیت میں خلل ہوتا ہے اور جو بجائے ہدایت کے فتنے کے طالب ہوتے ہیں وہ آیاتِ متشابہات کی کھود کرید میں مصروف رہتے ہیں' اور جن طالبانِ ہدایت کو اللہ تعالیٰ رسوخ فی العلم عطا فرما دیتا ہے اُن کی اصل دلچسپی آیاتِ محکمات سے ہوتی ہے' اور وہ آیاتِ متشابہات کے ضمن میں اِجمالی ایمان پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸﴾

''اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو کجی میں نہ مبتلا کر دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا' اور ہمیں عطا فرما اپنے خزانۂ فضل سے رحمتِ خصوصی' یقیناً تو ہی عطا فرمانے والا ہے!''

اس میں ایک لطیف اشارہ ہو گیا نصاریٰ کی گمراہی کی طرف جنہوں نے ''رُوح اللہ'' اور ''کَلِمَةٌ مِّنْهُ'' کے متشابہ الفاظ سے رائی کا پہاڑ بنا ڈالا اور اُلوہیتِ مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا۔

جزوِ اوّل کی بقیہ آیات یعنی از ۱۰ تا ۳۲ کے بارے میں قابلِ اعتماد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پس منظر میں ایک خاص واقعہ ہے' اور وہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے واپسی پر آنحضور ﷺ اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کا گزر بنی قینقاع کے بازار سے ہوا اور وہاں آپ ﷺ نے یہود کو دعوتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جواب میں یہودِ بنی قینقاع نے انتہائی گستاخانہ انداز میں کہا کہ: ''بدر کی فتح سے دھوکا نہ کھانا! جب ہم سے مقابلے کی نوبت آئی تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا''۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان میں اہلِ کتاب پر سخت تنقید بھی ہے اور انہیں شدید تہدید و وعید بھی۔ اور ساتھ ہی اہلِ ایمان کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ ان سے میل جول اور قریبی تعلقات اور دلی دوستی رکھنے سے پرہیز کریں۔

(۲) نصفِ اوّل کے جزوِ ثانی کا آغاز انبیاء و رُسل علیہم السلام کے عظیم سلسلے کے حوالے سے

ہوتا ہے جس میں آدم ونوح اور آلِ ابراہیم وآلِ عمران کے نام خصوصیت کے ساتھ لیے گئے۔ اس کے فوراً بعد حضرت مریم سلامٌ علیہا کی والدہ ماجدہ کا ذکر ہوا اور پھر خود حضرت مریمؑ اور اُن کی نیکی وعبادت گزاری اور طہارت و پاک دامنی کی تفصیلات بیان ہوئیں اور پھر اُسی کے حوالے سے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی اجابت وقبولیت اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا جو بجائے خود ایک خرقِ عادت بات تھی' اس لیے کہ حضرت زکریاؑ بھی اُس وقت بہت ضعیف ہو چکے تھے اور اُن کی اہلیہ یعنی حضرت یحییٰؑ کی والدہ بھی نہایت بوڑھی تھیں اور تمام عمر بانجھ رہی تھیں۔ یہ گویا تمہید ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی خرقِ عادت ولادت کے ذکر کی۔ چنانچہ پھر بیان کا رُخ حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہما السلام کی جانب مڑ گیا اور اُن کے معجزات اور حالات وواقعات کے ذکر کے بعد اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا کہ حضرت مسیحؑ نہ خود خدا تھے نہ خدا کے بیٹے' بلکہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے اور مخلوق تھے۔ اُن کی ولادت ضرور بغیر باپ کے ہوئی اور انہیں معجزات بھی نہایت عظیم عطا کیے گئے' لیکن یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہے نہ کہ کسی اور کے ارادہ واختیار سے۔ اگر حضرت یحییٰؑ کی خلافِ عادت ولادت ان کی اُلوہیت کی دلیل نہیں تو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت میں طبعی قانون اگر تھوڑا سا مزید ٹوٹتا نظر آتا ہے تو آخر اس سے ان کا خدا یا خدائی میں شریک ہونا کیسے لازم آ گیا؟ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' یہ عظیم خطبہ آنحضور ﷺ پر ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے آخر میں انہیں مباہلے کا چیلنج بھی دے دیا گیا ہے' اور روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ ایمان سے تو محروم ہی لوٹ گئے لیکن مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکے!

(۳) نصفِ اوّل کے جزوِ ثالث میں' جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا' اہلِ کتاب کو دعوت بھی ہے اور ملامت بھی۔ چنانچہ اس کا آغاز اِس عظیم آیت سے ہوتا ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۶۴)

''(اے نبی!) کہہ دو: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے' (یعنی) یہ کہ ہم بندگی نہ کریں اللہ کے سوا کسی کی' اور شریک نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو اور ہم میں سے کوئی نہ بنالے اللہ کے سوا دوسروں کو ربّ.....''

اس اُصولی اِشتراک کے بعد دعوت کے ضمن میں بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں کے مشترک جدّ امجد کا ذکر کیا گیا اور اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ نہ وہ یہودی تھے نہ نصرانی' بلکہ اُن کا دین بھی وہی اسلام تھا جس کی دعوت نبیِ اُمّی ﷺ دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کے مانند یہاں بھی خانۂ کعبہ کا ذکر بھی کیا گیا کہ خدائے واحد کی پرستش کے لیے روئے ارضی پر تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر وہی ہے جس کی تولیت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور بنی اسمٰعیل کو عطا کی گئی۔

اس دعوت کے ساتھ ساتھ اُن کی اخلاقی و عملی اور فکری و اعتقادی گمراہیوں پر تنقید بھی کی گئی' اور گویا سورۃ البقرۃ میں جو فردِ قرارداد جرم تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی تھی اُس کا خلاصہ دوبارہ سامنے رکھ دیا گیا۔

(۴) نصف ثانی کے جزوِ اوّل میں سب سے پہلے مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اپنی سادہ لوحی کے باعث اہل کتاب کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تو وہ انہیں اسلام سے واپس کفر کی جانب پھیر لے جائیں گے۔

پھر تین بنیادی ہدایتیں دی گئیں۔ ایک یہ کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس سے تقویٰ کا حق ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ صحیح روایات کی رُو سے اس کی وضاحت آنحضور ﷺ نے فرما دی کہ اللہ کی رسّی سے مراد اللہ کی کتاب ہے' اور تیسرے یہ کہ تفرقہ و اختلاف کو راہ نہ دو اور متحد و متفق رہو۔

پھر مسلمانوں کو اُن کے فرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا کہ: ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے دنیا والوں کے لیے برپا کیا گیا ہے' (تمہارا کام یہ ہے کہ) تم نیکی کا حکم دو' بدی سے روکو اور اللہ پر ایمان (اور بھروسہ) رکھو!'' (آیت ۱۱۰)

یہ گویا وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ میں اُمتِ مُسلمہ کی غرضِ تأسیس کی بحث کے

ضمن میں ''شہادت علی النّاس'' کی اصطلاح کے ذریعے بیان کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں یہ عملی ہدایت بھی دے دی گئی کہ اگر خدانخواستہ کبھی اُمّت بحیثیت مجموعی اس فریضے سے غفلت برتنے لگے تب بھی اُمّتِ مُسلمہ میں کم از کم ایک جماعت تو ضرور ایسی رہنی چاہیے جو اسے اپنا مقصدِ زندگی اور فریضۂ حیات بنالے۔

(۵) نصفِ ثانی کے دوسرے جزو میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات پر تفصیلی تبصرہ ہے اور بالخصوص ان کمزوریوں کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے جو دعوتِ اسلامی کے اس اہم اور نازک مرحلے پر مسلمانوں کی بعض جماعتوں کی جانب سے ظاہر ہوئیں' اور جن کے نتیجے میں فتح عارضی طور پر شکست میں تبدیل ہوگئی اور نبی اکرم ﷺ بھی زخمی ہوئے اور ستّر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس سلسلہ کی اہم ترین آیت ۱۵۲ ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم انہیں اُس کی تائید و نصرت کے طفیل تہِ تیغ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم نے (خود ہی) ڈھیلے پن کا مظاہرہ کیا اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کا ارتکاب کیا اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز (یعنی فتح یا مالِ غنیمت) دکھا دی جو تمہیں محبوب ہے۔ تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اصلاً دنیا کے طالب ہیں اور وہ بھی ہیں جو آخرت کے طلب گار ہیں۔ پھر اللہ نے تمہارا رُخ اُن کی جانب سے موڑ دیا تاکہ تمہیں آزمائش کی بھٹی میں تپائے' اور (بالآخر) تمہیں معاف بھی کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ مؤمنین کے حق میں بڑا بخشندہ و مہربان ہے۔''

قرآن مجید میں یہ مقام' اہل ایمان کو جو آزمائشیں اللہ کی جانب سے پیش آتی ہیں اُن کے ضمن میں حد درجہ جامع اور اہم ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ واضح کیا گیا کہ اہل ایمان کے لیے ابتلاء و آزمائش اللہ کی سُنّتِ ثابتہ ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسری طرف اس ابتلاء و آزمائش کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے —— اور پانی کہاں کہاں مرتا ہے' تاکہ جماعت اپنی تطہیر اور تمحیص کر لے اور آئندہ کے مراحل کے لیے مزید چاق و چوبند ہو جائے۔ تیسری طرف اس ضمن میں منافقین کا کردار بھی واضح کر دیا گیا تاکہ مسلمان اپنی جماعت کے اس ففتھ کالمسٹ عنصر

سے خبردار ہو جائیں۔

یہ مضامین اس سورۂ مبارکہ میں بہ اِعادہ و تکرار آیات ۱۴۰ تا ۱۴۲' پھر آیات ۱۵۲' ۱۵۴' پھر آیات ۱۶۵ تا ۱۶۸' اور بالآخر نہایت جامع انداز میں آیت ۱۷۹ میں بیان ہوئے ہیں۔ آیت ۱۷۹ کے الفاظ ہیں:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ﴾

''اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ تمہیں چھوڑ دے اس حال میں جس میں تم ہو (وہ تو جانچ پرکھ جاری رکھے گا) یہاں تک کہ پاک سے ناپاک کو بالکل جدا کر دے!''

اور اس سلسلے میں اِس سورت میں بھی وہ مضمون دوبارہ بیان کر دیا گیا جو اِس سے قبل سورۃ البقرۃ کے رکوع ۱۹ میں بیان کیا گیا تھا کہ:

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں ہرگز مُردہ نہ سمجھو' وہ زندہ ہیں اور اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خود بھی اللہ کی دادودہش سے فرحاں وشاداں ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والے صاحبِ ایمان ساتھیوں کے بارے میں بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ غم!'' (آیات ۱۶۹' ۱۷۰)

(۶) آخری حصہ جو خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے' دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔

پہلے یعنی سورۃ کے انیسویں رکوع میں ایک بار پھر اس کش مکش کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو اہل ایمان اور اہل کتاب کے مابین خصوصاً غزوۂ اُحد کے بعد شدّت اختیار کر گئی تھی۔ اس میں اہل کتاب کو اسی تہدید و تنبیہ اور اہل ایمان کو اُن ہی ہدایات کا اِعادہ کیا گیا جو اِس سے قبل تفصیل سے آ چکی ہیں۔

اور آخری رکوع کی دس آیات وہ ہیں جن کی صحیح احادیث میں حد درجہ فضیلت وارد ہوئی ہے اور جن سے خصوصی شغف تھا آنحضور ﷺ کو۔ ان میں خلاصہ آ گیا اس اِستدلال کا جو توحید' معاد اور رسالت کے ضمن میں قرآن حکیم کی مکّی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے' اور ان میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اہل ایمان کی جان نثاری' سرفروشی' اور غلبۂ دینِ حق کے لیے گھر بار چھوڑنے' اعزّہ و اقرباء سے قطع تعلق کرنے اور جہاد و قتال

کے معرکے سر کرنے اور جان کی بازی لگا دینے کا۔ اس رکوع میں سورۃ البقرۃ ہی کے مانند ایک عظیم دُعا بھی آ گئی ہے، یعنی:

''اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ (کارخانہ) بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ تو (اس بات سے) پاک ہے (کہ کوئی عبث کام کرے)' سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا! اے ہمارے ربّ! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا' اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے ربّ! یقیناً ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہ (لوگو!) اپنے ربّ پر ایمان لاؤ' تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہوں کو بخش دے' ہماری برائیوں کو ہم سے دُور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے ربّ! اور ہمیں بخش وہ کچھ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔'' (آیات ۱۹۱-۱۹۴)

اور اس کا اختتام ہوا اس حد درجہ جامع آیت پر کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اے اہلِ ایمان! صبر سے کام لو' مقابلے میں پامردی کا ثبوت دو اور (حفاظت و مدافعت میں) چوکس رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

❁❁❁

تقریر نمبر ۴

ابتدائی طویل مدنی سورتوں کا دوسرا جوڑا

قرآن مجید کی ابتدائی چار طویل مدنی سورتوں کا دوسرا جوڑا سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ پر مشتمل ہے اور ان دونوں کے مابین سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران کی طرح صوری و معنوی دونوں قسم کی مشابہتیں موجود ہیں۔ چنانچہ معنوی مشابہتوں کے ضمن میں

دونوں میں ایک طرف تو گویا شریعتِ اسلامی کی تکمیل ہوگئی ہے اور سورۃ النساء میں عائلی اور خاندانی سطح پر اور سورۃ المائدۃ میں معاشرتی و ملی سطح پر مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے ضمن میں تکمیلی ہدایات دے دی گئی ہیں' اور دوسری طرف یہود و نصاریٰ سے بھی آخری باتیں ہوگئی ہیں—— اور ظاہری مشابہتوں کے ضمن میں نمایاں ترین چیزیں یہ ہیں کہ دونوں کا آغاز بھی بلا تمہید ہوا ہے' یعنی نہ حروفِ مقطعات آئے ہیں نہ اور کوئی تمہیدی کلام' بلکہ خطاب کا آغاز براہِ راست: ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اور ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ سے ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح دونوں کا اِختتام بھی نہایت سادگی سے ہو گیا ہے۔ ایک اور مشابہت جو قدرے غور کرنے پر نظر آتی ہے' یہ ہے کہ اِن دونوں کو سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران کی طرح نصف نصف میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے' بلکہ اِن میں مضامین باہم زیادہ گتھے ہوئے ہیں۔

سُورۃُ النِّساء

سورۃ النساء کے مضامین کے تجزیے کے ضمن میں دو باتوں کو پیشگی طور پر جان لینا بہت مفید ہے۔ یعنی ایک یہ کہ اس میں خطاب تین گروہوں سے ہے' ایک اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مسلمہ' دوسرے اُمّتِ مسلمہ کے ففتھ کالمسٹ عنصر یعنی منافقین سے' اگرچہ ان کو بھی مخاطب: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے پردے ہی میں کیا گیا ہے اور تیسرے اہلِ کتاب' یعنی یہود و نصاریٰ سے۔ اور دوسرے یہ کہ ان تینوں سے خطاب ایک ایک بار ہی نہیں ہو گیا ہے بلکہ وقفے وقفے سے ہوا ہے۔ چنانچہ اُمّتِ مسلمہ کو خطاب پہلے تو آیات ۱ تا ۴۳ میں ہے' پھر دوسری بار آیات ۱۲۷ تا ۱۳۵ میں اور پھر آخری آیت یعنی ۱۷۶ میں۔ اسی طرح اہل کتاب سے گفتگو پہلے آیات ۴۴ تا ۵۷ میں آئی ہے اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں۔ اور منافقین سے خطاب پہلے آیات ۵۸ تا ۱۲۶ میں ہوا ہے اور پھر آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ میں۔

ان حصص کی تعیین کے بعد اب ایک ایک جزو کے مضامین پر بحیثیتِ مجموعی نگاہ ڈالیے۔

خطاب بہ اُمّتِ مُسلمہ

اس سورۂ مبارکہ کے وہ حصے جن میں اُمتِ مسلمہ سے بحیثیت اُمت مسلمہ خطاب فرمایا گیا ہے' بحیثیت مجموعی سورۃ البقرۃ کے نصف ثانی سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں شرعی احکام بھی ہیں اور اخلاقی تعلیمات بھی' اور دین کے اساسی عقائد کے مباحث بھی ہیں اور فلسفہ وحکمت کے ذیل میں نہایت جامع تعلیمات بھی۔

اَحکامِ شرعی

احکامِ شرعی کے ذیل میں اس سورۂ مبارکہ میں سب سے زیادہ تفاصیل عائلی و خاندانی زندگی سے متعلق آئی ہیں۔ اور چونکہ خاندانی اور سماجی زندگی کا نقطۂ آغاز ایک گھر کی آبادی اور ایک مرد اور ایک عورت کا ازدواجی رشتے میں منسلک ہونا ہے لہٰذا سب سے زیادہ تفصیلی احکام اسی کے ضمن میں دیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کا آغاز ہی اُس آیت سے ہوا ہے جسے گویا اس موضوع کے لیے جامع ترین عنوان کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے بالکل بجا طور پر اسے خطبۂ نکاح کا جزوِ لاینفک بنالیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ''اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے اُس ربّ کا جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا بھی' اور پھر اُن دونوں سے پھیلا دیا کثیر تعداد میں مَردوں اور عورتوں کو۔ اور بچتے رہو اُس اللہ (کی نافرمانی) سے بھی جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیا کرتے ہو اور قطعِ رحمی سے بھی۔ اور آگاہ رہو کہ اللہ تمہاری نگرانی فرما رہا ہے!''

اس جامع ہدایت کے بعد سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حسب ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

۱) آیات ۲ تا ۶: یتیموں کے حقوق کی نگہداشت اور اُن سے حسنِ سلوک کی تاکید۔
۲) آیات ۷ تا ۱۴: تقسیم وراثت کے ضمن میں اخلاقی تعلیم بھی اور قانونی ضابطہ بھی' جس کا تکملہ وتتمہ آیت ۱۷۶ میں وارد ہوا۔

۳) آیات ۱۵ تا ۱۶: جنسی بے راہروی کی روک تھام کے لیے تعزیرات کا بیان۔

۴) آیات ۱۹ تا ۲۵: عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کی تاکید اور اس ضمن میں حسب ذیل اہم امور کی وضاحت کہ:

(ا) عورت آزاد شخصیت کی حامل اور قانونی تشخص کی حق دار ہے، نہ کہ مَردوں کی ملکیت یا مالِ وراثت۔

(ب) عورتوں کو دیا ہوا مہر یا دوسرا مال واپس لینے کے لیے ان کو بے جا تنگ کرنا اور اُن پر تہمت لگانا انتہائی دناءت اور کمینہ پن ہے۔

(ج) باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام ہے۔

(د) اُن عورتوں کی تفصیل جن سے نکاح جائز نہیں۔

(ہ) نکاح کے اصل مقاصد گھر کی آبادی اور عصمت وعفّت کی حفاظت ہیں نہ کہ صرف شہوت رانی یا مستی نکالنا چنانچہ اس کی کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(و) جو لوگ آزاد اور خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں بدرجۂ مجبوری لونڈیوں سے نکاح کی اجازت۔

(ز) تعددِ ازدواج کی صورت میں عدل کی شرط۔[1]

(ح) اور پھر آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴ میں مزید وضاحت کہ عدل میں صرف ان چیزوں کا لحاظ ہوگا جن میں ناپ تول ممکن ہو۔ دلی میلان و رغبت انسان کے اختیار سے باہر ہے، لہٰذا اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح جھک جایا جائے کہ دوسری بے چاری نہ خاوند والی شمار ہو نہ بے خاوند!

(ط) یہ کہ اگر میاں بیوی میں کسی طرح بھی موافقت پیدا نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری طلاق کا راستہ اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاق اللہ کو ناپسند تو ہے

---

(۱) یہ مضمون سورۃ کے بالکل آغاز میں آیت ۳ میں وارد ہوا ہے۔

لیکن حرام نہیں! ہوسکتا ہے کہ اللہ دونوں کے لیے بہتر صورت پیدا فرمادے۔

(۶) گھریلو زندگی اور خاندانی نظام کے بارے میں ان تفصیلی احکام کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں عائلی نظام کے ضمن میں اہم اصولی مباحث بھی وارد ہوئے۔ چنانچہ آیات ۳۲ تا ۳۵ میں تین اہم حقائق بیان ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ کی تخلیق میں بعض کو بعض پر مختلف پہلوؤں سے فضیلت عطا ہوئی ہے۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ اسے خوش دلی سے قبول کریں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کے مقابلے میں مَردوں کو بعض اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے اور خاندانی نظام کی صحت و درستی مَرد کی قوّامیت ہی کے اصول پر اُستوار ہوسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ نکاح کا بندھن اتنا معمولی نہیں ہے کہ ذرا سی بات پر توڑ دیا جائے' عدم موافقت اور باہمی نزاع و اختلاف کی صورت میں جانبین کے اعزہ و اقرباء کو اصلاحِ حال کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔

حکمت و معرفت

نظامِ عائلی کے بارے میں ان حکیمانہ مباحث کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں دین کے بنیادی فلسفے اور حکمت کے بعض گراں قدر موتی بھی جابجا جڑ دیے گئے ہیں' چنانچہ:

(۱) آیات ۲۶ تا ۲۸ میں نفسِ شریعت کے بارے میں اِفراط و تفریط کی نشان دہی کی گئی' یعنی یہ کہ بعض لوگوں کو تو شریعت فی نفسہٖ ایک ناگوار بوجھ نظر آتی ہے' حالانکہ وہ انسان کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے اور اس کی زندگی کے گوناگوں مسائل و معاملات کو ایک حد درجہ حسین اعتدال و توازن کے ساتھ منضبط کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور دوسری طرف بعض لوگ شریعت میں اپنی مشکل پسند طبیعت کے باعث سختی پیدا کرتے چلے جاتے ہیں' جس سے لوگوں کی گردنوں پر واقعتہً بہت بھاری بوجھ آجاتا ہے۔ اِن دونوں رجحانات سے بچنے کی شدید ضرورت ہے۔

(۲) آیات ۲۹ تا ۳۱ میں واضح کیا گیا کہ نظامِ شریعت میں احترامِ جان و مال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور معاصی کے ذیل میں واضح کیا گیا کہ اگر انسان اپنے آپ کو کبیرہ گناہوں سے بچالے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو بخش دے گا۔

(۳) آیات ۱۷، ۱۸ میں توبہ کے بارے میں واضح کیا گیا کہ ایک توبہ تو وہ ہے جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، یعنی اُس شخص کی توبہ جس سے گناہ جذبات کی رو میں سرزد ہو گیا ہو اور وہ فوراً ہی رجوع کر لے —— اور دوسری توبہ وہ ہے جس کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو جان بوجھ کر معصیت میں زندگی بسر کر دیتے ہیں اور جب موت سرہانے آ کھڑی ہوتی ہے تب توبہ کرتے ہیں۔ ان دو اِنتہاؤں کے مابین معاملے کا ذکر حذف کر دیا گیا تاکہ انسان خوف اور رجاء کے بین بین رہے۔

(۴) آیات ۳۶ تا ۴۰ میں نہایت جامعیت کے ساتھ دین کے اساسی احکام کا خلاصہ پیش فرما دیا گیا، کہ دین کا اصل الاصول توحید ہے۔ چنانچہ وہ سب سے بڑا گناہ جس کی بخشش نہیں ہوگی، شرک ہے۔ اس کے بعد معاملہ ہے ادائے حقوق اور حسن سلوک کا، جس میں سرفہرست ہیں والدین، پھر رشتہ دار، پھر یتامیٰ و مساکین، پھر پڑوسی خواہ وہ رشتہ دار ہو خواہ اجنبی اور خواہ اُس کے ساتھ نہایت مختصر عرصے کے لیے عارضی ساتھ ہو گیا ہو، اور پھر ہیں مسافر! اور پھر ادائے حقوق سے گفتگو کا رُخ مڑ گیا انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور بخل کی مذمت کی طرف۔

(۵) آیات ۴۱، ۴۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا عدالت اُخروی کا، جس میں قوموں اور اُمتوں کے محاسبے کے وقت سرکاری گواہوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے اُن کے انبیاء و رُسل۔ ان آیات کی قراءت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سن کر آنحضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

> ''تو کیا ہوگا اُس دن جب کہ ہم ہر اُمت میں سے (اُس کے خلاف) ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ کو کھڑا کریں گے (اے نبی!) ان لوگوں کے خلاف گواہ

کی حیثیت سے۔ اس روز وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی' خواہش کریں گے کہ کاش (وہ زمین میں دھنس جائیں اور) زمین ان پر برابر کر دی جائے۔ اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے!''

یہ گویا اسی ''شہادت علی النّاس'' کا اُخروی پہلو ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں آیا۔ اور جس طرح سورۃ البقرۃ میں اس کے معاً بعد مسلمانوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس عظیم منصب کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ضمن میں مدد حاصل کرو صبر اور صلوٰۃ سے' اسی طرح یہاں بھی اس کے فوراً بعد آیت ۴۳ میں ذکر آیا نماز کا' اور نماز کے ظاہری و معنوی موانع اور اُن سے نجات حاصل کرنے کے ذرائع کا۔

اُصولِ شہریت

عائلی اور گھریلو زندگی سے بلند تر سطح پر ایک صالح اور صحت مند معاشرے کی تعمیر کے ضمن میں سورۃ النساء میں بعض نہایت اہم اور اصولی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ چنانچہ

(۱) آیت ۵۸ میں فرمایا گیا:

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقیناً یہ بہت ہی اعلیٰ (اور عمدہ) نصیحت ہے جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔ اللہ تو ہے ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا۔''

اور ظاہر ہے کہ ادائے امانت اور قیامِ عدل و انصاف کے بغیر کسی بھی صحت مند اِجتماعی نظام کی تعمیر کی توقع نہیں کی جا سکتی!

(۲) پھر آیت ۸۵ میں فرمایا:

''جو کوئی سفارش (یا تائید) کرے گا بھلائی کی تو اس (کے اجر) میں سے اسے بھی حصہ ملے گا' اور جو کوئی سفارش (یا تائید) کرے گا برائی کی تو خود بھی اس کے وبال میں شریک ہو کر رہے گا' اور اللہ ہر ہر چیز کا پورا پورا حساب رکھنے والا ہے!''

ظاہر ہے کہ یہ بھی حیاتِ اجتماعی کا زرّیں اصول ہے اور یہ وہی بات ہے جو اگلی سورت یعنی سورۃ المائدۃ کی آیت ۲ میں اِن الفاظ میں آئے گی:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ ﴾

''اور تعاون کرو برّ و تقویٰ کے ہر کام میں' اور ہرگز تعاون نہ کرو کسی بھی گناہ یا ظلم کے کام میں!''

(۳) پھر آیت ۸۶ میں ارشاد فرمایا:

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے (یا دُعا دی جائے) تو تم بھی (جواباً) اس سے بہتر طور پر سلام کرو (یا دعا دو) ورنہ (کم از کم) اسی انداز میں لوٹا دو۔ یقیناً اللہ ہر ہر چیز کا حساب لینے والا ہے!''

یہ گویا آداب کی تعلیم ہے اور اس سے اسلامی معاشرے میں محبت و یگانگت کے اِحساسات پروان چڑھتے ہیں۔

اس سلسلے کی اہم ترین کڑی آیت ۱۳۵ ہے جس میں فرمایا گیا:

''اے اہل ایمان! پوری قوت و استقامت کے ساتھ عدل و انصاف کے علمبردار (اور) اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ!''

یہی ہدایت الفاظ کی ترتیب کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں آئی ہے۔ اور یہ گویا اسی فرضِ منصبی کی ادائیگی کی تاکید ہے جس کے لیے اُمّتِ مسلمہ برپا کی گئی' یعنی خلق پر خالقِ ارض و سماء کی جانب سے قولی و عملی شہادت اور اِتمامِ حجت! اور اس پر ختم ہوتا ہے اِس سورۂ مبارکہ کے ان حصص کے مضامین کا خلاصہ جن میں خطاب اُمّتِ مسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مسلمہ ہوا ہے۔

خطاب بہ اہلِ کتاب

اہل کتاب کے ساتھ سورۃ النساء میں خطاب بہت مختصر ہے' یعنی پہلے آیات ۴۴ تا ۵۷ میں اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں' اور ان میں بھی جہاں تک یہود کا تعلق ہے' ایک تو انداز براہِ راست گفتگو کا نہیں' بلکہ برسبیلِ تذکرہ اور بالواسطہ خطاب کا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ رنگ دعوت کا نہیں' بلکہ تمام تر ملامت اور زجر و توبیخ کا ہے۔ البتہ نصاریٰ کے ساتھ گفتگو براہِ راست بھی ہے اور اس میں تہدید و تنبیہہ کے ساتھ ساتھ دعوت اور افہام و تفہیم

کا رنگ بھی موجود ہے۔

چنانچہ اس سورت میں ایک بار پھر یہود کے اُن جرائم کی فہرست سامنے آتی ہے جن کی تفصیل سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکی ہے۔ جیسے اللہ کی کتابوں میں لفظی و معنوی تحریف' یا صرف زبان کو توڑ موڑ کر یا لہجے کی تبدیلی سے الفاظ کے معانی کا بدل دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کا یہ کہنا کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ خدا کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر نبی کی زندگی ہی میں بچھڑے کو معبود بنا لینا اور بدترین اور عریاں ترین شرک کا مرتکب ہو جانا' حضرت مریمؑ پر بہتان باندھنا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی امکانی حد تک تو سولی پر لٹکا کر ہی دم لینا' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے انہیں اس سے بچا لیا اور آسمان پر اٹھا لیا۔ مزید برآں عملی و اخلاقی گراوٹوں کے ذیل میں سحر اور اعمالِ سفلیہ سے دلچسپی رکھنا' سود کھانا اور لوگوں کے مال حرام طریقوں سے ہڑپ کر جانا' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب کے باوصف صاحب دین و شریعت ہونے پر فخر کرنا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا ڈھونگ رچانا۔ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ السَّيِّئَاتِ!

اور ساتھ ہی نہایت زوردار الفاظ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں پر مت جاؤ۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور وہ تمہاری دشمنی میں بالکل اندھے ہو چکے ہیں اور تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ ان کے لیے یہ چیز ناقابل برداشت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین و شریعت اور کتابِ الٰہی کے حامل ہونے کا مقام اور مرتبہ ان سے چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ چنانچہ اب وہ تمہیں ہر ممکن طریق سے گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں یہ تنبیہات اس اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کا ایک بڑا حصہ' جو اس کے نصف کے لگ بھگ ہے' نفاق اور منافقین سے بحث کرتا ہے' اور یہ مرض اصلاً یہود ہی کے چھوت سے مسلمانوں بالخصوص انصار کے دونوں قبیلوں یعنی اَوس اور خزرج کے ایسے لوگوں کو لگا جو یا تو خود بھی ضعف ایمان کی کیفیت میں مبتلا تھے اور دین کے بھاری تقاضے یعنی انفاقِ مال اور جہاد و قتال ان پر شاق گزر رہے تھے' گویا نفاق کی

فصل کے لیے ان کے دلوں کی زمین پہلے سے تیار تھی جس میں یہود نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے اِس مرض کے بیج بو دیئے یا وہ بہت سادہ لوح تھے اور اپنی سادگی کے باعث یہود کی چکنی چپڑی اور بظاہر عالمانہ و فاضلانہ باتوں سے متأثر ہو جاتے تھے۔ الغرض انصار اور یہود کے دیرینہ روابط اور قدیم مراسم ہی وہ خطرہ اور اندیشہ کی جگہ بن گئے تھے جہاں سے نفاق کا مرض اُمّتِ مسلمہ میں جڑ پکڑ رہا تھا۔

یہود کی شرانگیزی کی ایک بہت نمایاں مثال جو اِس سورت میں بیان ہوئی' وہ یہ ہے کہ انہوں نے بظاہر نہایت معصومیت کے ساتھ آنحضور ﷺ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بصورتِ اَلواح لکھی ہوئی کتاب عطا کی گئی تھی' ہم آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ بھی ایسی ہی کتاب پیش نہ کریں' جس پر آیت ۱۶۳ سے آیت ۱۶۶ تک نبوت و رسالت اور ارسالِ وحی و انزالِ کتب کے ضمن میں نہایت اہم حقائق بیان ہوئے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ وحی پہلے بھی کسی ایک ہی صورت میں نہیں آئی' بلکہ مختلف صورتوں میں آتی رہی ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ بعثتِ رُسل کی اصل غرض صرف انذار و تبشیر ہے' تاکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم ہو جائے اور اُن کے پاس خدا کے یہاں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾﴾

''یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے' تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ بہرحال زبردست (اور) حکیم و دانا ہے۔''

نصاریٰ کے ساتھ گفتگو کی تقریب اس سورۂ مبارکہ میں یہود کے حضرت مریمؑ پر بہتان لگانے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کے اس گمان سے پیدا ہوئی کہ' معاذ اللہ' ہم نے انہیں قتل کر دیا اور سولی پر چڑھوا دیا۔ چنانچہ ایک طرف تو یہود کے اِن غلط دعاوی کی تردید کی گئی اور اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا گیا اور دوسری طرف خود

نصاریٰ سے خطاب کر کے فرمایا گیا:

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک خاص کلمہ' جو اُس نے مریم کی جانب القاء کیا اور ایک رُوح اس کی جانب سے! پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (تثلیث کا دعویٰ نہ کرو)۔ باز آ جاؤ' یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس اکیلا ہی معبود برحق ہے' وہ پاک ہے اس سے کہ اُس کے اولاد ہو۔ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے۔ اور اللہ کافی ہے بھروسے اور اعتماد کے لیے! نہ مسیح کو اللہ کی بندگی میں ہرگز کوئی عار ہے نہ ملائکۂ مقربین کو۔ اور جو کوئی اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرے گا اور تکبر کرے گا تو وہ اُن سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان والے بھی ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے تو ان کو تو وہ بھرپور بدلہ بھی دے گا اور مزید اپنے فضل سے بھی نوازے گا' اور جنہوں نے عار و استکبار کی روش اختیار کی ہوگی تو انہیں وہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے مقابلے میں اپنے نہ کوئی دوست پائیں گے نہ مددگار۔ اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے دلیل و برہان بھی اور نازل کر دی ہے ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی بھی۔ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کے دامن سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل (کے سائے) میں اور رہنمائی فرمائے گا ان کی صراطِ مستقیم کی طرف (جو سیدھی اس تک پہنچانے والی ہے)''۔ (آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵)



تقریر نمبر ۵

خطاب بہ منافقین

سورۃ النساء کے وہ حصے جن میں روئے سخن منافقین کی جانب ہے' اس سورۂ مبارکہ کے لگ بھگ نصف پر مشتمل ہیں۔ ان کے بارے میں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ چونکہ منافقین قانونی اعتبار سے اُمت مسلمہ ہی کا جزو تھے لہٰذا اُن

سے خطاب ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ہی کے الفاظ سے ہوا ہے۔ لیکن خطاب کا مضمون اور اُس کا سیاق وسباق بتا دیتا ہے کہ یہاں روئے سخن مؤمنینِ صادقین کی جانب نہیں بلکہ منافقین کی طرف ہے۔ اگر یہ حقیقت ملحوظ نہ رہے تو بسا اوقات الفاظ کے عموم سے مغالطے کے باعث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوءِ ظن پیدا ہوسکتا ہے جو بڑی ہی قابل حذر بات ہے۔ دوسرے یہ کہ منافقین کو زجر وتوبیخ کے ضمن میں دین کے وہ تمام اُمور تفصیلاً زیر بحث آ گئے ہیں جو اُن پر گراں اور شاق گزرتے تھے اور اس طرح دین کے گراں اور ثقیل تقاضوں کے بیان کے ضمن میں سورۃ النساء کے اُن حصوں نے نہایت اہم اور جامع مقام کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

رسول ﷺ کی کُلّی اطاعت اور کامل متابعت

دین کے ان بھاری تقاضوں میں سے اوّلین اور اہم ترین ہے رسول اللہ ﷺ کی کُلّی اطاعت اور کامل متابعت' جو سرکش اور انانیت پسند طبائع پر ویسے بھی بہت شاق گزرتی ہے' اور خاص طور پر جب اس میں جان و مال کے کسی نقصان کا بھی اندیشہ ہو تب تو یہ ان لوگوں پر بہت ہی گراں گزرتی ہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہو چکا ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے آیت ۵۱ سے آیت ۷۰ تک اِس موضوع پر کلام ہوا —— اور واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مقام قرآن مجید کا ''ذروۃ السنام'' ہے!!

(۱) اطاعتِ رسولؐ کے ضمن میں سب سے پہلے تو اسلام میں اطاعت کے نظام کا حوالہ دیا گیا کہ: ''اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی' اور اطاعت کرو (اُس کے) رسول کی اور اپنے میں سے صاحب اختیار لوگوں کی۔ پھر اگر آپس میں جھگڑ پڑو کسی معاملے میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسول کی جانب اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر!'' (آیت ۵۹) گویا اطاعتِ الٰہی کے مانند اطاعتِ رسول ﷺ بھی مستقل بالذات ہے۔ بقیہ تمام اطاعتیں اِن دونوں اطاعتوں کے تابع اور اُن کے ساتھ مشروط ہیں!!

(۲) دوسری بات یہ واضح کی گئی کہ رسول علیہ السلام بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے۔ اُن کا کام معاذ اللہ چٹھی رسانوں کی طرح محض کتاب کا پہنچا دینا ہی

نہیں ہے' بلکہ وہ اپنی ذات میں مطاع ہوتے ہیں—— اور یہ اطاعت بھی اس درجہ کی مطلوب ہے کہ کسی معاملے میں اُن کا فیصلہ تسلیم نہ کرنا تو درکنار' اگر تسلیم تو کر لیا لیکن دلی رضامندی سے نہیں تو یہ بھی ایمان کے منافی ہوگا۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾﴾

''پھر (اے نبیؐ!) جو کچھ آپ فیصلہ کریں اُس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور سر بسر تسلیم کر لیں۔''

(۳) اس تنبیہہ کے ساتھ ہی مثبت طور پر اطاعت اور اتباعِ رسول کا مقام و مرتبہ بھی واضح کر دیا گیا کہ:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾﴾

''اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو گئے اُن کو معیت نصیب ہوگی ان کی جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاءؑ' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ اور کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق (جو کسی کو میسر آئیں)۔''

(۴) آگے چل کر آیت ۸۰ میں مزید واضح کر دیا گیا کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی دراصل اللہ کی نافرمانی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

قتال فی سبیل اللہ

دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گزرتی تھی وہ تھا جہاد اور قتال کا حکم' جس میں جان و مال کو کھپانا پڑتا تھا اور شدید خطرات مول لینا پڑتے تھے۔ چنانچہ آیت ۷۱ سے قتال فی سبیل اللہ کا موضوع شروع ہوا۔ اور پہلے تو واضح الفاظ میں حکم دیا گیا کہ اے اہل ایمان! اپنی حفاظت کا سامان (یعنی تیر و تلوار اور ڈھال وغیرہ) ہاتھ میں لو اور نکلو اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے' باقاعدہ فوج کشی کے انداز میں بھی اور چھاپہ مار جنگ کے طریقے پر بھی! اور پھر ان لوگوں کو نہایت بلیغ پیرائے میں ملامت کی گئی جو اللہ کی راہ میں جنگ

کرنے سے گریز کی راہیں تلاش کرتے رہتے تھے اور کبھی جان بوجھ کر تأخیر و تعویق کے بہانے بنا کر پیچھے رہ جاتے تھے اور کبھی دہائی دیتے تھے کہ: ''اے ہمارے ربّ! تو نے ہم پر یہ قتال کیوں فرض کر دیا؟ تو نے ہمیں مزید مہلت کیوں نہ دی؟'' (آیت ۷۷) اس ضمن میں ترغیب اور تشویق کے لیے ایک طرف حیاتِ دُنیوی کے مقابلے میں حیاتِ اُخروی کی سعادتوں اور اللہ کے اجر و ثواب کا حوالہ دیا اور دوسری طرف اُن کی غیرت و حمیّت کو للکارا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اِن کمزور اور ستائے ہوئے مسلمانوں کی نصرت و امداد کی غرض سے جہاد نہیں کرتے جو مشرکین کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں؟ اور تیسری طرف اس حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی کہ اگر موت کا خوف آڑے آ رہا ہے تو موت سے تو کوئی مفر نہیں' وہ تو خواہ تم پہروں والے قلعوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ وہاں بھی تمہیں آ دبوچے گی۔

یہ مضمون آیت ۸۴ میں اپنے نقطۂ عروج (climax) کو پہنچ گیا ہے جس میں فرمایا گیا: ''اے نبی! (اگر یہ اللہ کی راہ میں قتال سے جی چرائیں تب بھی) آپ جنگ کریں اللہ کے راستے میں۔ آپ پر اصلاً صرف اپنی ہی ذمہ داری ہے' البتہ اہل ایمان کو اس کے لیے اُبھارتے رہیں۔ کیا عجب اللہ اہل کفر کی جنگی قوت توڑ دے۔ اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں''۔ اس آیت سے مؤمنین صادقین کے قلوب پر کیا قیامت گزری ہو گی! اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ کیسے تڑپ اُٹھا ہو گا' اور ضعفِ اِرادہ کا زنگ دلوں سے کیسے صاف ہو گیا ہو گا! اس کی ایک مثال اگلی سورت یعنی سورۃ المائدۃ میں بھی ہے' جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے قتال سے انکار کیا تو انہوں نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾﴾

''اے میرے ربّ! مجھے سوائے اپنی ذات اور اپنے بھائی کے اور کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں' پس تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے مابین جدائی ڈال دے''۔ فرق صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تو عظیم اکثریت نے قتال سے انکار کیا تھا اور اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام کے صرف چند گنے چنے منافق تھے جنہوں نے جنگ سے جی چرایا۔

ہجرت

جہاد وقتال کے ساتھ ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بہت شاق تھی' وہ ہجرت کا حکم تھا' اس لیے کہ گھر بار چھوڑنا اور اعزّہ واقرباء سے قطع تعلق کرنا آسان نہیں اِلاّ آنکہ دلوں میں ایمان پختگی کے ساتھ جاگزیں ہو گیا ہو! اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیے کہ ہجرت دراصل جہاد وقتال ہی کا پیش خیمہ تھی' اس لیے کہ اسی سے ایک مقام پر جمع ہو جانے کے باعث مسلمانوں کا وہ مرکز (base) وجود میں آیا جس سے کفر وشرک کے خلاف اِقدام کا امکان پیدا ہو سکا!

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو آیات ۸۸'۸۹ میں واضح کر دیا گیا کہ جو لوگ ہجرت کے حکمِ عام کے بعد بھی ہجرت نہ کریں وہ گویا ثابت کر دیتے ہیں کہ انہیں وطن' یا گھر بار' یا اعزّہ واقرباء' یا جائیداد یا کاروبار وغیرہ زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اس کے دین اور اس کے غلبے کی سعی وجُہد سے۔ اور یہی نفاق کی اصل حقیقت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ اُن سے کوئی واسطہ نہ رکھیں' اور اس سلسلہ میں کسی دلی تعلق یا مصلحت کو آڑے نہ آنے دیں۔

(۲) اس کے بعد آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں مزید وضاحت کر دی کہ ''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کرتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟'' یعنی تمہارے ایمان نے کیسے گوارا کر لیا کہ ہجرت نہ کرو بلکہ دارالکفر ہی میں ڈیرہ لگائے رہو؟ تو وہ عذر پیش کریں گے کہ: ''ہم زمین میں مغلوب ہو گئے تھے اور ہمیں دبا لیا گیا تھا۔'' جواب ملے گا: ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ ''کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں (کسی جانب) ہجرت کر جاتے؟'' پھر صاف اعلان کر دیا گیا کہ: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۹۷﴾ ''پس اُن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔''

(۳) اس شدید وعید سے مستثنیٰ کیا گیا صرف ان معذور ومجبور لوگوں یا عورتوں اور بچوں کو

جن کو نہ ذرائع سفر حاصل ہوں نہ راستے ہی کا علم ہو۔

(۴) اور آخر میں ترغیب اور تشویق کے لیے وضاحت فرما دی گئی کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں وُسعت بھی پائے گا اور پناہ کی جگہیں بھی۔ بقول شاعر: ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے!

اور یہ کہ جو اثنائے سفر ہجرت میں واصل بحق ہو گیا اس سے قبل کہ دارالہجرت یعنی مدینہ منورہ پہنچ سکے' وہ اللہ کے یہاں مہاجر ہی شمار ہو گا اور اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے' جیسا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ))(۱) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے!''

بعض ضمنی مباحث

قتال فی سبیل اللہ اور ہجرت کے مباحث کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر بعض ایسے مسائل بھی زیر بحث آ گئے جو اِس مرحلے پر عملی مشکلات کے طور پر سامنے آئے۔

(۱) ان میں سے ایک کسی مؤمن کے ہاتھوں مؤمن کا قتل ہے۔ اس ضمن میں فرمایا گیا کہ کسی مؤمن کے قتلِ عمد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں قتلِ خطا کا امکان موجود ہے۔ سو اس صورت میں ایک تو عام ضابطے کے مطابق مقتول کے ورثاء کو دِیَت دینی ہو گی' اِلّا آنکہ وہ معاف کر دیں' اور اضافی طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔ البتہ اس صورت میں کہ مقتول کسی کافر قبیلے سے تعلق رکھتا ہو' دِیَت ادا نہیں کی جائے گی اور صرف مسلمان غلام کا آزاد کرنا کافی ہو گا۔ اور اگر وہ معاہد قبیلے سے تعلق رکھتا ہو تو دیت بھی دینی ہو گی۔ اور اگر کوئی شخص غلام آزاد کرنے کی اِستطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے پے بہ پے دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے۔ آخر میں متنبہ کر دیا گیا کہ:

﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا.....﴾ (آیت ۹۳)

''اور جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا.....''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی' باب بدء الوحی۔

(۲) دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ حالتِ جنگ میں بھی اگر کوئی شخص اسلام و ایمان کا اظہار کرے تو اس کے اسلام و ایمان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) تیسرا معاملہ صلوٰۃِ خوف کا ہے جس کی طرف اجمالی اشارہ سورۃ البقرۃ میں آ گیا تھا۔ اب اس کی تفصیلی صورت یہاں واضح کر دی گئی' خصوصاً آنحضور ﷺ کی موجودگی میں جب کہ بجا طور پر ہر شخص آپؐ ہی کی امامت میں نماز ادا کرنے کا خواہش مند ہوتا تھا کہ پہلے ایک گروہ آپؐ کی امامت میں نماز ادا کر لے اور بقیہ لوگ پہرے پر رہیں' پھر پہلا گروہ ان کی جگہ پہرے پر چلا جائے اور وہ لوگ آپؐ کے پیچھے نماز ادا کر لیں' تاکہ کوئی بھی آپ ﷺ کی اقتداء کے شرف سے محروم نہ رہے! مزید تاکید فرما دی گئی کہ جیسے ہی حالات درست ہوں نماز کے نظام کو اُس کے تمام ضوابط و آداب کے ساتھ قائم کر لو۔

منافقین کی شرارتیں

اس کے بعد آیات ۱۰۵ تا ۱۲۶' یعنی سولہویں' سترھویں اور اٹھارہویں رکوع میں منافقین کی شرارتوں کا ذکر ہے اور ان کے کردار کی پوری نشاندہی کر دی گئی ہے' تاکہ اہلِ ایمان اُن کو اچھی طرح پہچان لیں اور کسی خاندانی یا گروہی عصبیت کے باعث ان کی حمایت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس ضمن میں آیت ۱۰۹ میں بڑی سخت وعید وارد ہوئی کہ:

''ہاں' اِس دنیا کی زندگی میں تو تم نے ان کی جانب سے جھگڑا کر لیا' لیکن (سوچو کہ) قیامت کے دن ان کی جانب سے کون جھگڑا کرے گا اللہ سے' یا کون ان کا حمایتی (اور وکیل) بنے گا!''

اُن کی شرارتوں کے ضمن میں اُن کے نجویٰ کا ذکر بھی کیا گیا جو وہ اپنی نجی محفلوں میں آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کیا کرتے تھے' اور اس کا بھی کہ غلطیاں خود کرتے تھے اور تھوپ دیتے تھے مخلص مگر سادہ لوح مسلمانوں پر۔ اور آخری بات جو ارشاد فرمائی گئی' وہ یہ کہ چونکہ وہ یہود کے زیر اثر تھے لہٰذا اس سبب پر بھی ان ہی کی طرح کھوکھلی ''اَمَانِیّ'' کی بنا پر مغفرت ہی نہیں درجاتِ بلند کے امیدوار تھے۔ ع:

''ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا!''

چنانچہ آیت ۱۱۵ میں واضح کر دیا گیا کہ: ''جو شخص رسول سے دشمنی رکھے گا اپنے اوپر ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اور مخلص اہل ایمان کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا اسے ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا (اُس کو اُس کی شامتِ اعمال ہی کے حوالے کر دیں گے) اور (بالآخر) ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور یہ بدترین جائے قرار ہے۔''

نفاق کی ماہیت

سورۃ النساء میں منافقین سے خطاب کا دوسرا حصہ آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ پر مشتمل ہے اور اس میں آغاز ایک انتہائی مؤثر اپیل سے کیا گیا ہے، یعنی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر بھی جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی اور اُس کتاب پر بھی جو اُس نے پہلے نازل کی۔''

گویا ایمان کے دو درجے ہیں۔ ایک ظاہری اور قانونی ایمان۔ یہ تو منافقین کو بھی حاصل تھا۔ دوسرا حقیقی اور قلبی ایمان جو عبارت ہے یقینِ محکم سے اور جس سے منافق بے بہرۂ محض تھے۔ چنانچہ آیت میں ان ہی سے خطاب فرما کر کہا گیا ہے کہ اصل قلبی ایمان تک رسائی کی کوشش کرو، اس لیے کہ اُخروی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔

پھر نفاق کی اصل حقیقت کو کھولا گیا کہ یہ ایمان اور کفر کے مابین تردّد اور تذبذب کی کیفیت کا نام ہے، کہ ایک قدم اِدھر ہے اور دوسرا اُدھر۔ چنانچہ آیت ۱۳۷، ۱۳۸ میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾﴾

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر میں مبتلا ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر

میں مبتلا ہو گئے' پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے' اللہ ان کو معاف فرمانے والا ہرگز نہیں ہے اور نہ راہ یاب کرنے والا ہے۔ ایسے منافقوں کو تو آپ (اے رسول!) دردناک عذاب ہی کی بشارت دے دیجیے!''

اور آیت ۱۴۳ میں فرمایا:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۫ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ﴾

''یہ اس (کفر و ایمان) کے درمیان مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں' نہ (یکسوئی سے) اِدھر ہوتے ہیں اور نہ اُدھر۔''

منافقین کا کردار

پھر اِس مقام پر دوبارہ ان کے کردار کی بعض جھلکیاں دکھا دی گئیں' کہ ایک تو یہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اور اُن کے ساتھ روابط و تعلّقات کو بنائے شرف و عزّت جانتے ہیں اور دوسرے اتنے بے غیرت ہیں کہ اس واضح ہدایت کے باوجود بھی کہ اگر کہیں اللہ کی آیات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو وہاں سے اُٹھ جاؤ' یہ وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اصل میں یہ منتظر ہیں کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے اور اگر کہیں کافروں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو یہ اُن کے سامنے اپنی خدمات گنوائیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کو ایسے معاملات میں اُلجھائے رکھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ تمہارے مقابلے میں نہ آ سکے۔ گویا یہ اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ دھوکے بازی کا معاملہ کر رہے ہیں' حالانکہ اللہ ان کی رسّی دراز کر کے انہیں فریب میں مبتلا کر رہا ہے۔ (واضح رہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بھی وارد ہوئے تھے)۔ آخر میں ان کی عبادت گزاری کا پول بھی کھول دیا گیا کہ یہ نمازیں پڑھتے تو ہیں لیکن انتہائی کسل مندی کے ساتھ اور صرف دکھاوے کی!

نفاق کا انجام

اور اس کے بعد آئے وہ لرزہ خیز الفاظ جن سے اہل ایمان کے دل کانپ اُٹھتے

ہیں‘ یعنی:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾﴾

’’یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے‘ اور تم اُن کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔‘‘

اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ! اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ النِّفَاقِ وَالرِّيَاءِ‘ فَاَعِذْنَا مِنْهُمَا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

’’اے اللہ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں نفاق اور ریا کاری سے۔ پس اے ربّ العالمین! ہمیں ان دونوں چیزوں سے اپنی پناہ میں رکھنا!‘‘

تفریق بین اللہ و رُسلہ

اس طویل بحث کا اختتام اُسی مضمون پر ہوا ہے جس سے اس کا آغاز ہوا تھا‘ یعنی اللہ اور اُس کے رسولوں کے مابین تفریق‘ کہ اللہ کو مانا جائے اور رسولوں کا انکار کیا جائے‘ یا رسولوں میں سے بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے‘ یا اللہ کی اطاعت کا اقرار تو کیا جائے لیکن رسول کی اطاعت شاق گزرے۔ یہ تمام صورتیں دراصل کفر ہی کی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے فرمایا گیا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ﴾ (آیت ۱۵۱) ’’وہ سب پکّے کافر ہیں‘‘۔ خواہ وہ بزعمِ خویش مسلم و مؤمن ہوں۔ غور کیا جائے تو جس طرح سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں جس کردار کی نقشہ کشی کی گئی تھی اُس میں یہود اور منافقین دونوں پوری طرح فِٹ بیٹھتے تھے‘ اسی طرح سورۃ النساء کے اس مقام پر بھی جس گمراہی کی نشاندہی کی گئی اس میں یہ دونوں گروہ شریک تھے اور دونوں کا مرض ایک ہی تھا‘ یعنی آنحضور ﷺ سے بغض و عداوت اور اُن پر ایمان یا اُن کی اطاعت سے اِباء و اعراض! اور یہ اس لیے کہ نفاق کا پودا درحقیقت یہود ہی کا کاشت کردہ تھا اور اُس کی آبیاری اُن ہی کے پروپیگنڈے اور ریشہ دوانی سے ہوتی تھی۔

آخر میں فرمایا کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ

يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

''اور (اس کے برعکس) جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن کے مابین کسی قسم کی تفریق کے مرتکب نہ ہوئے اللہ عنقریب اُن کو اُن کے اجر عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم فرمانے والا ہے''۔

گویا بقول علامہ اقبال: ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!



تقریر نمبر ٦

سُورۃ المائدۃ

سورۃ الفاتحہ سمیت قرآن مجید کی پانچویں اور ابتدائی چار طویل مدنی سورتوں کے گروپ کی چوتھی اور آخری سورت سورۃ المائدۃ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبارات سے زیادہ قریبی مشابہت تو رکھتی ہے سورۃ النساء سے، لیکن بحیثیت مجموعی اس پورے گروپ کے مشترک مضامین اس سورۂ مبارکہ میں تکمیل اور اِتمام کو پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں ایک طرف تو شریعت اسلامی کا وہ قصرِ عظیم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے جس کا ابتدائی خاکہ سورۃ البقرۃ میں تیار ہوا تھا اور جس میں خصوصاً گھریلو زندگی سے متعلق احکام کے ضمن میں مزید تفصیلی رنگ سورۃ النساء میں بھرا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں شہنشاہِ ارض وسما کا وہ اہم فرمان بھی وارد ہو گیا کہ:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (آیت ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کی تکمیل فرما دی اور تم پر اپنی نعمت کا

اِتمام فرما دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند (اور قبول) فرما لیا۔''

اور شریعت عطا کرنے کے بعد جس طرح سابقہ اُمتوں سے اُس کی پابندی کا پختہ عہد و پیمان لیا جاتا تھا اسی طرح اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی لیا گیا اور اس طرح اس سورت نے گویا ''سورۂ میثاق'' کی حیثیت اختیار کر لی' اور اس کا انتہائی موزوں عنوان قرار پایا ایفائے عہد کا حکم۔ یعنی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (آیت ۱) ''اے اہل ایمان! پورے کیا کرو جملہ عہد و پیمان (اور قول و قرار)۔''

دوسری طرف اہل کتاب کو دعوت و ملامت اور اُن پر فی الجملہ اتمامِ حجت کے ضمن میں بھی جو طویل مباحث پچھلی تینوں سورتوں میں آئے تھے اُن پر آخری مہر اِس سورت میں ثبت فرما دی گئی اور یہ مضمون بھی اس سورت میں تکمیل کو پہنچ گیا۔

ان دو بنیادی موضوعات کے علاوہ جو مدنی سورتوں کے اس گروپ کے لیے بمنزلۂ عمود ہیں' دوسرے اہم مضامین بھی جو پچھلی سورتوں میں آئے' اس سورت میں تکمیلی رنگ میں موجود ہیں۔ مثلاً شہادتِ حق اور اُس کے دُنیوی و اُخروی پہلو' جہاد فی سبیل اللہ اور اس سے جی چرانے والے منافقین کو تنبیہہ و ملامت' اور عقائد و ایمانیات کے اساسی مباحث اور حکمت و معرفت کے قیمتی موتی۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد آیئے کہ اس سورت کے مضامین کا تفصیلی جائزہ لیں۔ اس ضمن میں یہ وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ سورۃ النساء کی طرح اس سورت میں بھی مضامین ایک مضبوط بٹی ہوئی رسّی کے مانند گتھے ہوئے ہیں' بالکل علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم نہیں ہیں۔

شریعت کے تکمیلی احکام

شریعتِ اسلامی کے ضمن میں جو تکمیلی احکام اس سورۂ مبارکہ میں نازل ہوئے وہ اجمالاً یہ ہیں:

(۱) کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت و حُرمت کے ذیل میں آیات ۳ تا ۵ میں سورۃ البقرۃ میں بیان شدہ ضابطے کی مزید تشریح' اور ایک طرف مُردار' خون اور خنزیر کی فہرست میں

مُردار ہی کی مزید شرح کے طور پر گلا گھٹنے' چوٹ کھانے' اُونچائی سے گرنے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرے ہوئے جانوروں کا اضافہ۔ اور دوسری جانب شرک کی نجاستِ باطنی کی بنا پر حرام ہونے میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے ساتھ اُن کا بھی شامل کیا جانا جو کسی استھان پر ذبح کیے گئے ہوں خواہ نام اللہ ہی کا لیا گیا ہو۔ مزید برآں سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کے ذریعے حاصل شدہ شکار' اہل کتاب کے ذبیحے' اور درندوں کے پھاڑے ہوئے جانوروں کے حلال ہونے کی صراحت' اگر وہ زندہ مل جائیں اور انہیں ذبح کر لیا جائے۔

(۲) نکاح کے ضمن میں آیت ۵ میں اہل کتاب کی شریف اور خاندانی خواتین سے نکاح کی اجازت' نکاح کی ان جملہ شرائط کے اعادے کے ساتھ جو سورۃ النساء میں بوضاحت بیان ہو چکیں۔

(۳) حرمتِ جان و مال' جسے انسان کی اجتماعی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے اور جس کے بارے میں اُصولی بحث سورۃ النساء میں آ گئی تھی' کے ضمن میں آیات ۲۷ تا ۳۴ میں قتل ناحق کی مذمت کے ذیل میں پہلے ہابیل و قابیل کے واقعہ کا بیان' پھر تورات کے حکم کا بیان اور پھر اُن لوگوں کی سزا کی تشریح جو معاشرے میں فساد اور بدامنی پھیلانے کے جرم کے مرتکب ہوں' آیات ۳۸' ۳۹ میں چوری کی سزا کا بیان یعنی قطعِ ید' اور آیت ۴۵ میں قصاص کے ضابطے کی مزید وضاحت!

(۴) آیت ۸۹ میں وضاحت کہ بلا مقصد کھائی ہوئی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہے لیکن سوچ سمجھ کر کھائی ہوئی قسم پر کفّارہ دینا ہوگا' یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا' اور بصورتِ عدمِ استطاعت تین روزے۔

(۵) آیات ۹۰' ۹۱ میں شراب' جوئے' استھانوں اور پانسوں کے تیروں کی قطعی و حتمی حرمت کا اعلان۔ مؤخرالذکر دونوں چیزوں کا ذکر آیت ۳ میں بھی ہے۔

(۶) نماز کے ضمن میں آیت ۶ میں وضو کے حکم کی تفصیل۔ اور مجبوری و معذوری کی صورت میں وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام کی حیثیت سے تیمّم کے اس ضابطے کا اعادہ

جو سورۃ النّساء میں بیان ہو چکا تھا۔

(۷) حج اور مقاماتِ حج اور متعلّقاتِ حج کے ذیل میں پہلے آیات ۱، ۲ اور پھر آیات ۹۴ تا ۹۹ میں (ا) شعائر اللہ خصوصاً بیت اللہ، اشہرِ حُرُم، ہدی اور قربانی کے جانوروں اور حُجّاجِ بیت اللہ کے احترام کا تاکیدی حکم۔ (واضح رہے کہ صفا اور مَروہ کے شعائر اللہ میں شامل ہونے کی صراحت سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہے)۔ (ب) احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی پر سزا کے ضابطے کی تفصیل، اور اس کی تصریح کہ سمندر کا شکار اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

(۸) وصیّت کے سلسلے میں آیات ۱۰۶ تا ۱۰۸ میں قانونِ شہادت کی تفصیل، خصوصاً حالتِ سفر میں کیا کیا جائے، اور یہ کہ اگر وصیّت اور اس کی شہادت کے بارے میں اشتباہ پیش آ جائے تو کیا کیا جائے۔

حکمتِ تشریح

حکمتِ تشریح کے ذیل میں جو قیمتی ہدایات اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئیں وہ یہ ہیں:

(۱) حکم دینے کا اختیار اللہ کو ہے اور اس کا یہ اختیار مطلق ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱﴾ ''یقیناً اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔''

(۲) شریعت کے احکام پر مسلمانوں کو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے خود اعتمادی کا اظہار کرنا چاہیے اور اَغیار کے طعن و استہزاء کی ہرگز پروا نہیں کرنی چاہیے: ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ﴾ (آیت ۳) ''پس اُن سے مت ڈرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔''

(۳) شریعت بوجھ نہیں، تمام تر نعمت ہے: ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶﴾ ''اور تاکہ اللہ اپنی نعمت پوری کرے تم پر، تاکہ تم شکر کرو۔''

(۴) البتہ تشدّد پسندی بھی فتنے کا موجب ہے۔ رخصتوں سے فائدہ اُٹھانے میں ہچکچانا اچھا نہیں: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ (آیت ۶) ''اللہ تم پر کوئی تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا۔''

(۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو خواہ مخواہ حرام ٹھہرا لینا بہت بڑی گمراہی ہے۔ (آیات ۸۷،۸۸)

(۶) اسی طرح ایمان لانے سے قبل جو حرام چیزیں کھائی یا پی ہیں اُن کے بارے میں بھی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ وہ تمام حساب ایمان اور توبہ کے ذریعے صاف ہو جاتا ہے۔ (آیت ۹۳)

(۷) اہل ایمان کو ناپاک چیزوں کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے، اصل چیز طہارت و پاکیزگی ہے نہ کہ کثرت و قلّت۔ (آیت ۱۰۰)

(۸) خواہ مخواہ کے سوالوں سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً جس وقت قرآن مجید نازل ہو رہا تھا غیر ضروری کھود کرید مباحات کے دائرے کو تنگ کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ اور یہی طرزِ عمل تھا جس سے یہود نے اپنے اوپر شریعت کے بوجھ میں اضافہ کرایا۔ (آیت ۱۰۱، ۱۰۲)

(۹) آخری اور اہم ترین یہ کہ شریعت ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کے ایک جزو کا انکار بھی کُل کا انکار شمار ہوگا، بلکہ جو مسلمان شریعت کے کسی ضابطے کو جان بوجھ کر توڑتا ہے وہ گویا ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۖ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵﴾

"اور جس کسی نے ایمان (کی روش پر چلنے) سے انکار کیا تو اُس کا سارا عمل (کارنامۂ زندگی) ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔"

یہ گویا وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ میں یہود سے خطاب کے ضمن میں اِن الفاظ میں آیا تھا کہ:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

''کیا تم (اللہ کی) کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور (اس کے) دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ تو جو تم میں سے ایسا کرتا ہے اس کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اور اللہ اُس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔''

حاملینِ شریعت کی ذِمّہ داری اور مسئولیت

شریعت کے ضمن میں آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہے اللہ اور حاملِ شریعت اُمت کے مابین۔ اس کی خلاف ورزی معاہدے کی خلاف ورزی ہے اور اس میں سہل انگاری سے عاقبت کی تباہی کا خطرہ ہے۔ یہ مضمون اس سورت میں تین اسلوبوں سے آیا ہے' اور تینوں کے ضمن میں سابقہ اُمتوں کا حوالہ اور اُن کی محرومی کا بیان بھی آ گیا ہے۔

(۱) لفظ ''میثاق'' کے حوالے سے: چنانچہ آیت ۷ میں مسلمانوں سے فرمایا: ''اور یاد رکھنا اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو اور اللہ کے اُس میثاق کو جس میں اُس نے تمہیں جکڑ لیا ہے جب تم نے کہا کہ 'ہم نے سنا اور مانا' اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ دلوں کے حال سے باخبر ہے!'' اور پھر آیات ۱۲ تا ۱۴ میں فرمایا کہ اسی طرح ہم نے ''میثاق'' لیا تھا بنی اسرائیل سے بھی اور نصاریٰ سے بھی' لیکن انہوں نے اسے جان بوجھ کر توڑا بھی اور طاقِ نسیاں کی زینت بھی بنا دیا۔ گویا یہی سبب ہے اس کا کہ شریعت کی نعمت اُن سے چھین کر تمہیں دی جا رہی ہے۔

(۲) حُکم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اصطلاح کے حوالے سے: اس ضمن میں آیت ۱ میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱﴾ ''یقیناً اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے''۔ آیت ۴۴ میں فرمایا: ''یقیناً ہم نے ہی تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی' جس کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے (اللہ کے) نبی!'' اس کے بعد آئے آیات ۴۴' ۴۵' ۴۷ میں لرزہ طاری کر دینے والے الفاظ' جن کا حاصل یہ ہے کہ: ''جو لوگ اللہ

کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں' وہی ظالم ہیں اور وہی فاسق ہیں!'' اور یہی تھا وہ جرمِ عظیم جس کے مرتکب ہوئے یہود بھی اور نصاریٰ بھی۔ آخر میں آیات ۴۸'۴۹ میں بتکرار و اعادہ آنحضور ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: ''فیصلہ کیجیے اُن کے مابین اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق!'' اور آیت ۵۰ میں جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا: ''کیا یہ جاہلیت کے فیصلوں کے طلب گار ہیں؟ اور اہلِ ایمان و یقین کے لیے اللہ کے حکم سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے!''

(۳) ''اقامت مَا اُنْزِلَ مِنَ اللّٰہِ'' کی اصطلاح کے حوالے سے: چنانچہ پہلے آیت ۶۶ میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا: ''اور اگر وہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا تھا اُن کی طرف اُن کے ربّ کی جانب سے تو لازماً کھاتے (یعنی ان کے لیے برکتیں نازل ہوتیں) اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں تلے سے بھی! (یعنی زمین سے بھی رزق کے چشمے پھوٹتے)'' اور پھر آیت ۶۸ میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا گیا کہ: ''کہہ دو (اے نبی!) کہ اے اہل کتاب! تمہاری کوئی بنیاد ہی نہیں ہے جب تک کہ تم قائم نہ کرو تورات و انجیل کو اور اُس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے نازل کی گئی!''

کاش کہ مسلمان اس آیت کو صرف ''یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ'' کے بجائے ''یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ'' کے الفاظ اپنے ذہن میں رکھ کر پڑھ سکیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی رحمت ہم سے کیوں روٹھی ہوئی ہے اور ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اِسی خطاب ''یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ'' سے آغاز ہوتا ہے ایک حدیث کا جس میں آنحضور ﷺ نے مسلمانوں کو حاملِ قرآن ہونے کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا ہے۔

شہادت علی النّاس

لوگوں پر اللہ کی جانب سے حق کی شہادت اور اِتمامِ حجت کا جو فریضہ انبیاء و رُسل علیہم السلام ادا کرتے رہے اور جو اَب اُمتِ مسلمہ پر عائد کر دیا گیا ہے' اس کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ میں:

(۱) ایک تو وہی عظیم الفاظ ذرا ترتیب لفظی کے فرق کے ساتھ آیت ۸ میں آئے جو اِس

سے قبل سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں آ چکے ہیں، یعنی: ''اے اہل ایمان! پوری قوت اور استقامت کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کے گواہ بن کر!'' اس مزید اضافے کے ساتھ کہ: ''اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر ہرگز آمادہ نہ کر دے کہ تم جادۂ عدل سے منحرف ہو جاؤ۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب (تقویٰ سے مناسبت رکھنے والی چیز) ہے!'' اس مضمون کی تاکید مزید اس سے قبل اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۲ میں آ چکی تھی اس اضافے کے ساتھ کہ مسلمانوں کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے لیے ہر دم تیار رہنا چاہیے اور گناہ اور ظلم میں کبھی تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر آیات ۱۰۹ تا ۱۲۰ میں ایک جھلک دکھا دی اس حقیقت کی جس کی خبر دی گئی تھی سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں کہ قیامت کی عدالت میں انبیاء و رُسلؑ اور داعیانِ حق سرکاری گواہوں کی حیثیت سے اپنی اُمتوں کے خلاف گواہ بنا کر کھڑے کیے جائیں گے۔ چنانچہ نقشہ کھینچ دیا گیا کہ کیسے حضرت مسیح علیہ السلام گواہی دیں گے کہ اے ربّ میں نے انہیں ہرگز حکم نہیں دیا تھا مگر انہی باتوں کا جن کا تو نے مجھے حکم فرمایا تھا۔ باقی اپنی تمام اعتقادی کجیوں اور عملی گمراہیوں کے ذمہ دار یہ خود ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ

اسی طرح جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے حکم اور اُس کے لیے ترغیب و تحریص کے ذیل میں بھی:

(۱) پہلے تو آیات ۲۰ تا ۲۶ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ شرمناک واقعہ بیان ہوا کہ جب اُن پر قتال فرض کیا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہِ ربانی میں عرض کرنا پڑا کہ: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۲۵﴾ ''اے ربّ! مجھے سوائے اپنی جان اور اپنے بھائی کے کسی پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہمارے اور ہماری نافرمان قوم کے مابین تفریق فرما دے!'' یہ گویا شرح ہوئی اُسی بات کی جو سورۃ النساء میں آنحضور ﷺ کو خطاب فرما کر کہی گئی تھی کہ اگر کوئی اور قتال کے لیے نہ نکلے تو آپ تن تنہا نکلیں! اور جس کا ایک عکس نظر

آتا ہے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی سیرت میں کہ جب مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کرنے کے ضمن میں اختلافِ رائے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اور کوئی جنگ کے لیے نہ نکلا تو میں تن تنہا نکلوں گا۔

(۲) اہل ایمان کو پہلے آیت ۳۵ میں مثبت طور پر جہاد کے لیے اُبھارا گیا اور واضح کیا گیا کہ اللہ تک رسائی اور اُس کی رضا کے حصول کا اصل ذریعہ و وسیلہ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ اور پھر آیت ۵۳ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تم نے اپنے دینی فرائض کو ادا کرنے سے پہلوتہی کی تو اللہ تمہیں راندۂ درگاہِ حق فرما کر کسی اور قوم کو توفیق دے دے گا کہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔

حکمت و معرفت

اساسی ایمانیات اور فلسفہ و حکمتِ دین کے قیمتی موتیوں کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ میں ایک تو آیت ۹۳ بڑی اہم ہے جس میں قانونی ایمان' جو اسلام کی شرطِ لازم ہے' کے بعد حقیقی ایمان' جس میں اعمالِ صالحہ جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں' اور پھر احسان کی منزلوں اور اس میں ترقی و 'سیر الی اللہ' کی اصل قوتِ محرکہ یعنی تقویٰ کا بڑی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ذکر ہے۔

دوسرے دعوت و تبلیغ اور شہادت علی الناس کے ذیل میں دو عظیم حقائق بیان ہوئے۔ یعنی ایک آیت ۶۷ میں کہ تبلیغ کُل کے کُل دین کی کرنا ہوگی' اس میں سے کسی ایک چیز کا کتمان بھی کُل کا کتمان شمار ہوگا! اور دوسرے آیت ۱۰۵ میں کہ اگر انسان اپنی امکانی حد تک تبلیغ کا حق ادا کر دے تو پھر کسی کی گمراہی اس کے لے موجبِ ضرر و نقصان نہ ہوگی۔

معاندین سے خطاب

جہاں تک یہود و نصاریٰ اور منافقین کا تعلق ہے' اس سورۂ مبارکہ میں ایک بار پھر انہیں دعوتِ ایمان و اصلاح بھی دی گئی ہے اور ان کی اعتقادی و عملی گمراہیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور انہیں ملامت بھی فرمائی گئی ہے۔ اس موضوع کے اعتبار سے بھی اس

سورۂ مبارکہ کو ''حرفِ آخر'' کا درجہ حاصل ہے۔ اس سلسلے میں اہل کتاب نے جس طرح ''میثاقِ کتاب وشریعت'' کی خلاف ورزی کی اور ''حُکم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ'' اور ''اقامت مَا اُنْزِلَ مِنَ اللّٰہِ'' کے ضمن میں کوتاہیاں کیں' ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آیت ۷۸ میں فرمایا گیا کہ اُن کے انہی کرتوتوں کے باعث یہود پر تو پہلے بھی حضراتِ داؤد وعیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کرائی جا چکی ہے جس کی تکمیل اب نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے ذریعے ہو رہی ہے' اور پھر آیت ۸۲ اور ۸۳ میں فرمایا کہ نصاریٰ میں ایسے حق پسند قِسِّیسین اور رُہبان موجود ہیں جو جیسے ہی قرآن مجید کی آیات سنتے ہیں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور وہ پکار اُٹھتے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''اے ربّ ہمارے! ہم ایمان لائے' پس ہمارا نام گواہوں کے ساتھ لکھ لے!'' اور اِس ضمن میں آخری تہدید وارد ہوئی آیت ۱۹ میں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے اہل کتاب! آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول (ﷺ) تمہارے لیے (راہِ ہدایت کو) واضح کرتے ہوئے' رسولوں کے سلسلے میں ایک وقفے کے بعد' مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا۔ پس آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا بھی اور خبردار کرنے والا بھی!''

یعنی آنحضور ﷺ کی بعثت کے بعد اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہ گویا تشریح ہے اس ضابطہ کی جو سورۃ النساء میں ان الفاظ میں وارد ہوا تھا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ﴾ (آیت ۱۶۵)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝۝



دوسرا گروپ

الانعام ..... تا ..... التّوبة

تقریر نمبر ۷

قرآن حکیم کا تقریباً دو تہائی حصہ مکّی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کلامِ پاک کی طویل ترین مکی سورتوں کے ایک نہایت حسین اور جمیل جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں —— اِن دونوں میں خطاب کا اصل رُخ بنی اسمٰعیل بالخصوص قریشِ مکّہ کی طرف ہے اور پورے مکّی قرآن میں انہیں جن دلائل کے ساتھ توحید' معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اُن کا ایک جامع خلاصہ ان دونوں سورتوں میں آ گیا ہے۔ ساتھ ہی چونکہ یہ مکّی دَور کے آخری حصّے میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان میں تہدید و تنبیہہ کا رنگ بھی بہت نمایاں ہے' اور چونکہ اُس زمانے میں آنحضور ﷺ کی دعوت کا چرچا عرب میں دُور دُور تک پھیل چکا تھا اور آپ ﷺ کی مخالفت میں بالواسطہ طور پر یہود بھی شامل ہو چکے تھے' لہٰذا چند مقامات پر اُن کے اعتراضات کا جواب بھی ضمنی طور پر دیا گیا ہے' اگرچہ ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے' تو چونکہ ابھی اُن کی حیثیت صرف ایک داعی جماعت کی تھی اور ان کے اپنے معاشرے یا ریاست کے قیام کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا' لہٰذا انہیں شریعت کے تفصیلی احکام ابھی نہیں دیے گئے' بلکہ زیادہ تر حق و باطل کی کش مکش کے پس منظر میں' جو اُس وقت انتہائی شدت اختیار کر گئی تھی' آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثاروں کو صبر و تحمل کی تلقین بھی کی گئی ہے اور حالات کی مناسبت سے ضروری ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے مابین مضامین کی تقسیم کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اختیار کردہ دو اصطلاحات کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی سورۃ الانعام

میں اسلوب زیادہ تر ''التذکیر بآلاء اللّٰہ'' کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی ربوبیتِ عامّہ کی نشانیوں کے حوالے سے ایمان کی دعوت۔ اور سورۃ الاعراف میں انداز ''التذکیر بایّام اللّٰہ'' کا ہے یعنی گزشتہ قوموں پر اللہ کے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب اور اُن کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار و اعراض کی پاداش میں جو عذابِ استیصال نازل ہوئے ان کے حوالے سے انذار اور تہدید و تنبیہ!

سُورۃ الانعام

تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

سورۃ الانعام ۱۶۵ آیات اور ۲۰ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کے عین وسط میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اوّلاً شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں آنکھ کھولنے کے باوجود کس طرح فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں نورِ توحید تک رسائی حاصل کی اور پھر انتہائی مخالفانہ ماحول میں وہ کس صبر و ثبات اور استقلال و پامردی کے ساتھ توحید پر جمے رہے' اور نہ صرف یہ کہ پوری قوم کی مخالفت بھی ان کو مرعوب اور ہراساں نہ کر پائی بلکہ انہوں نے دلیل کے میدان میں اپنی پوری قوم کو شکستِ فاش دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ قریشِ مکّہ نسلاً بھی اُن ہی کی ذُرّیت تھے اور اس کے بھی مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی ہی پر کاربند ہیں' جسے وہ دینِ حنیفی بھی کہتے تھے۔ چنانچہ اُن پر واضح کیا گیا کہ اُن کے جدّ امجد نے تو تمام معبودانِ باطل کا انکار کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ:

﴿ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۷۹﴾ ﴾

''اے میری قوم کے لوگو! میں اُن سب سے بیزار ہوں (لاتعلقی کا اعلان کرتا ہوں) جنہیں تم نے (خدائی میں) شریک سمجھ رکھا ہے۔ یقیناً میں نے تو بالکل

یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور پھر جب قوم نے انہیں اپنے مزعومہ معبودوں اور دیوتاؤں کی سزا سے ڈرایا تو انہوں نے بے دھڑک اعلان کیا:

''آخر میں تمہارے (جھوٹ موٹ کے) شریکوں سے کیسے ڈروں، جبکہ تمہیں اللہ کے ساتھ اِن چیزوں کو شریک کرتے خوف نہیں آتا جن کے لیے اُس نے تمہارے اوپر کوئی سند نہیں اتاری۔ پس دونوں فریقوں میں سے امن (بے خوفی اور اطمینان) کا زیادہ حق دار کون ہے اگر تم جانتے ہو؟ (عقل سے بالکل بے بہرہ نہیں ہو گئے ہو، تو خود غور کرو! سن رکھو کہ) حقیقی امن بھی صرف اُن کے لیے ہے اور ہدایت پر بھی صرف وہی ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیا!'' (آیات ۸۲، ۸۳)

انبیائے بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ہی اس سورۂ مبارکہ میں سترہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ حضراتِ انبیاءؑ کے اسماءِ گرامی کا اتنا عظیم اور حسین و جمیل گلدستہ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ صرف ایک ہی مقام پر ہے اور وہ ہے سورۃ الانبیاء۔ ان جلیل القدر انبیاء و رُسلؑ کے ذکر کے بعد دو نہایت اہم باتیں ارشاد ہوئیں: ایک یہ کہ بفرضِ محال اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو تمام تر جلالتِ شان کے باوجود اُن کے بھی تمام اعمال حبط ہو جاتے اور ساری نیکیاں اکارت جاتیں۔ گویا شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کے ساتھ بڑی سے بڑی نیکی بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ یہ ہے وہ مقدّس جماعت جو اللہ کی جانب سے ہدایت پر تھی تو آپ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں، یعنی حق کی راہ میں جو مصائب انہوں نے جھیلے اور جس صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا وہی آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان کو کرنا چاہیے۔ اس میں ضمناً اہل کتاب کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان ہرگز کسی نسلی تعصّب میں مبتلا نہیں ہیں، اس لیے کہ اگرچہ انبیاءِ بنی

اسرائیل نسلاً یہود کے اَسلاف میں سے تھے لیکن قرآن نے اُن کی جلالتِ شان کے بیان میں ہرگز کسی بخل سے کام نہیں لیا!

حِسّی معجزے کا مطالبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو اس سورۂ مبارکہ میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اور ان کی سرگزشت میں دراصل ایک جھلک دکھا دی گئی ہے اس صورتِ حال کی جو اِس سورت کے نزول کے وقت سرزمینِ مکّہ میں بالفعل موجود تھی' کہ ایک جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف سردارانِ قریش اور ان کے متبعین۔ اور نقشہ بعینہٖ وہی تھا کہ: ؎

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

اور: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

سورۃ الانعام کے نزول کے وقت مکّہ میں یہ کشمکش انتہائی شدت کو پہنچ گئی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف سے لاجواب ہو کر سردارانِ قریش نے آخری مورچہ اس مطالبے پر لگا لیا تھا کہ ''اگر تم واقعتاً نبی یا رسول ہو تو کوئی محسوس معجزہ دکھاؤ!'' اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے اِس مطالبے کی ظاہری معقولیت سے عوام کی اکثریت بھی متأثر ہو گئی تھی' اور اس طرح اُس نے گویا ایک عوامی مطالبے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ گویا یہ تھا کہ نسلِ انسانی اس عہدِ طفولیت سے گزر آئی ہے جس میں اُسے حِسّی معجزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب جسے بات سمجھنی ہے وہ عقل اور دلیل سے سمجھے' اور جہاں تک دلیلوں اور نشانیوں کا تعلق ہے تو وہ آفاق و اَنفُس میں بھی چپّے چپّے پر موجود ہیں' اور ان پر مُستزاد قرآنِ حکیم کی آیاتِ بیّنات ہیں جنہوں نے اُن کو معجزانہ انداز میں اُجاگر کر دیا ہے۔ جو فی الواقع ہدایت کا طالب ہو اُس کی ہدایت کا تو پورا سامان ان میں

موجود ہے' رہے وہ جن کی عقلوں پر پردے پڑ چکے ہوں اور دلوں پر مہر لگ چکی ہو' تو اُن کے حق میں بڑے سے بڑا حسّی معجزہ بھی مفید نہیں۔ اس صورتِ حال میں ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان کے صبر کا ایک سخت امتحان مضمر تھا۔ اور بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض اہل ایمان کے دلوں میں بر بنائے طبع بشری اِس خیال کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور ان کی پسند کا کوئی حسّی معجزہ دکھا ہی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا عجب کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں' ورنہ کم از کم ان کی معقولیت اور حق پسندی کا پول تو کھل ہی جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ موضوع اس سورۂ مبارکہ میں جا بجا زیر بحث آیا ہے اور اس بحث کے اعتبار سے یہ سورت قرآن مجید کے ذروۃُ السنام یعنی چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ آیات ۴۸' ۴۹ میں فرمایا:

''اور ہم (اپنے) رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں' پس جو ایمان لائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں ان کو عذاب آ پکڑے گا بسبب اپنی نافرمانیوں کے (وہ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر رہیں گے)!''

آیت ۱۰۴ میں فرمایا:

''(دیکھو!) تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے بصیرت عطا کرنے والی آیات آ چکی ہیں' تو جو بصیرت سے کام لے گا اُس کا فائدہ اُسی کو ہو گا' اور جو اندھا بنا رہے گا تو اُس کا وبال بھی اُسی پر آئے گا۔ اور میں ہرگز تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں!''

آیت ۵۰ میں فرمایا:

''کہہ دو (اے محمدؐ) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے!''

آیت ۷ تا ۹ میں فرمایا:

''اور (اے نبیؐ!) اگر ہم آپ پر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کر

دیتے اور لوگ اُسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک صریح جادو۔ اور وہ کہتے ہیں اِن (حضرت محمدؐ) پر فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟ اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو لازماً (ان کا) فیصلہ ہی چکا دیا ہوتا' پھر کوئی مہلت انہیں نہ ملتی۔ اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے فرشتے کو تو اُسے بھی ہم لازماً انسان ہی کی صورت میں بھیجتے اور انہیں اسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس میں یہ اِس وقت مبتلا ہیں۔''

یہ مضمون پورے قرآن مجید میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہے اِس سورۂ مبارکہ کی آیات ۳۳ تا ۳۶ میں' جن کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں بظاہر آنحضورﷺ پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ایسی آیات میں اگرچہ خطاب بظاہر آنحضورﷺ سے ہوتا ہے لیکن عتاب کا رُخ دراصل کفار اور مُعاندِین کی جانب ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بے جا ہٹ دھرمی اور عیّارانہ مطالبات سے گویا آنحضورﷺ اور آپﷺ کے ساتھی اہلِ ایمان کو اس درجہ زچ کر دیا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کیوں نہ انہیں اُن کا مطلوبہ معجزہ دکھا ہی دیا جائے۔ اس تصریح کے بعد آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

''(اے نبیؐ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُن کی باتوں سے آپ کو رنج پہنچتا ہے' لیکن یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلا رہے' یہ ظالم تو دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی' لیکن انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا جو انہیں پہنچائی گئی یہاں تک کہ اُن کے لیے ہماری مدد آ پہنچی۔ اللہ کی باتوں کا بدلنا کسی کے بس میں نہیں۔ اور سابق رسولوں (کے حالات) کی خبریں آپ تک پہنچ ہی چکی ہیں۔ اور اگر (پھر بھی) آپ پر ان کا اعراض (اور انکار) گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو زمین میں کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر اُن کے لیے کوئی نشانی لے آیئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو (زبردستی) حق پر جمع کر دیتا' پس آپ نا سمجھوں میں سے نہ ہوں۔ دراصل (اس دعوتِ حق پر) لبیک وہی کہتے ہیں جو (فی الواقع) سننے والے ہوں۔ رہے وہ جو (حقیقت کے اعتبار سے) مر چکے ہیں تو انہیں

تو اللہ ہی دوبارہ اٹھائے گا' پھر وہ اسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے!''

کُفّار اور مُعانِدین کی اسی معنوی موت کی تعبیر آیت ۲۵ میں اِن الفاظ میں کی گئی:

''اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر تو آپ کی بات پوری طرح کان لگا کر سنتے ہیں' لیکن (فی الواقع) ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے۔ اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو اُن پر ایمان نہیں لائیں گے!''

واضح رہے کہ اللہ کا کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا ابتداءً نہیں بلکہ ان کے اعراض و انکار کی سزا کے طور پر ہے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۱۰ میں واضح کر دیا گیا کہ:

''اور ہم اُلٹ دیتے ہیں اُن کے دلوں اور اُن کی نگاہوں کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے (جبکہ حق ان پر منکشف ہو چکا تھا) پہلی بار' اور ہم چھوڑ دیتے ہیں انہیں ان کی اپنی سرکشی ہی میں بھٹکتے رہنے کو!''

توحید اور مَعاد

مشرکین اور منکرینِ قیامت کو توحید اور مَعاد پر ایمان کی دعوت اس سورۂ مبارکہ میں آفاق و اَنفس کے جن دلائل اور فطرت کی جن بدیہیات کی بنیاد پر دی گئی ہے' ان کی تفصیل کا یہاں امکان نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ مضامین اِن شاء اللہ دوسری سورتوں میں تفصیلاً زیر بحث آئیں گے!

یہود سے بالواسطہ خطاب

اہل کتاب' بالخصوص یہود کی جانب اس سورۂ مبارکہ میں چار مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں۔ ایک آیت ۲۰ میں جہاں فرمایا گیا ہے کہ:

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے (یعنی آنحضور ﷺ یا قرآن مجید کو) بالکل اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ (یہ دوسری بات ہے کہ) جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تل گئے ہیں پس وہ (ہرگز) ایمان نہیں لائیں گے!''

دوسرے آیات ۹۱' ۹۲ میں جہاں یہود کی اس ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا کہ آنحضور ﷺ کی دعوت کا راستہ روکنے کی دُھن میں وہ یہ تک کہہ گزرے کہ اللہ نے کبھی کسی انسان پر کچھ

نازل نہیں کیا! چنانچہ بڑے بلیغ پیرائے میں اُن سے سوال کیا گیا کہ:

''(اے نبیؐ! ان سے) پوچھو کہ پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا جسے موسیٰؑ لایا تھا' جو انسانوں کے لیے روشنی بھی تھی اور ہدایت بھی جسے تم نے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے کہ کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو؟''

بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سوال پر یہود میں سے جس میں بھی حق پسندی کی کوئی رمق باقی رہ گئی ہو گی اس کا سر ندامت سے کس طرح جھک گیا ہو گا! تیسرے آیت ۱۴۶ میں جہاں واضح کیا گیا کہ کھانے پینے کے ضمن میں جو سخت قدغنیں یہود پر لگائی گئی تھیں وہ شریعتِ اسلامی کا مستقل جزو نہ تھیں' بلکہ اُن کی سرکشی کی سزا کے طور پر عائد کی گئی تھیں۔ اور آخری اور چوتھی بار آیت ۱۵۴ میں جہاں تورات کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا گیا کہ:

''پھر ہم ہی نے موسیٰؑ کو وہ کتاب عطا کی تھی جو نیک کام کرنے والے (خیر کے طالب اور بھلائی کے خواہاں) انسانوں پر نعمت کی تکمیل اور تمام ضروری اُمور کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت پر مشتمل تھی!''

وہاں اس کے ساتھ ہی وارد ہوا قرآن مجید کا ذکر آیت ۱۵۵ میں:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵﴾

''اور (اسی طرح) یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے' سراپا خیر و برکت۔ پس اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو' تاکہ تم پر رحمت کا نزول ہو!''

شرائع سماویہ کی اساسی تعلیمات

سورۂ بنی اسراءیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کے مانند اس سورۂ مبارکہ کے انیسویں رکوع میں بھی ان اساسی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا جزوِ لاینفک رہی ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو کسی بھی اعتبار سے شریک نہ کرو!

(۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو!

(۳) اپنی اولاد کو مُفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے!

(۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ پھٹکو، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے!

(۵) کسی کو ناحق قتل نہ کرو!

(۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر احسن طریق پر، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے!

(۷) ناپ تول پورا کرو، حتی الامکان کامل عدل کے ساتھ!

(۸) جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ کسی رشتہ داری کا کیوں نہ ہو!

(۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو!

(۱۰) آخری اور اہم ترین یہ کہ یہی ہے میرا سیدھا رستہ، تو اسی کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں۔ اور یہ ہیں وہ باتیں جن کی ہدایت تمہارے ربّ نے تمہیں فرمائی، تاکہ تم اُس کے غضب سے بچ سکو۔

آنحضور ﷺ کا نعرۂ حق

سورت کے اختتام پر اِک نعرۂ حق آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا کرایا گیا، جس میں ایک بار پھر اعادہ ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کا جسے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے:

''(اے نبی!) اعلان کر دو کہ میرے ربّ نے میری رہنمائی فرما دی ہے سیدھے راستے کی جانب (یعنی) اِس دینِ قیّم کی طرف اور ابراہیمؑ کی ملّت کی جانب جو بالکل یکسو تھے اور ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے! کہہ دو میری نماز، میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا میں خود ہوں!''

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

تفسیر نمبر ۸

سُورۃ الاعراف

سورۃ الاعراف جو قرآن مجید میں آٹھویں پارے کے نصف سے لے کر نویں پارے کے تین چوتھائی حصّے تک پھیلی ہوئی ہے اور ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوعوں پر مشتمل ہے' قرآن حکیم کی طویل ترین مکّی سورت ہے۔ سورۃ الانعام کی طرح اس میں بھی خطاب کا اصل رُخ قریشِ مکّہ کی جانب ہے۔ اور اگرچہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ باب جو تورات کی کتاب الخروج سے مشابہت رکھتا ہے' اس سورۃ میں خاصی تفصیل سے بیان ہوا ہے' تاہم سورۃ الانعام کی طرح اس سورت میں بھی ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا' بلکہ یہ تذکرہ تمہید بن گیا اس مفصّل خطاب کے لیے جو یہود سے ہجرت کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد ہوا۔

قرآن حکیم میں سورۂ ابراہیم کی آیت ۵ میں آنحضور ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور (اے نبیؐ!) آپ انہیں یاددہانی کرائیے اللہ کے دنوں کے حوالے سے''۔ اس آیت میں اللہ کے دنوں سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اہم تاریخی واقعات رُونما ہوئے۔ یعنی وہ ایام بھی جن میں رسولوں کی دعوت سے اعراض کی پاداش میں قوموں کی ہلاکت اور تباہی کے فیصلے صادر و نافذ ہوئے اور اس کے علاوہ وہ اہم واقعات بھی جو اس سلسلۂ تخلیق کی بساط بچھانے کے ضمن میں رُونما ہوئے یا اس بساط کے تہہ کیے جانے کے وقت رُونما ہوں گے۔

سورۃ الاعراف اس ''تذکیر بِاَیّامِ اللہ'' کی حسین ترین مثال ہے۔ چنانچہ جس طرح سورۃ الانعام کے عین وسط میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی ذُرّیت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ذکر تھا' اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کے وسط میں آیت ۵۹ سے لے کر آیت ۱۳۷ تک ان چھ اولوالعزم رسولوں کا ذکر ہے جن کی قوموں پر اُن کو جھٹلانے اور اُن کی دعوت کو ردّ کر دینے کی پاداش میں عذاب نازل ہوا اور انہیں نیست و نابود کر دیا

گیا' یعنی حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام۔ واضح رہے کہ ان چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا ذکر قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں وارد ہوا ہے' جیسے سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں' اور سورۃ المؤمنون' سورۃ العنکبوت اور سورۃ الشعراء وغیرہ میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عرب اور اُس کے اطراف و جوانب کی تاریخ کے واقعات ہیں جن کا ذکر عرب کی روایات میں بکثرت موجود تھا۔ چنانچہ اہلِ عرب بالخصوص قریشِ مکّہ کو بار بار اُن کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان میں سے قومِ نوحؑ عرب کے شمال مشرق میں آباد تھی' قومِ ہودؑ یعنی عاد کا مسکن عرب کا جنوب مشرقی گوشہ تھا اور بقیہ چاروں اقوام یعنی ثمود' قومِ شعیبؑ' قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون کے مسکن عرب کے شمال مغربی گوشے میں تھے۔ اور اُن میں سے تین تو وہ ہیں جن کی تباہ شدہ بستیاں اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھیں جو حجاز سے شام تک جاتی تھی۔ یعنی جنوب سے شمال کی جانب پہلے مساکنِ ثمود' پھر مساکنِ قومِ شعیبؑ اور پھر قومِ لوطؑ کی بستیاں جن کے کھنڈروں پر سے اہلِ عرب اپنے تجارتی سفروں کے دوران گزرا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں ان رسولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے' تاکہ قریش اُن کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کریں اور اس غرّے میں نہ رہیں کہ ہمیں سرزمینِ عرب میں قوت و شوکت اور دبدبہ و اقتدار حاصل ہے۔ اس لیے کہ ان اقوام کو بھی اپنے اپنے زمانے میں اُن سے کہیں زیادہ غلبہ و اقتدار حاصل تھا' لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی گرفت میں آئے تو اُن کو ہلاکت و بربادی سے نہ اُن کی حشمت و سطوت بچا سکی نہ قوت و شوکت!

ان رسولوں کی دعوت کے ضمن میں الفاظ کے بار بار اعادے سے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ ان سب کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی' یعنی یہ کہ: ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی بندگی (اور پرستش) کرو' تمہارا اس کے سوا نہ کوئی مالک ہے نہ معبود!'' —— گویا انسان کی ہدایت کا اصل الاصول توحید ہے اور تمام گمراہیوں اور ضلالتوں کی جڑ اور بنیاد شرک ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضراتِ

نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کے عہد تک ابھی انسانی تمدّن بالکل ابتدائی مراحل میں تھا۔ چنانچہ ضلالت و گمراہی کی بھی صرف یہ جڑ ہی قائم ہوئی تھی، اس شجرۂ خبیثہ کے دوسرے ثمراتِ خبیثہ ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ لیکن پھر جیسے جیسے تمدّن نے ارتقائی مراحل طے کیے اس اُمّ الخبائث کے ثمرات و مضمرات کا ظہور بھی شروع ہو گیا۔ چنانچہ قومِ لوط کے حالات میں جنسی آوارگی اور بے راہروی (sexual perversion) کا ذکر ملتا ہے، قومِ شعیب کے حالات میں مالی بدعنوانیوں اور ناپ تول میں کمی بیشی اور چوری و راہزنی کا ذکر ملتا ہے اور آلِ فرعون کے حالات میں ایک قوم کے دوسری قوم پر ظلم اور جبر و تشدّد کا ذکر ملتا ہے۔ غور کیا جائے تو آج بھی انسانی تمدن میں فساد کی یہی تین صورتیں ہیں، یعنی معاشرتی اقدار کی پامالی اور عفّت و عصمت اور گھریلو امن و سکون کی بربادی، یا معاشی بدعنوانیاں یا سیاسی جبر و استحصال۔ اور درحقیقت یہ تینوں اصل نہیں فرع ہیں، یعنی جڑ نہیں شاخیں ہیں اس شجرۂ خبیثہ کی جس کی اصل اور جڑ کی حیثیت شرک کو حاصل ہے۔

اس میں گویا کہ تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ اے معشرِ قریش! تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ آج ہمارا رسول ﷺ تمہیں اسی توحید کی دعوت دے رہا ہے۔ تمہارے اخلاقی امراض کا علاج اور جملہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا تمام تر حل اس دعوت کے قبول کرنے میں مضمر ہے۔ اس کی یہ دعوت تمام تر نصح و خیر خواہی پر مبنی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے بندے نوح علیہ السلام نے کہا تھا کہ:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲﴾

''میں تمہیں اپنے ربّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں (تمہارا خیر خواہ ہوں) اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔''

اور ہمارے بندے ہود علیہ السلام نے کہا تھا کہ:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝۶۸﴾

''میں تم کو اپنے ربّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اطمینان (بھروسہ) کے لائق۔''

لیکن تم ہو کہ تکذیب و اعراض کی اُسی ڈگر پر چلنے پر مُصر ہو جس پر چلنے کے باعث ان

اقوام کا انجام یہ ہوا کہ: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ﴾ (آیت ۹۲) ''(وہ ایسے ہو گئے) جیسے کبھی اِن بستیوں میں آباد ہی نہ تھے''۔ اور: ﴿وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ (آیت ۷۲) ''اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا''۔ جس پر حد درجہ حسرت و تأسف کے ساتھ کہا تھا ہمارے بندے شعیب علیہ السلام نے کہ:

﴿يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾

''اے میری قوم کے لوگو! میں نے پہنچا دیا ہے تم تک پیغام اپنے ربّ کا اور حق ادا کر دیا تمہاری خیر خواہی کا۔ پس میں اب کافروں کے انجام پر غم کروں تو کیسے!''

تو اے محشرِ قریش! اب تم بھی اس انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ!

سورۃ الاعراف میں ایک عجیب صورت یہ سامنے آتی ہے کہ ۳۵ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام تک پانچ رسولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر ہوا۔ پھر ۹ آیات میں عذابِ استیصال کے ضمن میں بعض اُصولی باتیں بیان ہوئیں اور اس کے بعد ۳۵ ہی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں بھی قریب ترین مماثلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے پائی جاتی ہے اور اُمّتِ مسلمہ کے حالات میں بھی قریب ترین مشابہت بنی اسرائیل کے حالات سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ذکر کے بعد بیان شروع ہوا بنی اسرائیل کے حالات کا' اور یہ سلسلہ بعد کی ۳۴ آیات تک چلا گیا۔ اور یہ بیان جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' تمہید بن گیا یہود کے ساتھ اس مفصل خطاب کی جو ہجرت کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد ہوا۔

بنی اسرائیل کے حالات و واقعات کے اس تذکرے میں بڑے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ واقعہ کہ جب بچھڑے کی پرستش کے واقعہ کے بعد اُن کے ستّر سرکردہ لوگوں کو ساتھ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر اجتماعی توبہ و استغفار کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں انہیں اللہ کے حکم سے ایک زلزلے نے آ پکڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی

جناب میں عرض گزار ہوئے کہ:

''اے میرے ربّ! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھ کو بھی۔ تو کیا تو ہمیں اُس (جرم کی پاداش) میں ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے ناسمجھ لوگوں نے کیا؟ (واقعہ یہ ہے کہ) یہ بھی بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تو اس کے ذریعے جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے' پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین بخشنے والا ہے۔ اور (اے ہمارے ربّ!) لکھ دے ہمارے لیے بھلائی اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یقیناً ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں!'' (آیات ۱۵۵'۱۵۶)

اس پر جواب ملا:

''میں اگرچہ عذاب بھی دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں' لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ (رہی میری رحمتِ خصوصی) تو اسے میں مخصوص کر دوں گا اُن لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائیں گے' جو پیروی کریں گے اُس اُمّی نبی (اور) رسولؐ کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا' انہیں برائی سے روکے گا اور اُن کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائے گا اور اُن پر خبیث چیزوں کو حرام قرار دے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور طوق اُتارے گا جو اُن پر پڑے ہوں گے۔ تو جو اُس پر ایمان لائیں' اس کی عزّت کریں' اُس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ اُتاری گئی تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے!'' (آیات ۱۵۶'۱۵۷)

اور اس کے بعد آنحضور ﷺ سے کہلوایا گیا:

''کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں' اُس اللہ کا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے اُمّی نبی (اور) رسولؐ پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر بھی اور اُس کے کلمات پر بھی' اور پیروی کرو اُس کی تاکہ تم راہ یاب ہو سکو!'' (آیت ۱۵۸)

یہ گویا تمہید ہے اُس دعوتِ ایمان کی جو یہود کو ہجرت کے بعد سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں براہِ راست خطاب کر کے دی گئی۔

سورۃ الاعراف کے ابتدائی سات رکوعوں میں سے پہلے کی حیثیت تو ایک جامع انڈکس کی ہے، جس میں گویا اس سورت کے جملہ مباحث کے عنوانات جمع کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں وہ الفاظ بھی آئے ہیں جو گویا جامع عنوان ہیں رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کے ذکر کے لیے جو اِس سورت کے اکثر حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہوئی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا تو آدھمکا اُن پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت، یا (عین دن کے وقت) جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ جب اُن پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے بس یہی کہا کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔ تو (جان لو!) ہم لازماً ان لوگوں سے بھی پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم خود رسولوں سے بھی لازماً سوال کریں گے!" (آیات ۴ تا ۶)

اس کے علاوہ مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق توحید، معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی وہ دعوت بھی اختصار کے ساتھ آ گئی ہے جو اِس سے قبل سورۃ الانعام میں تفصیلاً آئی تھی۔ اور ان پر مستزاد ہے اس سورت کے عام اسلوب کے مطابق ذکر اس سلسلۂ تخلیق کے آغاز اور انجام سے متعلق بعض حالات و واقعات کا۔ چنانچہ پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ قصۂ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے اور پھر احوالِ آخرت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ کس حال میں ہوں گے اہلِ جنت اور اہلِ جہنم اور کیا گفتگو ہو گی اُن کے مابین۔ اس ضمن میں اصحابِ اعراف کا ذکر بھی قدرے تفصیل سے آیا ہے!

اسی طرح اس سورت کے اختتام پر بھی اوّلاً تو دو واقعات کا بیان ہوا۔ ایک نوعِ انسانی کی تخلیق کے اوّلین مرحلے کا جب ارواحِ انسانی کو وجود بخشا گیا اور اُن سے وہ عہدِ اَلست لیا گیا جو محاسبۂ اُخروی کے وقت بطورِ دلیل و حجت پیش ہو گا اور دوسرے بنی اسرائیل کے ایک حد درجہ پارسا اور عالم و فاضل شخص کے شیطان کے ایک ہی چکمے میں آ کر گناہ کی انتہائی پستیوں میں جا گرنے کا۔ جس سے گویا ایک بار پھر وہی حقیقت

سامنے لائی گئی جو ابتدا میں آدم و ابلیس کے واقعے میں بیان ہوئی تھی کہ شیطان آدم اور ذُرّیتِ آدم کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ اس کی چالوں سے پوری طرح ہوشیار و چوکس رہنے کی ضرورت ہے اور اس کے مقابلے میں مؤمن کا اصل دفاع ذکرِ الٰہی اور اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنے میں ہے نہ کہ کسی اِدّعاءِ علم و فضل یا غرورِ بِرّ و تقویٰ میں۔ چنانچہ تقریباً اختتام پر فرمایا گیا:

''اور اگر تمہیں کوئی وسوسۂ شیطانی لاحق ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والے (خدا سے ڈرنے والے) لوگوں پر اگر کبھی شیطان کا گزر ہوتا ہے (شیطان کی چھوت لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے) تو وہ چونک جاتے ہیں (فوراً خدا کا دھیان کرتے ہیں) چنانچہ اُن کو (فوری) بصیرت حاصل ہو جاتی ہے!'' (آیات ۲۰۰'۲۰۱)

سورت کے اوّل و آخر میں قرآنِ حکیم کا ذکر ہے۔ آغاز میں فرمایا گیا:

''الٓمّٓصٓ۔ یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی۔ پس (اے نبیؐ!) نہ اس لیے کہ تمہارے دل میں اس سے پریشانی لاحق ہو' بلکہ اس لیے کہ تم اس کے ذریعے (لوگوں کو) خبردار کر دو اور اہل ایمان کے لیے یاددہانی۔ (لوگو!) جو چیز تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے آئی ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر دوسرے اولیاء (سرپرستوں) کی پیروی نہ کرو۔ (واقعہ یہ ہے کہ) تم کم ہی یاددہانی حاصل کرنے والے ہو۔'' (آیات ۱ تا ۳)

اور اختتام پر فرمایا:

''کہہ دو (اے نبیؐ!) میں تو خود پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میرے ربّ کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت عطا کرنے والی آیات ہیں' اور ہدایت اور رحمت ہیں اُن کے حق میں جو ایمان لائیں۔ اور (اے مسلمانو!) جب (تمہارے سامنے) قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اُسے (کان لگا کر) توجّہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (آیات ۲۰۳'۲۰۴)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!



تقریر نمبر ۹

سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف دو مکّی سورتوں کے بعد قرآن مجید میں سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ پر مشتمل دو مدنی سورتوں کا موزوں اور متناسب جوڑا آتا ہے' جن میں موضوع اور مضامین کے اعتبار سے اتنا گہرا ربط اور انداز اور اسلوب کے اعتبار سے اتنی موزونیت موجود ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ دونوں ایک ہی سورت ہوں۔ چنانچہ بعض حضرات نے سورۃ التوبۃ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی فی الواقع یہی توجیہہ بیان بھی کی ہے' لیکن بوجوہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ سورتیں ہیں اور سورۃ التوبۃ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کا سبب اصلاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا حکم دیا۔ البتہ اس کی توجیہہ کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول وزنی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ آیتِ امان ہے' چونکہ اس میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ رحمٰن اور رحیم آئے ہیں' جب کہ یہ سورت گویا ہاتھ میں تلوار لیے نازل ہوئی ہے' اس لیے کہ اس کا آغاز آیاتِ براءت یعنی اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ سے ہوتا ہے' لہٰذا موزوں یہی تھا کہ اس کے آغاز میں آیتِ بسم اللہ نہ تحریر کی جائے!

ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے سورۃ الانفال کا نمبر سورۃ البقرۃ کے بعد ہے' اس لیے کہ یہ سورت غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی' محسوس ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک مربوط اور مسلسل خطبہ کی صورت میں نازل ہوئی' لیکن ترتیبِ مصحف میں اس کو سورۃ الانعام و سورۃ الاعراف کے بعد اور سورۃ التوبۃ سے قبل رکھا گیا۔ اور اس میں نظمِ کلام کے اعتبار سے غایت درجہ حکمت مضمر ہے' اس لیے کہ سورۃ الانعام گویا بنی اسماعیل کو بالعموم اور قریش مکہ کو بالخصوص دعوت کی سورت ہے اور سورۃ الاعراف کی حیثیت ان کے لیے آخری تنبیہہ اور تہدید (warning) کی ہے۔ اس کے بعد فطری طور پر مشرکینِ عرب بالخصوص قریش پر عذاب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ قریشِ مکہ کو عذاب سے امان اُس وقت تک حاصل رہی جب تک آنحضور ﷺ مکہ میں مقیم رہے۔ جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو گویا امان اُٹھ گئی اور عذاب کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں پہلی

قسط کی حیثیت حاصل ہے غزوۂ بدر میں قریشِ مکّہ کے ستّر سورماؤں کے قتل کو جن میں اُن کے بعض چوٹی کے سردار بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ اُن میں عتبہ بن ربیعہ بھی تھا جس کو اشرافِ قریش میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا اور ابوجہل بھی تھا جس کے بارے میں خود آنحضور ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: ((هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ)) کہ اسے اس دَور کے فرعون کی حیثیت حاصل ہے!

مشرکینِ عرب پر عذابِ خداوندی کے جس سلسلے کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا وہ تکمیل و اتمام کو پہنچا ۹ ھ میں، جب کہ حج کے موقع پر آنحضور ﷺ نے اعلانِ عام کرا دیا کہ چند ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد مشرکین کے خلاف اقدامِ عام شروع ہو جائے گا۔ اب جسے جزیرہ نمائے عرب میں رہنا ہو وہ اطاعت قبول کر لے اور اسلام لے آئے، بصورتِ دیگر اس سرزمین کو خیر باد کہہ کر جہاں سینگ سمائے چلا جائے۔ بہرصورت جزیرہ نمائے عرب کو چند ماہ کے بعد کفر اور شرک سے بالکل پاک کر دیا جائے گا۔

ان تصریحات کے پیشِ نظر دو مکّی اور دو مدنی سورتوں کے اس گروپ نے انتہائی مربوط اور منظّم کلام کی صورت اختیار کر لی ہے! فَافْهَمُوْا وَتَدَبَّرُوْا!

سُورۃُ الانفال

سورۃ الانفال جو ۷۵ آیات اور دس رکوعوں پر مشتمل ہے، اکثر و بیشتر غزوۂ بدر کے حالات و واقعات اور ان پر حکیمانہ تبصرے اور مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے اس نئے دَور کے تقاضوں کی تیاری کی ہدایات پر مشتمل ہے جو غزوۂ بدر سے شروع ہو چکا تھا اور جسے جدید اِصطلاح میں عملی اقدام (Active Resistance) یا مسلح تصادم (Armed Conflict) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس سورۃ کا آغاز تو قرآن حکیم کے معروف اسلوب کے مطابق اُس مسئلے کے ذکر سے ہوا، جو اُس وقت بحث و نزاع اور چہ میگوئی کا اہم موضوع بن گیا تھا، یعنی مالِ غنیمت کا مسئلہ، جس پر پہلے سے کسی قانون یا

ضابطے کے موجود نہ ہونے کے باعث مسلمانوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا۔ اس پر مُستزاد یہ کہ اُسے معاندین نے مخالفانہ پروپیگنڈے کا ذریعہ بھی بنا لیا تھا' کہ یہ کیسے رسول ہیں جو اپنی ہی قوم کے خلاف تلوار اٹھاتے ہیں اور اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہیں' اور اُن کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور ان کے اسیروں سے رہائی کے عوض زرِفدیہ وصول کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''(اے نبیؐ!) لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ (ان کو) بتا دیجیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حق ہے' پس اللہ سے ڈرو اور اپنے مابین تعلقات کو درست رکھو اور اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت پر کاربند رہو اگر تم واقعی مؤمن ہو!''

اور اس کے بعد نہایت شاندار الفاظ میں اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذکر ہوا اور بتا دیا گیا کہ حقیقی مؤمن کون ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سورۃ الانفال کا آغاز بھی اسی موضوع سے ہوا اور اس کے اختتام پر پھر یہی موضوع زیر بحث آیا' اور ان دونوں مقامات نے مل کر ایمانِ حقیقی کی حد درجہ جامع و مانع تعریف کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آیات ۲ تا ۴ میں فرمایا:

''حقیقی مؤمن تو صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز اُٹھیں اور جب انہیں اس کی آیتیں سنائی جائیں تو اُن کے ایمان (اور یقین) میں اضافہ ہو' اور اُن کا تمام تر بھروسہ اپنے ربّ ہی پر ہو۔ جو نماز قائم کریں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ یہی ہیں سچے مؤمن۔ اُن کے لیے اُن کے ربّ کے پاس مراتبِ عالیہ بھی ہیں اور مغفرت اور رزقِ کریم بھی!''

اور آیت ۷۴ میں فرمایا:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی تو یہی ہیں حقیقی مؤمن۔ اُن کے لیے (اللہ کی) مغفرت (کا وعدہ) بھی ہے اور باعزّت رزق (کا وعدہ) بھی!''

یہ گویا وہی بات قدرے شرح و بسط کے ساتھ ہے جو اجمالاً بیان ہوئی ہے سورۃ الحجرات

کی آیت ۱۵ میں کہ:

''مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اُس کے رسول پر' پھر شک میں نہ پڑیں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ حقیقتاً یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں!''

اس ابتدا اور انتہا کے مابین جو مضامین سورۃ الانفال میں بیان ہوئے ہیں اُن کا اجمالی جائزہ یہ ہے:

(۱) غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کے ضمن میں ایک جانب تو آیات ۵ تا ۸ میں بعض مسلمانوں کی اس کمزوری کی نشاندہی کی گئی کہ جب آنحضور ﷺ نے اہل ایمان کے حوصلے اور morale کا اندازہ کرنے کے لیے یہ دریافت کیا کہ شمال سے تجارتی قافلہ آ رہا ہے اور جنوب سے قریش کا لشکر' تو ہمیں کس جانب کا قصد کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے قافلے پر حملہ آور ہونے پر اصرار کیا۔ حالانکہ اللہ تو اس کے ذریعے حق کا بول بالا کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور دوسری طرف آیات ۹ تا ۱۴ میں ان خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا گیا جو اُس معرکے کے دوران اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کیے' جن میں اہل ایمان کی مدد کے لیے ملائکہ کی غیر مرئی فوج کا بھیجنا بھی شامل ہے اور معرکے سے ایک رات قبل بارانِ رحمت کا نزول بھی' جس سے اہلِ ایمان نے طہارت و پاکی بھی حاصل کی اور جس سے میدانِ جنگ میں ان کی جانب کے حصے میں ریت بھی دب گئی' جس سے قدم جما کر لڑنے کا امکان پیدا ہوا۔ مزید برآں جنگ سے پہلے والی رات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے قلوب میں ایسا امن و اطمینان پیدا کر دیا کہ وہ آرام سے سوئے اور اگلی صبح پوری طرح چاق و چوبند ہو کر میدانِ جنگ میں صف بستہ ہو گئے۔ اور آیت ۱۷ میں اس نصرت و تائید غیبی کا نتیجہ بیان کر دیا کہ اے مسلمانو! یہ جنگ اصل میں تم نے نہیں لڑی' ہم نے لڑی ہے' سردارانِ قریش کو تم نے قتل نہیں کیا' ہم نے کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفار کی جانب پھینکی تھی' وہ انہوں نے نہیں' ہم نے پھینکی تھی۔ گویا بقول علامہ اقبال: ع ''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ!''

(۲) ساتھ ہی پہلے آیات ۱۸' ۱۹ میں قریش کو متنبہ کر دیا کہ اگر تم حق و باطل کے فیصلے کے

طالب تھے اور یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے' تمہارے ساتھ یا محمد ﷺ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ' تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ لہٰذا اب بھی باز آ جاؤ' اس میں بہتری اور خیریت ہے' بصورتِ دیگر جان لو کہ تمہاری جنگ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھی مہاجرین و انصار سے نہیں' اللہ سے ہے۔ اور پھر آیات ۳۲ تا ۳۸ میں اُن کے کان پھر کھول دیے گئے کہ ہجرت سے قبل ہماری ڈھیل کے باعث تمہارے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے' حتیٰ کہ تم کھلم کھلا عذاب تک کا مطالبہ کر گزرتے تھے' حالانکہ اُس وقت تک ہمارے نبی تمہارے مابین موجود تھے۔ اب وہ امان اُٹھ چکی ہے لہٰذا عذاب کی پہلی قسط تمہیں مل گئی ہے۔ رہا تمہارا یہ خیال کہ تم بیت الحرام کے متولی اور مجاور ہو تو اس غرّے میں بھی مت رہنا۔ تم نے توحید کے اس مرکز کی حرمت کو بھی اسے شرک کا گڑھ بنا کر بٹّہ لگا دیا ہے اور اس کی تعمیر کے اصل مقصد یعنی نماز کے قیام کو بھی تم ضائع کر چکے ہو' یہاں تک کہ تم نے خود نماز کا حلیہ بگاڑ کر اُسے تالیوں اور سیٹیوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اب تم اللہ سے کسی رعایت کی امید نہ رکھو اور جان لو کہ اب تم خواہ کتنی ہی دولت صَرف کر لو اللہ کے دین کی راہ ہرگز نہ روک سکو گے۔

(۳) مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے اس نئے مرحلے کے تقاضوں کے ضمن میں جو ہدایات دی گئیں وہ حسب ذیل ہیں:

اوّلاً ..... یہ جان لو کہ یہ جنگ جاری رہے گی جب تک کہ کفر و شرک کا کامل قلع قمع نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل صرف اللہ کے لیے نہ ہو جائے! (آیت ۳۹)

ثانیاً ..... جنگ کے لیے ہمیشہ تیار رہو اور اپنے جملہ وسائل کو بروئے کار لا کر زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور سامانِ جنگ فراہم کرو۔ اس ضمن میں جو خرچ تم کرو گے اُس کا پورا پورا اجر تمہیں اللہ سے مل جائے گا۔ (آیت ۶۰)

ثالثاً ..... جن قبائل سے تمہارے معاہدے ہوں اُن کے معاہدوں کا لحاظ کرو' اگر وہ خیانت کا ارتکاب کریں گے تو اللہ اُن کے شر سے تمہیں بچائے گا۔ بہر صورت اگر تمہیں اُن کے خلاف اقدام کرنا ہی پڑے تو پہلے اُن کے معاہدے علی الاعلان اُن کے

مُنہ پر دے مارو۔ بہر حال یہ صورت تمہارے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے کہ کسی سے معاہدہ بھی ہو اور اس کے خلاف در پردہ یا کھلم کھلا اقدام بھی کیا جا رہا ہو۔ (یہ مضمون تفصیل کے ساتھ آیات ۵۶ تا ۵۸ اور ۶۱ تا ۶۴ میں آیا ہے)۔

رابعاً ..... جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو میدانِ جنگ سے ہرگز مُنہ نہ موڑو' اِلّا یہ کہ خود جنگ کی مصلحتیں کسی باقاعدہ پسپائی کی متقاضی ہوں۔ جو کوئی صرف جان بچانے کی غرض سے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرے گا اُس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ (آیات ۱۵'۱۶)۔ ساتھ ہی عین جنگ کے موقع پر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو' بلکہ ذکر کا اہتمام کرو۔ (آیت ۴۵)

خامساً ..... اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری قوت کا اصل راز اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی بے چون و چرا اطاعت اور اُن کی پکار پر بلا پس و پیش حاضر ہو جانے میں مضمر ہے اور اسی میں حیاتِ حقیقی کا راز مضمر ہے' خواہ بظاہر اس راہ میں موت کھڑی نظر آ رہی ہو۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ ان اُمور میں ہر کوتاہی اصلاً اللہ اور رسولؐ کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے' اور اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی زد میں آ جائے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جائے کہ پھر راہِ ہدایت کی جانب پلٹنا ممکن ہی نہ رہے۔ (آیات ۲۰' ۲۴' ۲۷)

(۴) مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں جو اختلاف ہوا اُس کے ذیل میں نہایت حکیمانہ انداز یہ اختیار کیا گیا کہ پہلے تو آیت ۱ میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ یہ کُل کا کُل اللہ اور اُس کے رسول کا حق ہے۔ گویا دوسروں کو اس میں سے جو کچھ بھی مل جائے وہ اسے اللہ کا عطیہ سمجھیں نہ کہ اپنا حق۔ اس کے بعد آیت ۴۱ میں حتمی ضابطہ بیان کر دیا گیا کہ اموالِ غنیمت میں سے خُمس یعنی پانچواں حصہ اسلامی حکومت کے خزانے میں جائے گا اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ بالکل وہی انداز ہے جو سورۃ البقرۃ میں تحویلِ قبلہ کے ضمن میں اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا کہ:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۱۵)

''اور مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں' پس جدھر بھی تم رُخ کرلو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے!''

اور اس طرح ذہنوں کو تبدیلی کے قبول کرنے کے لیے تیار کرنے کے بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا گیا۔

(۵) ایک اور پیچیدہ مسئلہ جو جنگ کے بعد پیدا ہوا' وہ قیدیوں کا تھا۔ اس کے ضمن میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اختلافِ رائے پیدا ہوا از روئے فرمانِ نبویؐ اللہ کے دین کے معاملے میں اُمّتِ محمد ﷺ کے سب سے زیادہ سخت گیر انسان یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے قریبی عزیز کو اپنے ہاتھوں قتل کرے' جب کہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے مطابق اُمّت پر سب سے بڑھ کر شفیق و رحیم انسان یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ خود رحمۃ لّلعالمین ﷺ کی رائے بھی لامحالہ اسی جانب تھی۔ اس ضمن میں آیات ۶۷' ۶۸ کی رُو سے وحیٔ الٰہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوئی۔ اگرچہ اسیرانِ جنگ سے زرِفدیہ وصول کر کے رہا کر دینے کا جو فیصلہ آنحضور ﷺ فرما چکے تھے اسے برقرار رکھا گیا اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے آیت ۶۹ میں واضح الفاظ میں فرما دیا کہ خواہ عام اموالِ غنیمت ہوں خواہ اسیرانِ جنگ سے وصول شدہ زرِفدیہ' اسے پورے انشراحِ صدر کے ساتھ حلال و طیّب جانتے ہوئے کھاؤ اور مُعاندین کے مخالفانہ پروپیگنڈے سے کوئی تأثر قبول نہ کرو کہ یہ نبی اور اس کے ساتھیوں کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے کہ نبی اور اہل ایمان کے لیے کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں' اس کا فیصلہ اصلاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!



تقریر نمبر ۱۰

سُورۃ التّوبۃ

سورۃ التوبۃ کا دوسرا مشہور نام سورۂ براءت ہے' یعنی وہ سورت جس میں مشرکین سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور یہ بعض دوسرے ناموں سے بھی موسوم کی جاتی ہے' جیسے سورۂ مخزیہ' سورۂ فاضحہ' سورۂ مشرّدہ اور سورۂ عذاب' جو سب اس کی اسی صفت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکینِ عرب کے لیے اس دنیا میں آخری ذلت و رسوائی اور عذابِ استیصال کا اعلانِ عام کیا گیا ہے۔ یہ اہم سورت مصحف میں دسویں پارے کے رُبع سے لے کر گیارھویں پارے کے رُبع سے آگے تک پھیلی ہوئی ہے اور ۱۶ رکوعوں اور ۱۲۹ آیات پر مشتمل ہے۔

مضمون کے اعتبار سے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے' ایک چھوٹا حصہ جو پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور دوسرا بڑا حصہ جو بقیہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے' اور ان میں سے پھر ہر حصہ زمانۂ نزول کے اعتبار سے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے سرزمینِ عرب کی حد تک تکمیلی مرحلے کا ذکر ہے' جبکہ دوسرا حصہ آپ ﷺ کی دعوت کے بیرونِ ملک یا بین الاقوامی مرحلے کے آغاز سے متعلق ہے۔

واضح رہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوتی سرگرمی کو آغازِ وحی اور حکمِ تبلیغ کے بعد تیرہ برس یعنی ہجرت تک صرف مکّہ مکرّمہ اور اُس کے اطراف و جوانب تک محدود رکھا' اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو مدینہ منورہ میں ایک چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست عطا فرما دی اور اس طرح آپؐ کے لیے تمکّن فی الارض کا سامان فراہم کر دیا تو آپؐ کی دعوت فطری طور پر دوسرے مرحلے میں داخل ہو گئی اور پورا جزیرہ نمائے عرب آپؐ کی دعوت و تبلیغ کا میدان بن گیا۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور اُس نے گویا ثابت کر دیا کہ اندرونِ عرب آنحضور ﷺ کو فیصلہ کُن اور مسلّمہ طور پر

غالب حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے ''فتح مبین'' قرار دیا۔ چنانچہ اب آپؐ نے بلا تأخیر ملوک و سلاطین کے نام دعوتی خطوط ارسال فرما کر اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز کر دیا' اور اس کے بعد سے آپؐ کی پیش قدمی بیک وقت دونوں محاذوں پر شروع ہوگئی' اندرونِ ملکِ عرب بھی اور بیرونِ ملک بھی۔ اندرونِ عرب کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ دَور آنحضور ﷺ کے مشن کے اتمام و تکمیل کا دَور ہے' جب کہ بین الاقوامی سطح پر اسے آغاز و ابتداء سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اندرونِ ملک اتمام و تکمیل مقصدِ بعثتِ نبویؐ کے اس عمل میں اہم مراحل کی حیثیت حاصل ہے ایک جانب فتح مکّہ اور غزوۂ حنین کو اور دوسری جانب فتح خیبر کو' اور بیرونِ ملک توسیعِ دعوت کے نتیجے میں واقع ہوا پہلے غزوۂ مُوتہ اور پھر سفرِ تبوک! سورۃ التوبۃ اُسی دَور میں مختلف مواقع پر نازل شدہ خطبات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس کے پہلے پانچ رکوعوں میں زیر بحث آئے ہیں ایک جانب فتح صلح حدیبیہ' پھر مکہ کی جانب پیش قدمی' پھر غزوۂ حنین اور بالآخر قریشِ مکّہ اور مشرکینِ عرب کے ضمن میں آخری اقدامات' اور دوسری جانب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بارے میں آخری فیصلہ۔ اور بقیہ گیارہ رکوع بحث کرتے ہیں تبوک کی مہم اور اُس کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات سے' جن کے ضمن میں بالخصوص منافقین کا کردار نہایت تفصیل سے زیر بحث آیا' جس کے نتیجے میں اس سورۂ مبارکہ کو منافقین کے ضمن میں قولِ فیصل کی حیثیت بھی حاصل ہوگئی اور اس موضوع کے اعتبار سے قرآن مجید کے ذروۃ السنام کی بھی!

اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصے میں ربط و ترتیب کے ضمن میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جس طرح سورۃ الانفال میں اموالِ غنیمت کے اہم مسئلے کو سورت کے درمیان سے نکال کر آغاز میں گویا بطور عنوان درج کر دیا گیا تھا اسی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی مشرکین عرب سے اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ کو اس کی اہمیت کے پیش نظر درمیان سے نکال کر سورت کے عنوان کی حیثیت سے ابتدا میں درج کر دیا گیا ہے' ورنہ اصل ترتیب یہ ہے کہ اس سورت کے رکوع ۲' ۳ نزول کے اعتبار سے مقدم ہیں اور صلح حدیبیہ

کے بعد اور فتح مکّہ سے قبل کسی موقع پر نازل ہوئے' جبکہ رکوع ۱' ۴' ۵ باہم مربوط ہیں اور اُن کا زمانۂ نزول ۹ھ کا موسمِ حج ہے۔

دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات کے تاریخی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے' اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کا اثر عرب کے تمام قبائل پر یہ پڑا کہ اب جبکہ عرب کی سب سے بڑی قوّت یعنی قریش نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں' تو عافیت اسی میں ہے کہ جلد از جلد سب ہی آنحضور ﷺ سے مُصالحت کی کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اُدھر آنحضور ﷺ کا دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا اور آپؐ ڈیڑھ دو سال قبل غزوۂ احزاب کے بعد ہی واضح فرما چکے تھے کہ اب مشرکین اور کُفّار میں قوّتِ مقاومت موجود نہیں ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ ان سے معاہدے کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ کفر اور شرک کو خواہ مخواہ مزید مہلت دی جائے اور اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کو بلا وجہ مؤخر کیا جائے۔ اِدھر یہ بات بھی بادنیٰ تامّل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ صلح جُو اور امن پسند لوگ ہر معاشرے اور جماعت میں موجود ہوتے ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کی تو غالب اکثریت کا اسی مزاج کا حامل ہونا عین قرین قیاس ہے۔ ایسے حضرات کے لیے معاہدے کی کسی بھی پیش کش کو کسی بھی صورت میں ردّ کرنا ناقابلِ قیاس ہوتا ہے' اور اصل میں یہی عُقدہ ہے جسے سورۃ التوبۃ کے دوسرے رکوع میں کھولا گیا ہے کہ اوّل تو شرک و توحید اور حق و باطل کے مابین بقائے باہمی (peaceful co-existance) کا کوئی تصور ویسے ہی خارج از بحث ہے۔ ثانیاً تم ان مشرکین کے الفاظ کے بجائے اُن کے کردار کو دیکھو اور اُن کی چکنی چپڑی باتوں پر نہ جاؤ' بلکہ ان کے اب تک کے کرتوتوں کو یاد کرو! کیا یہ وہی نہیں ہیں جنہوں نے حق کی راہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا اور اس معاملے میں نہ کسی قرابت کا کوئی لحاظ کیا نہ کسی قول و قرار یا عہد و ذمہ کا۔ پھر کیا یہی نہیں ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مکّہ سے نکالا اور پھر مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اب جبکہ حالات کا پانسہ پلٹ گیا ہے تو وہ معاہدوں کی چھاؤں میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ ان کے فریب میں مت آؤ اور اُن سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے کفر و اعراض کی سزا تمہارے ہاتھوں دے گا

اوران مسلمانوں کے قلوب کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا جو اُن کے مظالم کی چکّیوں میں پستے رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک اشکال اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اہلِ عرب کے قلوب واَذہان میں حرم اور متولّیانِ حرم یعنی قریش کی عظمت کا جو نقش صدیوں کے تعامل کے باعث قائم ہو چکا تھا' وہ بھی کسی فیصلہ کن اقدام کی راہ میں حائل تھا۔ چنانچہ تیسرے رکوع میں اس نفسیاتی اُلجھن کا حل کیا گیا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا یا اُن کے متولّی بننا مشرکین کا حق ہے ہی نہیں۔ یہ حق تو اصلاً صرف اہل ایمان وتوحید کا ہے۔ گویا مشرکینِ مکّہ کی حیثیت غاصبین کی ہے اور صرف حُجّاجِ بیت اللہ الکرام کی خدمت یا مسجدِ حرام کے متولّی ہونے سے اُنہیں کوئی ایسا تقدّس حاصل نہیں ہوتا جو اُن کے خلاف کسی اقدام میں مانع ہو سکے—— اس طرح یہ دونوں رکوع گویا تمہید ہیں اس فیصلہ کن اقدام کی جس کے نتیجے میں بفضلہٖ تعالیٰ رمضان ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا' اور پھر اگلے ہی ماہ معرکۂ حنین میں کُفر اور شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔

اس ضمن میں مسلمانوں کی جماعت کے فقہ کالمسٹ عنصر یعنی منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ موت کے خوف کے باعث جنگ وقتال سے تو گریزاں رہتے ہی تھے' اب ایک نیا مرحلۂ امتحان یہ پیش آیا کہ حق کی تلوار اہلِ کفر وشرک سے رشتہ داریوں' قرابتوں' محبتوں' دوستیوں اور در پردہ تعلقات کے بندھنوں کو کاٹنے کے لیے بے نیام ہوا چاہتی تھی۔ چنانچہ اوّلاً آیت ۱۶ میں واشگاف الفاظ میں فرما دیا گیا:

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے' حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ہیں وہ لوگ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی سے کوئی دلی تعلق نہیں رکھتے!''

اور پھر آیت ۲۴ میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اعلان کر دیا:

''کہہ دو (اے نبیؐ!) کہ اگر تمہیں اپنے والد' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں اور اپنے اعزہ واقرباء اور وہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں اور وہ کاروبار جن کے مندے کا خوف تمہیں لاحق رہتا ہے اور وہ مکان جو تمہیں بہت پسند ہیں' عزیز تر ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جہاد سے' تو جاؤ انتظار

کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرتا!''

فتح مکہ کے فوراً بعد ۸ھ کا حج آنحضور ﷺ نے سابق انتظام ہی کے تحت ہونے دیا۔ اگلے سال یعنی ۹ھ کے حج کے لیے آنحضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں قافلۂ حج کو روانہ فرما چکے تھے کہ سورۃ التوبۃ کی وہ چھ آیات نازل ہوئیں جو اِس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں درج ہیں اور جن میں مشرکین سے اعلانِ براءت بھی کر دیا گیا اور حج کے موقع پر اس اعلانِ عام کا حکم بھی دے دیا گیا کہ حرمت والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی مشرکینِ عرب کے خلاف آخری اقدام شروع کر دیا جائے گا' از روئے الفاظِ قرآنی:

''پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو' اور انہیں پکڑو' گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک لگاؤ۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو!'' (آیت ۵)

چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ آپؐ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے حج کے اجتماع میں یہ اہم اعلان کر دیں۔ اس طرح گویا جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کے بعد مشرکین کے خلاف جنگی اصطلاح میں آخری mopping up operation شروع ہو گیا اور مشرکینِ عرب کے ضمن میں اس عذابِ الٰہی کی تکمیل ہو گئی جس کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا۔

سورۃ التوبۃ کے چوتھے اور پانچویں رکوع کی آیات بھی اغلباً متذکرہ بالا آیات سے متصل ہی نازل ہوئیں' اور ان میں ایک تو وارد ہوئی وہ اہم آیت جو قرآن مجید میں دو اور مقامات پر یعنی سورۃ الفتح اور سورۃ الصّف میں بھی وارد ہوئی ہے اور جس میں آنحضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے' یعنی:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے

ساتھ تاکہ غالب کر دے اسے تمام ادیان (یا پورے جنسِ دین) پر خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو!''

اور دوسرے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی عام اعلانِ جنگ کر دیا گیا صرف اس رعایت کے ساتھ کہ اُن کے لیے اسلام اور تلوار کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت ہو کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں اور مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں۔ گویا قانونِ ملکی (law of the land) اسلام ہی کا ہو گا' اس کے تحت personal law کی حد تک وہ اپنے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ آئندہ کے لیے یہی ضابطہ مسلمانوں کا مستقل دستور العمل قرار پایا اور خلافتِ راشدہ کے دوران جب اسلامی افواج جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکلیں تو اُن کی جانب سے ہمیشہ یہی تین صورتیں پیش کی جاتی رہیں کہ ایمان لے آؤ' ہمارے بھائی اور ہر اعتبار سے برابر ہو جاؤ گے' ورنہ اسلام کی بالادستی قبول کر لو اور جزیہ ادا کرو' تمہیں جان و مال کا مکمل تحفظ مل جائے گا' بصورتِ آخر میدان میں آؤ' تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ چوتھی کوئی صورت موجود نہیں ہے!

آنحضور ﷺ کی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد سلاطین و ملوک کے نام دعوتی خطوط سے ہوا۔ بدبخت والیٔ ایران خسرو پرویز نے آنحضور ﷺ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔ قیصرِ روم چونکہ عیسائی تھا لہٰذا اسے آنحضور ﷺ کو پہچاننے میں قطعاً دیر نہ لگی' لیکن اُس نے کوشش کی کہ جس طرح پہلے سلطنتِ روما نے اجتماعی طور پر عیسائیت قبول کی تھی اسی طرح اب بھی اجتماعی طور پر اسلام لے آیا جائے تاکہ پورا نظامِ مملکت جوں کا توں قائم رہ سکے۔ لیکن اسے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس طرح وہ خود بھی دولتِ ایمان اور نعمتِ اسلام سے محروم رہ گیا۔ عزیزِ مصر بھی اگرچہ ایمان تو نہ لایا تاہم اس نے آنحضور ﷺ کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز معاملہ والیٔ بصریٰ شرحبیل بن عمرو نے کیا کہ آپ ﷺ کے ایلچی کو قتل کر دیا' جس کے نتیجے میں پہلے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ مُوتہ واقع ہوا اور پھر اگلے ہی سال

یعنی ۹ھ میں تبوک کی مہم پیش آئی۔ یہ مرحلہ اسلام اور اہلِ ایمان کے لیے واقعتاً نہایت کٹھن تھا' اس لیے کہ جنگ وقت کی عظیم ترین عسکری قوت سے تھی اور بظاہر احوال معاملہ مولے اور شہباز کی لڑائی کا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ عرب میں اجناس کی سخت قلت تھی اور قحط کا عالم تھا اور اب کھجور کی فصل تیار تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر بروقت اُتاری نہ گئی تو یہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ ادھر موسم انتہائی سخت گرمی کا تھا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہلِ ایمان کے جذبۂ ایمانی کے امتحان کا بھرپور سامان کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ جس جس کے دل میں کوئی روگ تھا' یا نفاق جڑ پکڑ چکا تھا یا جذباتِ ایمانی میں ادنیٰ درجے کا اِضمحلال بھی پیدا ہو گیا تھا اُن سب کا معاملہ ظاہر ہو گیا۔ اندریں حالات سفر پر روانگی سے قبل' سفر کے دوران اور پھر واپسی پر جو حالات و واقعات پیش آئے اور اُن پر تبصروں کے طور پر جو خطباتِ الٰہی آیاتِ قرآنی کی صورت میں نازل ہوئے' اُن میں ایمان' ضعفِ ایمان اور نفاق تینوں کے اوصاف و خصائص کی کامل وضاحت ابد الآباد تک کے لیے کر دی گئی —— صادق الایمان لوگوں کے لیے تو' جیسا کہ سورۃ الانفال میں واضح کر دیا گیا تھا' اس کے سوا کوئی راہ ہے ہی نہیں کہ وہ اللہ اور رسولؐ کی ہر پکار پر فوراً لبیک کہیں اور نہ کسی تعلقِ دُنیوی کو راستے میں حائل ہونے دیں نہ کسی خوف یا خطرے یا اندیشے کو' اور اگر کوئی انہیں خطرات سے ڈرائے تو ان کا جواب یہ ہو کہ:

''کہہ دو ہم پر کوئی چیز وارد نہیں ہو سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔ کہہ دو کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں کے سوا آخر اور کس چیز کی توقع کر سکتے ہو؟ (یعنی ہم سب شہید ہو جائیں تب بھی ہمارے نزدیک تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے اور اگر کامیاب لوٹ آئیں تو اسے تو تم بھی کامیابی قرار دو گے!)'' (التوبۃ: ۵۱'۵۲)

یہ اس لیے کہ بفحوائے الفاظِ آیت ۱۱۱:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے جملہ اموال (پہلے ہی) جنت

کے عوض خرید کر چکا ہے۔''

گویا ایک مؤمنِ صادق تو منتظر ہوتا ہے کہ اب جو یہ جان و مال اللہ کی امانت کے طور پر اس کے پاس ہیں' کب اللہ انہیں وصول فرما لے اور وہ امانت کے اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائے —— رہے کسی سبب سے وقتی طور پر ضُعفِ ایمان میں مبتلا ہو جانے والے لوگ تو تین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی سرگزشت کے ذریعے واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگوں سے جب کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو وہ جھوٹے بہانے نہیں بناتے' بلکہ اپنا قصور تسلیم کر لیتے ہیں اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں' چنانچہ اللہ بھی انہیں توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور بالآخر اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ہے معاملہ منافقین کا۔ یہ اپنی کوتاہیوں پر جھوٹے بہانوں' حتیٰ کہ جھوٹی قسموں کا پردہ ڈالتے ہیں اور رفتہ رفتہ انہیں وہ لوگ بُرے لگنے لگتے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کے غلبے کے لیے جان و مال کی بازیاں کھیل رہے ہوں۔ اس لیے کہ اس طرح اُن کی بے عملی اور بزدلی مزید نمایاں ہوتی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ انہیں اسلام و ایمان اور مسلمینِ قائمین اور مؤمنینِ صادقین سے دشمنی اور عداوت ہو جاتی ہے' اور تب اُن کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور ان کی محرومی اور بدبختی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اُن کے حق میں نبی کا استغفار بھی مفید نہیں رہتا' بفحوائے الفاظ قرآنی:

> ''(اے نبیؐ!) آپ خواہ ان کے لیے استغفار کریں خواہ نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستّر بار استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا' یہ اس لیے کہ انہوں نے درحقیقت اللہ اور اُس کے رسولؐ دونوں کا کفر کیا ہے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا!'' (آیت ۸۰)

اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

تیسرا گروپ

سورۂ یونس تا سورۃُ النُّور

① سورۂ یونس، سورۂ ھود، سورۂ یوسف

تقریر نمبر ۱۱

سورۂ یونس و سورۂ ھود

قرآن حکیم میں گیارہویں پارے میں سورۂ یونس سے لے کر اٹھارہویں پارے میں سورۃ المؤمنون تک ۱۴ مکّی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں مضامین اور ربط کلام کے اعتبار سے اکثر سورتیں تو جوڑوں کی شکل میں ہیں لیکن بعض بالکل منفرد مزاج کی حامل ہیں، اگرچہ یہ بھی ثانوی اعتبار سے کسی جوڑے ہی کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس طرح بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بڑے گروپ میں تین تین سورتوں پر مشتمل چھوٹے گروپ تشکیل پا گئے ہیں، جن میں مضامین کی بڑی مناسبت و مشابہت پائی جاتی ہے۔

ان میں سے پہلا گروپ سورۂ یونس، سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پر مشتمل ہے، جن میں سے سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں تو بعینہٖ وہی نسبتِ باہمی پائی جاتی ہے جو ہم اس سے قبل سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں دیکھ چکے ہیں۔ البتہ سورۂ یوسف بالکل منفرد سورت ہے، جس میں از اوّل تا آخر صرف ایک نبی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات و واقعات تفصیلاً بیان ہوئے (اس کی ایک ہی اور مثال پورے قرآن میں سورۂ طٰہٰ کی ہے، جس میں اسی طرح از ابتدا تا انتہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کا ذکر ہے)۔

سورۂ یونس اور سورۂ ہود دونوں مکی دَور کے اواخر میں نازل ہوئیں اور غالباً سورۂ ہود' سورۂ یونس سے قبل نازل ہوئی۔ ان دونوں اور بالخصوص سورۂ ہود کے مضامین کا انداز ایسا ہے جیسے عذابِ الٰہی آیا چاہتا ہو اور ہلاکت اور بربادی کے سیلاب کا بند بس ٹوٹنے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ ان سورتوں کے نزول کے زمانے میں آنحضور ﷺ صدمے کے باعث بوڑھے نظر آنے لگے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر آپؐ نے فرمایا بھی کہ: ((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا))(۱) ''مجھے سورۂ ہُود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔''

سورۂ یونس اور سورۂ ہود کے مابین' جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' وہی نسبت ہے جو سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں ہے کہ ایک میں ''تذکیر بآلاء اللّٰہ'' پر زیادہ زور ہے اور دوسری میں ''تذکیر بایّام اللّٰہ'' پر۔ چنانچہ سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں سے صرف دو میں قصص المرسلین کا ذکر ہے اور بقیہ پوری سورت میں آفاق و اَنفُس کے دلائل اور فطرت کی بدیہی شہادتوں سے توحید' مَعاد اور رسالت کو مُبرہن کیا گیا ہے' جبکہ سورۂ ہود کے دس رکوعوں میں سے سات میں رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں پر عذاب کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں' اور صرف تین رکوعوں میں اصولی مباحث وارد ہوئے ہیں۔ جن رسولوں کا ذکر اِن دونوں سورتوں میں ہوا یہ وہی چھ'' اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ'' ہیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف میں آ چکا ہے' یعنی حضراتِ نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب و موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ان کے علاوہ صرف ایک رسول یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر سورۂ یونس میں مزید آیا ہے' لیکن وہ بالکل ضمنی طور پر —— پھر سورۂ یونس اور سورۂ ہود کے مابین یہ عکسی ترتیب بھی بڑی دلچسپ ہے کہ سورۂ یونس میں ان چھ رسولوں میں سے آخری یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہایت مفصل ہوا اور پہلے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا مجملاً —— اور بقیہ چار کے صرف مجموعی ذکر پر اکتفا کیا گیا' جب کہ سورۂ ہُود

(۱) مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الرقاق' باب البکاء والخوف' الفصل الثانی' بحوالہ الترمذی۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ۲/۶۴۱ و ۶۴۲۔

میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت مفصل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نہایت مجمل' اور بقیہ چار کے ذکر کے لیے بھی پورا پورا ایک رکوع وقف کیا گیا۔

اولوالعزم رسولوں کے اس ذکر کی اصل اور نمایاں غرض تو ظاہر ہے کہ مشرکینِ عرب بالخصوص قریشِ مکّہ کو اِنذار یعنی خبردار کرنا ہے کہ جس طرح تمہارے پاس ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اسی طرح ہم نے تمہارے ملک اور اس کے اطراف و جوانب میں سابق اقوام کے پاس بھی اپنے رسول علیہم السلام بھیجے تھے' اور جس طرح تم ان کا انکار کر رہے ہو اور بجائے ایمان کے کفر و اعراض کی روش اختیار کر رہے ہو اسی طرح انہوں نے کیا تھا۔ تو تم جانتے ہی ہو کہ ان کو ہم نے کیسے نیست و نابود اور نسیاً منسیاً کر دیا ——— تو اب خود غور کر لو کہ تم اپنے آپ کو کس انجام کا مستحق بنا رہے ہو!

دوسرا اہم پہلو اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کے لیے تبشیر کا ہے کہ جس طرح سابقہ رسولوں اور ان کے ساتھیوں پر مصائب آئے اور اُن کا استہزاء بھی کیا گیا اور اُن پر تشدّد بھی کیا گیا' لیکن بالآخر کامیاب وہی ہوئے اور اللہ کی تائید و نصرت ان کے شامل حال ہوئی' اسی طرح بالآخر کامیاب تم ہی رہو گے۔ البتہ اہلِ ایمان کے صبر و ثبات اور عزم و ہمّت کا امتحان اللہ ضرور لیا کرتا ہے۔ اس کے لیے تمہیں بھی تیار رہنا چاہیے۔ چنانچہ سورۂ یونس کا اختتام ہوا ان الفاظ پر کہ:

﴿وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾﴾

''اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر فرما دے' اور اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اور سورۂ ہود کے آخر میں پہلے آیت ۱۱۵ میں فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾﴾

''اور صبر کرو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

اور پھر آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳ میں فرمایا:

''اور اِن رسولوں کی تمام سرگزشتیں ہم تمہیں اس لیے سنا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے (اے نبیؐ!) ہم تمہارے دل کو تقویت دیں' چنانچہ ان میں تمہارے لیے

بھی حق الیقین مضمر ہے اور اہلِ ایمان کے لیے بھی نصیحت اور یاد دہانی۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ تم اپنی سی کیے جاؤ' ہم بھی پورا زور صرف کریں گے' پھر نتیجے کا انتظار تم بھی کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کا غیب تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور اسی کی طرف تمام امور فیصلے کے لیے لوٹتے ہیں۔ پس اسی کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا ربّ اس سے بے خبر ہرگز نہیں ہے!''

سورۂ یونس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان حضرت یونسؑ کی طرح جلدی میں کوئی اقدام کر بیٹھیں تو اس کا فائدہ تمام تر کفار کو ہوگا' جیسا کہ حضرت یونسؑ کی قوم کو ہوا کہ ان پر آیا ہوا عذاب ٹل گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مسلمان اللہ کی طرف سے کسی تادیبی سلوک کے مستحق ٹھہریں۔ جیسا کہ معاملہ ہوا تھا حضرت یونسؑ کے ساتھ! پس مسلمانوں کو کفار کی تعذیب و ایذاء پر صبر کرتے ہوئے اپنی دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھنا چاہیے اور فیصلہ تمام تر اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے!

ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی توحید' معاد اور رسالت میں سے ان دونوں سورتوں میں اصل زور رسالت کے اِثبات اور بالخصوص آنحضور ﷺ کی نبوت کے ثبوت کے طور پر قرآن مجید کے اعجاز پر دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں سورتوں کا آغاز قرآن حکیم کے ذکر ہی سے ہوتا ہے۔ سورۂ یونس میں اختصار کے ساتھ کہ:

﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱﴾

''ال ر۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔''

پھر سورۂ ہود میں کہ:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱﴾

''ال ر۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں اور پھر ان کی تفصیل کی گئی اس ہستی کی جانب سے جو کمال حکمت کی حامل اور ہر چیز سے باخبر ہے!''

مزید برآں دونوں سورتوں میں قرآن مجید کے ضمن میں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم اس کے بارے میں شک کرتے ہو کہ یہ محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے تو ذرا تم بھی طبع

آزمائی کر دیکھو اور تمام خطیبوں، شاعروں اور ادیبوں کو جمع کر کے کوشش کرو کہ اس جیسی دس بلکہ ایک ہی سورت تصنیف کر سکو، چنانچہ سورۂ ہود میں فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴﴾

''کیا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اسے تم نے خود گھڑ لیا ہے؟ تو کہہ دو کہ لاؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی اور اللہ کے سوا جسے چاہو مدد کے لیے بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر وہ تمہارا یہ چیلنج قبول نہ کریں تو یقین کرنا چاہیے کہ یہ اللہ کے علم ہی سے نازل ہوا ہے، اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اب بھی اسلام لاتے ہو یا نہیں؟''

اور سورۂ یونس میں اس چیلنج کو آخری منطقی حد تک پہنچا دیا کہ:

﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آیت ۳۷)

''اور یہ قرآن ہرگز ایسی کتاب نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور اسے تصنیف کر سکے۔''

اور یہ کہ:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸﴾

''کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ پیغمبر نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکو بلا لو اور سب مل کر اس جیسی ایک ہی سورت پیش کر کے دکھا دو!''

اس کے علاوہ دونوں ہی سورتوں میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ کفار و مشرکین نے تھک ہار کر مصالحت کی غرض سے یہ تجویز پیش کی کہ اس قرآن میں قدرے ترمیم کر دو تو ہم تسلیم کر لیں گے، اس خیال سے کہ بالفرض کسی امن پسند اور صلح جو شخص کے دل میں ان کے اس دامِ ہم رنگِ زمیں کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو جائے۔ سورۂ ہود میں بظاہر آنحضور ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے لیکن اصلاً بطرزِ تعریض کفار کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

''تو شاید کہ تم اپنی جانب کی گئی وحی میں سے کچھ کو ترک کر دو گے اور تمہارا سینہ ان کے اس قول پر بھنچ کر رہ جاتا ہے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ تو جان لو کہ تمہارا کام صرف خبردار کر دینا ہے' باقی ہر چیز کا اصل ذمہ دار اللہ ہے!'' (آیت ۱۲)

اور سورۂ یونس میں فرمایا:

''جب ان کو ہماری آیاتِ بیّنات سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے حضور میں حاضری کا یقین نہیں وہ کہتے ہیں کہ یا تو اس کے علاوہ کوئی اور قرآن پیش کرو یا اس میں ترمیم کرو۔ کہہ دو! میرے لیے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں تغیّر و تبدّل کر سکوں' میں تو خود پابند ہوں اس کا جو میری جانب وحی کیا جاتا ہے۔ اور اگر میں نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی تو خود مجھے بھی اپنے ربّ سے بڑے دن کی سزا کا خوف ہے!'' (آیت ۱۵)

اور یہی ہے وہ بات جو سورۂ یونس کے اختتام پر آنحضور ﷺ سے خطاب کر کے فرمائی گئی کہ:

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ﴾ (آیت ۱۰۹)

''اور اتباع کیے جاؤ اس کا جو تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے اور صبر کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ فرما دے۔''

اور آیات ۵۷' ۵۸ میں یہ بات خطابِ عام کے انداز میں فرمائی گئی کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت' سینوں کے امراض کی شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت آ گئی ہے۔ کہہ دو یہ اللہ کے فضل کا کرشمہ اور اس کی رحمت کا ظہور ہے' تو چاہیے کہ لوگ اس پر شاداں و فرحاں ہوں۔ اس لیے کہ یہ ان سب چیزوں سے بہت بہتر اور قیمتی ہے جنہیں یہ جمع کر رہے ہیں!''

آنحضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور قرآن مجید کے ذکر کے بعد سب سے نمایاں مضمون ان دونوں سورتوں میں انذار کا ہے' جس میں اس مرحلے کی مناسبت سے جس میں یہ نازل ہوئی ہیں' کافی شدت اور غضبناکی کا انداز پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان میں ایک جانب سورۃ الکافرون کا سا اعلان براءت بھی موجود ہے' جیسے سورۂ یونس کی آیت ۴۱ میں فرمایا:

''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ بھی کہہ دیں کہ میرے لیے ہے میرا عمل اور تمہارے لیے ہے تمہاری کمائی' تم بَری ہو میرے اعمال سے اور میں بَری ہوں تمہارے کرتوتوں سے۔''

اور آیت ۱۰۴ میں فرمایا:

''کہہ دو اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو سن رکھو کہ میں ہرگز پوجنے والا نہیں ہوں جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا' بلکہ میں تو اس اللہ کا پوجنے والا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا' اور مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ اس پر ایمان رکھنے والوں میں شامل رہوں!''

اور دوسری طرف عذاب کی بھی شدید دھمکی پائی جاتی ہے' مثلاً سورۂ یونس کی آیات ۴۷ تا ۵۳ میں فرمایا:

''اور ہر اُمّت کے لیے ایک رسول ہوتا ہے' تو جب اُن کا رسول آ جاتا ہے تو ان کا قضیہ انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ ہمارے بارے میں کب پورا ہوگا؟ کہہ دو کہ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے تو خود اپنے نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار حاصل نہیں' سوائے اس کے کہ اللہ ہی جو چاہے (اُس کا فیصلہ صادر ہو جائے)۔ البتہ ہر قوم کے لیے ایک متعیّن وقت ہوتا ہے' تو جب اُن کا وہ متعیّن وقت آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے سرک سکتے ہیں نہ آگے۔ ان مجرموں سے کہو کہ اگر اللہ کا عذاب رات کو آئے یا دن کے وقت' آخر ان کے پاس حفاظت کا وہ کون سا سامان ہے جس کے بھروسے پر عذاب کی جلدی مچائے جا رہے ہیں؟ تو اے لوگو! کیا تم اُس وقت مانو گے جب عذابِ الٰہی آ ہی دھمکے گا؟ (اُس وقت ان سے

کہا جائے گا کہ) اب ماننے سے کیا فائدہ' جبکہ پہلے تم اس کے لیے جلدی مچاتے رہے۔ پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تو بس ہمیشگی عذاب ہی کا مزا چکھو' یہ تمہاری اپنی کمائی ہے جس کا بدلہ تم پا رہے ہو۔ اور یہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی شدنی ہے جو تم کہہ رہے ہو؟ کہہ دو ہاں' میرے ربّ کی قسم! یہ اٹل ہے' اور (جب وہ آئے گا تو) تم اُس کو ہرگز نہ روک سکو گے (اُس کے قابو سے نہ نکل سکو گے)!''

کُفّار و مشرکین کو انذار کے ساتھ ساتھ ان دونوں سورتوں میں اہلِ ایمان کے لیے تبشیر کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس کی دوسری آیت ہی میں جہاں حضور ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ لوگوں کو ان کی بدعملی و بدکرداری کے انجام سے خبردار کر دو' وہاں ساتھ یہ ہدایت بھی ملی کہ اہلِ ایمان کو بشارت دے دو کہ: ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ''کہ ان کے لیے اُن کے ربّ کے پاس بڑا بلند رُتبہ ہے''۔ اور پھر اسی سورت کی آیات ۹'۱۰ میں اس کی تشریح فرما دی:

''یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ اُن کو اُن کے ایمان کی بدولت اُن کی منزلِ مراد تک پہنچا دے گا' یعنی نعمت کے باغوں میں جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور وہاں ان کا ترانہ ہوگا حمدِ باری تعالیٰ پر مشتمل' اور آپس کا دعائیہ کلمہ ہوگا سلام! اور آخری بات ان کی یہی ہوگی کہ ساری تعریف اور تمام شکر اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے''۔

اور آیات ۶۲ تا ۶۴ میں فرمایا کہ:

''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف کا مقام ہے اور نہ رنج کا اندیشہ۔ یعنی ان کے لیے جو ایمان لائے اور تقویٰ پر کاربند رہے۔ ان کے لیے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں' یہی عظیم کامیابی ہے!''

اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل و کرم سے ہمیں بھی اس میں سے حصہ عطا فرمائے!

آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!



تقریر نمبر ۱۲

سورۂ یوسف

سورۂ یوسف جو قرآن مجید میں بارہویں پارے کے ثلثہ سے قبل شروع ہوتی ہے اور تیرھویں پارے کے رُبع کے بعد ختم ہوتی ہے' ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہے' اور اس میں سوائے ابتدائی دو اور آخری دس آیات کے از اوّل تا آخر ایک ہی نبی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس کی کامل مثال تو ایک ہی اور ہے' یعنی سورۂ طٰہٰ' البتہ قریبی مثال ایک اور بھی ہے' یعنی سورۃ القصص۔ اور یہ دونوں اسی طرح کُل کی کُل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہیں' اور عجب اتفاق ہے کہ ان دونوں کا گہرا تعلق بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں یہ مصر میں داخل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اُن کا مصر سے نکلنا ہوا۔

مزید برآں ان دونوں کے حالات میں بھی ایک عجیب مشابہت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے اپنے بھائیوں نے حسد کی بنا پر کنویں میں ڈالا' لیکن اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مصر ایسے متمدّن ملک کے دارالحکومت میں نہایت سربرآوردہ گھرانے میں پہنچا دیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُن کی والدہ نے دشمنوں کے خوف سے اللہ کے اشارے پر دریا میں ڈالا اور انہیں بھی اللہ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔ گویا دونوں کے حالات و واقعات کا اصل ماحصل یہ ہے کہ:

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

یعنی ''اللہ اپنے ارادوں کی تکمیل اور اپنے فیصلوں کی تنفیذ پر پوری طرح قادر ہے' لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔''

اس میں گویا نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے تسلّی اور دل جوئی مضمر ہے کہ اِس وقت سرزمینِ مکّہ میں جن نامساعد حالات کا تمہیں

سامنا ہے اور جس قسم کی تکالیف اور مصائب نے تمہیں گھیر رکھا ہے ان سے دل شکستہ نہ ہوں' اللہ قادر ہے اس پر کہ ظاہری مایوسی کی اس سیاہ رات کا پردہ چاک کر کے اُمید کی صبحِ روشن طلوع فرما دے اور تمہارے دشمنوں کی مخالفانہ تدابیر ہی کو تمہارے حق میں خیر و برکت اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنا دے۔ اس طرح پوری سورۂ یوسف گویا سورۂ ہُود کے آخر میں وارد ہونے والی آیت:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ﴾ (آیت ۱۲۰)

''اور (اے نبیؐ!) یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں' یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔''

کی تشریح و تفصیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے تو آنحضور ﷺ کے مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا ہوگا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کو آپ ﷺ کے تمکّن فی الارض یعنی زمین میں قدم جمانے کا ذریعہ بنا دیا اور کُل دس سال بعد آنحضور ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور بعینہٖ وہی صورت پیش آئی جو لگ بھگ ڈھائی ہزار سال قبل پیش آئی تھی کہ جس طرح برادرانِ یوسفؑ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے شرمندگی اور خجالت کا مجسمہ بنے کھڑے تھے' لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے کمالِ مروّت سے فرمایا تھا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۹۲﴾

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں' اللہ تمہیں معاف کرے' اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

اسی طرح جب قریش کے چھوٹے بڑے بھی آنحضور ﷺ کے سامنے ناکامی اور شکست خوردگی کی تصویر بنے کھڑے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

((فَاِنِّیْ اَقُوْلُ لَكُمْ مَا قَالَ يُوْسُفُ لِاِخْوَتِهٖ : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۡ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ)) (۱)

(۱) یہ روایت کتبِ سیرت میں مختلف حوالوں سے نقل ہوئی ہے۔ علامہ البانیؒ نے ڈاکٹر سعید رمضان البوطی کی کتاب فقہ السیرۃ پر اپنے نقد و تبصرے میں اسے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۱۳۸۱۔

''آج میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا' آج تم پر
نہ کوئی ملامت ہے نہ سرزنش' جاؤ تم سب آزاد ہو!''

الغرض سورۂ یوسف کا اصل سبق یہی ہے کہ بندۂ مؤمن اور داعیٔ حق کو حالات کی نامساعدت و ناموافقت سے ہرگز ہراساں نہیں ہونا چاہیے' اور اسے اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کیے چلے جانا چاہیے۔ رہے نتائج تو انہیں بالکلیہ اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے' وہ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے جب چاہے گا کامیابی کی صورتیں پیدا فرما دے گا۔ ویسے بھی مؤمن کا اصل مطلوب و مقصود آخرت کی سرخروئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات و واقعات کو ''اَحْسَنُ الْقَصَصِ'' سے تعبیر فرمایا ہے' اس لیے مناسب ہے کہ اس موقع پر ان کا ایک خلاصہ بیان کر دیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ اُن کا شجرۂ نسب یہ ہے: یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو تو حجاز میں بیت اللہ کے جوار میں آباد کر دیا تھا' لیکن اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو موجودہ شرقِ اُردن کے علاقے میں آباد کیا تھا۔ چنانچہ وہیں اُن کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام آباد تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیویوں سے بارہ بیٹے تھے' جن میں دس بڑی بیوی سے تھے اور دو چھوٹی سے۔ چھوٹی بیوی سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور دوسرے ان کے حقیقی بھائی بن یامین۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان دونوں سے (غالباً چھوٹے ہونے کی وجہ سے بھی) پیار زیادہ تھا۔ لیکن خصوصاً حضرت یوسف علیہ السلام سے انہیں شدید محبت ان میں رُشد و سعادت اور ہونہاری کے آثار کی بنا پر تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حسنِ ظن کی توثیق حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب سے بھی ہو گئی جس میں انہوں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کے سامنے سربسجود ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا یہ خواب اپنے والد ماجد کو سنایا تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ کی جناب

میں پسندیدگی و برگزیدگی کی بشارت سنانے کے ساتھ ساتھ اس خواب کو بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کر دیا' مبادا وہ حسد کی آگ میں جلنے لگیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی گزند پہنچانے کی کوشش کریں۔ لیکن ان کی اس تمام احتیاط کے باوجود حسد کی چنگاری برادرانِ یوسف علیہ السلام کے دلوں میں بھڑک اُٹھی اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس کانٹے کو راہ سے کیسے ہٹایا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے' لیکن سب سے بڑا جو نسبتاً شریف النفس تھا' مُصر ہوا کہ اس کے بجائے انہیں کسی کنویں میں پھینک دیا جائے۔ اس طرح وہ کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائیں گے جو انہیں کسی اور ملک میں لے جائے گا۔ اس طرح بھائی کی جان بھی نہ جائے گی اور راستے کا کانٹا بھی ہٹ جائے گا۔ چنانچہ اسی کے مطابق انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ یوسفؑ کو اُن کے ساتھ شکار پر بھیج دیں تاکہ وہ بھی کچھ کھیل کود لیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو پس و پیش سے کام لیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کی جانب سے غافل ہو جاؤ اور اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ ڈالے۔ لیکن پھر ان کے اصرار پر اجازت دے دی۔ انہوں نے اپنی قرارداد کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو تو کنویں میں پھینک دیا اور ان کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے اور والد کی خدمت میں وہی کہانی گھڑ کر پیش کر دی جس کا اندیشہ خود انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے ان کی اس بات کو تو نہ مانا تاہم صبر کی روش اختیار کر لی۔

اغلب گمان یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش ۱۹۰۶ قبل مسیح میں ہوئی اور ۱۸۹۰ قبل مسیح میں جب آنجنابؑ کی عمر کا سترھواں سال تھا' کنویں میں پھینکے جانے کا یہ واقعہ پیش آیا جس میں وہ تین دن رات رہے۔ واضح رہے کہ یہی مدت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں بسر کی تھی۔ بہرحال تین دن کے بعد ایک قافلے کا گزر اُدھر سے ہوا اور ان کے سقّے نے کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نکل آئے۔ قافلے والوں نے انہیں فروختنی مال سمجھ کر چھپا لیا۔ وہ مصر جا رہے تھے' وہاں پہنچتے ہی انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جلدی سے اونے پونے بیچ ڈالا' مبادا ان کا کوئی

دعوے دار پہنچ جائے اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔ مصر میں غلاموں کی منڈی سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا حکومتِ مصر کا ایک بڑا عہدیدار تھا۔ اُس نے انہیں اپنی بیوی کے حوالے کیا اور تاکید بھی کر دی کہ اسے اچھی طرح رکھو ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو' بلکہ کیا عجب کہ اسے اپنا متبنیٰ ہی بنالیں! اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی وقت کی سب سے متمدن مملکت کے ایک بڑے عہدیدار کے گھر میں پرورش کا سامان کر دیا اور خود اُن کے مسندِ اقتدار تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دی۔ سورۂ یوسف میں اس مقام پر وارد ہوئے ہیں وہ الفاظ جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے' یعنی:

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

''اور اللہ اپنے فیصلوں کی تنفیذ پر پوری طرح قادر ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انہیں علم و حکمت سے نوازا اور نبوّت سے سرفراز فرمایا اور دوسری جانب مردانہ حسن و وجاہت کا کامل مرقع بنا دیا' اور یہی چیز اُن کے لیے ایک نئی اور زیادہ مشکل آزمائش کا سبب بن گئی۔ عزیزِ مصر کے یہاں اندازاً چھ سال رہنے کے بعد وہ واقعہ پیش آیا کہ اس کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے صاف ٹھکرا دیا۔ وہ بدنصیب عورت اس چوٹ سے مزید بپھر گئی اور تریاہٹ کے انداز میں اس پر تُل گئی کہ یا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پسندیدہ راستے پر چلیں ورنہ وہ انہیں سخت سزا دلوائے گی یا قید خانے میں ڈلوا دے گی۔ اس مرحلے پر حضرت یوسف علیہ السلام نے خود بارگاہِ ربّانی میں دعا کی کہ:

''اے ربّ! جس چیز کی یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں اس کی نسبت قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے' اور اگر تو نے ہی ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو کوئی عجب نہیں کہ میں ان کی جانب مائل اور جذبات کی رو میں بہہ جانے والوں میں سے ہو جاؤں۔'' (آیت ۳۳)

اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں ڈال دیے گئے۔

قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا' اور جب لوگ ان کی شرافت سے متأثر اور خصوصاً ان کی خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت کی بنا پر ان کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ انہیں توحید کی دعوت دیتے کہ:

''اے میرے زنداں کے ساتھیو! (تم خود ہی سوچو کہ) کیا الگ الگ بہت سے ربّ بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر غالب و قاہر ہے؟ تم لوگ اسے چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو اُن کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اَجداد نے رکھ چھوڑے ہیں' اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری۔ اختیار و اقتدار سب اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے!'' (آیات ۳۹'۴۰)

زنداں کے ساتھیوں میں سے ایک کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے خواب کی تعبیر کے ضمن میں بتایا کہ وہ جلد رہا ہو جائے گا اور شاہِ مصر کی ساقی گری پر مامور ہو گا۔

تاریخی اعتبار سے یہ جاننا مفید ہے کہ اُس وقت مصر پر فراعنہ کا پانچواں خاندان حکمران تھا جنہیں چرواہے بادشاہ یا Hyksos Kings کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اغلباً عربی النسل تھے اور چونکہ خود مصر سے باہر سے آئے ہوئے تھے اس لیے ان کے دلوں میں باہر سے آنے والوں کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا' اور غالباً یہی سبب ہے جس کی بنا پر بعد میں انہوں نے بنی اسرائیل کی حد درجہ پذیرائی کی۔ بہرحال ہوا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں لگ بھگ سات سال ہو گئے تھے کہ ایک رات شاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر اُس کے درباریوں میں سے کوئی نہ بتا سکا تو اچانک اس کے ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے اور وہ بادشاہ کی اجازت سے قید خانے میں ان کے پاس حاضر ہوا اور اُن سے خواب کی تعبیر دریافت کر کے آیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ خواب کی تعبیر بتائی بلکہ مصر پر جو مصیبت آنے والی تھی اُس سے بچاؤ کی تدبیر بھی بتا دی۔ بادشاہ اس سے بے حد متأثر ہوا اور اس نے

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے نکال کر نہ صرف یہ کہ اپنے خاص مصاحبین میں شامل کر لیا' بلکہ حکومتِ مصر میں کسی نہایت اعلیٰ عہدے پر مقرر کر کے پیش آنے والی مصیبت سے نبٹنے کے لیے کُلّی اختیارات اُن کے حوالے کر دیے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اُس عہدے پر فائز ہوئے اُس وقت ان کی عمر تیس برس تھی اور پورے اسّی سال وہ اس منصب پر فائز رہے۔

جس مصیبت کی خبر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر کے ضمن میں دی تھی وہ ایک خوفناک قحط تھا جس نے نہ صرف مصر بلکہ اطراف و جوانب کے ملکوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے لیے غلّے کا جو ذخیرہ کر لیا تھا اُس سے دُور دُور تک کے لوگوں کی جان بچانے کی صورت پیدا ہو گئی' اور یہی تقریب ہوئی برادرانِ یوسفؑ کے مصر حاضر ہونے کی۔ وہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے تو آنجنابؑ نے تو انہیں پہچان لیا' لیکن اُن کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ جس بھائی کو انہوں نے پندرہ بیس سال قبل کنویں میں پھینکا تھا وہی آج عزیزِ مصر کی صورت میں اُن کے سامنے موجود ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر رحم کھایا اور انہیں غلّہ وغیرہ دیا' لیکن اپنے آپ کو اُن پر ظاہر نہ کیا' بلکہ اصرار کر کے اپنے بھائی بن یامین کو بھی مصر بلا لیا اور ایک ایسی تدبیر سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے پیدا کی' اُسے اپنے پاس روک لیا۔ یہ صورت حال جاری رہی' تا آنکہ وہ وقت بھی آیا جب برادرانِ یوسفؑ کے پاس غلّہ خریدنے کے لیے پھوٹی کوڑی تک نہ رہی اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے غلے کی بھیگ مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ بھائیوں کا یہ حال حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا بلکہ حکم دیا کہ والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سمیت پورے خاندان کو لے کر مصر آ جاؤ اور یہیں سکونت اختیار کر لو! اور اس طرح اسرائیل و بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے تمام بیٹے اپنے اہل و عیال سمیت مصر منتقل ہو گئے' جہاں بادشاہِ وقت نے اُن کی خوب پذیرائی کی۔ مصر کے زرخیز ترین علاقے میں اُنہیں آباد کیا' اور چونکہ بادشاہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا عقیدت مند تھا' لہٰذا انہیں مصر میں گویا پیرزادوں کی سی عزّت وحیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک عرصے کے بعد جب مصر میں ایک قومی انقلاب آیا اور Hyksos Kings کا خاتمہ ہوگیا تو بنی اسرائیل پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس سے ایک مدّت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے نجات دی۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ابتلاء کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء اور صبر کا ذکر بھی نہایت سبق آموز طریق پر آیا ہے۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے عشق کی حد تک محبت تھی' اور انہیں اللہ کی طرف سے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ بقیدِ حیات ہیں۔ چنانچہ ہجر و فراق کا غم انہیں اندر ہی اندر کھاتا رہا' یہاں تک کہ جوشِ گریہ سے ان کی بینائی جاتی رہی' تاہم زبان سے ہر موقع پر ایک ہی جملہ ادا ہوا' یعنی:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸﴾

''پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔''

اور: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ﴾ (آیت ۸۳)

''پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ لے آئے میرے پاس اُن سب کو''۔

یعنی ہر حال میں صبر ہی اہل ایمان کے لیے صحیح لائحہ عمل ہے۔ اور جب گھر والوں نے حد سے زیادہ رنج و غم پر اُنہیں ٹوکا تو انہوں نے فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (آیت ۸۶)

''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ اپنے اللہ ہی سے کرتا ہوں!''

چنانچہ یہی صورت ہمیں سیرتِ نبی اُمّی ﷺ میں نظر آتی ہے کہ جب آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اور آپؐ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور بعض لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''آنکھیں یقیناً اشکبار ہیں اور دل غم زدہ ہے' لیکن ہماری زبان پر اس کے سوا کچھ نہیں آئے گا کہ جس چیز میں اللہ راضی ہے ہم بھی اُسی پر راضی ہیں۔ اور اے

ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر غم زدہ ہیں۔''(۱)

اور جب طائف میں آنحضور ﷺ پر پتھروں کی بارش ہوئی اور آپ ﷺ کا جسمِ مبارک لہولہان ہوگیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ استہزاء اور تمسخر کی حد ہوگئی تو وہاں سے واپسی پر جو دلوں کو دہلا دینے والی دُعا آپؐ نے مانگی' اُس کا آغاز اِن الفاظ سے ہوا کہ:

((اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ))(۲)

''اے اللہ! تیری ہی جناب میں شکوہ کرتا ہوں اپنی قوت کی کمی اور وسائل کے فقدان اور لوگوں کے سامنے رسوائی کا۔''

الغرض سورۂ یوسف میں جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کی صورت میں ایک صابر و شاکر اور باہمّت و باعفّت نوجوان اور ایک اولوالعزم داعیٔ حق اور مبلّغِ توحید اور ایک صالح اور مدبّر و منتظم حکمران کا کردار سامنے آتا ہے وہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شخصیت کی صورت میں ایک حد درجہ رقیق القلب اور صاحبِ قلبِ محزون درویش کا کردار بھی سامنے آتا ہے جو اپنے غم واندوہ کو اندر ہی اندر پیتا ہے' اور اگر کوئی شکایت کرتا بھی ہے تو صرف اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں یہ سب اوصاف بیک وقت جمع تھے۔ بالکل صحیح کہا جس نے کہا: ؎

حسنِ یوسفؑ ' دَمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

سورۂ یوسف کے آغاز و اختتام پر بھی قرآن کے ایک کتابِ مبین اور منزّل من اللہ ہونے کا بیان ہے' بلکہ آخری آیت میں تو خود قصۂ یوسف کو جو سورۂ یوسف میں بیان ہوا' قرآن کے وحیٔ الٰہی ہونے کی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس لیے کہ ڈھائی ہزار سال قبل کے حالات و واقعات اس قدر صحّت و وضاحت کے ساتھ عرب کا ایک اُمّی (ﷺ) کیسے بیان کرسکتا تھا:

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ انا بك لمحزونون- وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمة الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذلك۔

(۲) سیرت ابن ھشام' بحواله تاریخ الطبری ۲/۳٤٥۔

﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۱۱۱﴾﴾

''یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں' بلکہ تصدیق ہے اس کی جو پہلے سے موجود ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی' اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔''

''مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى'' کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سورۂ مبارکہ کا ایک ربط و تعلق ہے سورۂ یونس اور سورۂ ہود دونوں سے' اس لیے کہ ان دونوں سورتوں میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ گویا ان تینوں سورتوں میں اصل نسبتِ زوجیت تو ہے سورۂ یونس اور سورۂ ہود کے مابین اور سورۂ یوسف ان دونوں کے ساتھ بطورِ ضمیمہ منسلک ہے۔ چنانچہ توحید' معاد' رسالت اور رسولوں کی قوموں پر ان کی دعوت سے اعراض و انکار کی پاداش میں عذابِ الٰہی کے ان مضامین کا ایک خلاصہ بھی اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے جو نہایت شرح و بسط کے ساتھ سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں بیان ہوئے اور اس ضمن میں دو آیتیں نہایت اہم وارد ہوئی ہیں۔ ایک وہ جس میں شرک کی ہمہ گیری کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اکثر لوگ اللہ کو نہیں مانتے مگر کسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ' اور دوسری میں آنحضور ﷺ سے کہلوایا گیا کہ:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۱۰۸﴾﴾

''کہہ دو' یہ میری راہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ' میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ اللہ پاک ہے' اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

② سورۃ الرّعد' سورۂ ابراھیم' سورۃ الحِجر

تقریر نمبر ۱۳

سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم علی الترتیب چھ رکوعوں اور ۴۳ آیات اور سات رکوعوں اور ۵۲ آیات پر مشتمل ہیں اور انداز و اسلوب اور مضمون و موضوع ہر اعتبار سے مکّی دور کے اواخر میں نازل ہونے والی سورتوں کے مشابہ ہیں' جبکہ سورۃ الحجر کے چھ رکوع ۹۹ آیات پر مشتمل ہیں۔ گویا اس میں آیات نسبتاً چھوٹی ہیں' مزید برآں اس کا اسٹائل بھی مکّی دور کے اوائل میں نازل ہونے والی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور اس کے مضامین بھی' خصوصاً آغاز و اختتام پر' وہی ہیں جو ابتدائی مکّی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

سورۃ الرّعد

سورۃ الرعد میں قصص الانبیاء یا انباء الرسل کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور پوری سورت جو ایک مسلسل اور مربوط خطبہ نظر آتی ہے' توحید' مَعاد اور رسالت کے اساسی مباحث پر مشتمل ہے' اور ان میں سے بھی زیادہ زور ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت پر ہے۔ اگرچہ آفاق و انفس کے جن شواہد سے قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت پر استدلال کیا گیا ہے' ان سے ضمنی طور پر توحید کا اثبات بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔

پہلی آیت میں قرآن مجید کی حقّانیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

''الٓمٓرٰ۔ یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں۔ اور (اے نبیؐ!) جو کچھ آپ کے ربّ کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سرتاسر حق ہے' لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔''

اس کے بعد تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے شواہد کی جانب توجہ دلا کر آیت ۵ میں بڑے دلنشین پیرائے میں فرمایا:

''اور اگر تعجب کرنا ہی چاہو تو قابلِ تعجب ہے (ان منکرینِ قیامت) کا یہ قول کہ کیا جب ہم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر از سرِ نو زندہ کر دیے جائیں گے؟ یہ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کا کفر کیا ہے' اور اُن کی گردنوں میں طوق ہیں'
اور یہ جہنم والے ہیں' جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے!''

حاصلِ کلام یہ کہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانے یا اُس کی قدرتِ مطلقہ پر یقین نہ رکھتا ہو اُس کی بات دوسری ہے' لیکن جو اللہ کو بھی مانتا ہو اور اس کے ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ہونے پر بھی یقین رکھتا ہو' پھر بھی بعث بعد الموت کے بارے میں استعجاب یا استبعاد کا اظہار کرے تو اس کی حالت واقعتاً قابلِ تعجب ہے۔ اور جو کوئی یہ کرتا ہے وہ گویا اپنے ربّ اور اُس کی صفاتِ کاملہ کا انکار کرتا ہے۔

اس کے بعد پھر اللہ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کامل کا بیان ہے' اور پھر آیت ۱۱ میں عمرانیاتِ انسانی کا وہ زرّین اور اٹل اُصول بیان ہوا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾

جس کا سرسری مفہوم تو وہ ہے جو اس مشہور شعر میں بیان ہوا کہ ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

لیکن اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے خارج کے احوال ان کے باطن کی کیفیات کے تابع ہیں' اور اگر کسی قوم کے لوگ اپنی شخصیتوں کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کے خارجی حالات میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال مرحوم نے قرآن حکیم کی تأثیر کا یہی نقشہ کھینچا ہے کہ یہ انسانوں کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے جس سے ان کے اندر کی دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور یہی باطنی انقلاب ہے جو تمہید بنتا ہے خارجی و ظاہری حتیٰ کہ عالمی انقلاب کی۔ ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

عمرانیاتِ انسانیہ کا ایک دوسرا اہم اُصول آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے کہ جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب بارش ہوتی ہے اور پہاڑی علاقوں میں وادیاں ندیوں کی صورت

اختیار کر لیتی ہیں تو پانی کے اُوپر بہت سا جھاڑ جھنکاڑ اور جھاگ نظر آتا ہے' حالانکہ اس کی حقیقت کوئی نہیں ہوتی' اصلاً مفید تو وہ پانی ہے جو اُس کے نیچے بہہ رہا ہے' خواہ وہ نظر نہ آ رہا ہو۔ اسی طرح جب سنار سونے یا چاندی کو صاف کرنے کے لیے کُٹھالی میں تپاتا ہے تو اس میں بھی بہت سا جھاگ اُٹھتا ہے جس میں سوائے میل کے کچھ نہیں ہوتا' بالکل اسی طرح اس عالم انسانی میں بھی حق و باطل کے مابین ایک مسلسل تصادم اور ٹکراؤ جاری رہتا ہے' جس سے کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ گویا باطل غالب آ گیا اور چہار طرف اس کا ڈنکا بجنے لگا' لیکن حقیقت میں یہ بھی بس جھاگ ہی کے مانند ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زمین میں قرار وہی چیز پکڑتی ہے جو واقعتاً مفید و نافع ہو' اور یہ معاملہ ظاہر ہے کہ صرف حق کا ہوتا ہے' لہٰذا بالآخر حق ہی کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔

سورۃ الرّعد کا تیسرا رکوع سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع سے بڑی گہری مشابہت رکھتا ہے اور یہ الفاظ تو جوں کے توں بغیر کسی ایک شوشے کے فرق کے آئے ہیں کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (آیت ۲۵)

''اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد' اور کاٹتے ہیں اُسے جسے اللہ نے حکم دیا ہے جوڑنے کا' اور فساد مچاتے ہیں زمین میں۔''

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی انسانی اجتماعیات کا یہ اہم اُصول بیان ہوا ہے کہ معاملاتِ انسانی کے سارے بگاڑ کی جڑ اور بنیاد دو چیزیں ہیں' ایک اللہ کے ساتھ جو عہدِ اَلست انسان نے کیا تھا اس کو نظر انداز کر کے اپنی من مانی کرنے پر اُتر آنا اور دوسرے رحمی رشتوں کو جوڑنے کے بجائے کاٹنے پر آمادہ ہو جانا! پہلی چیز سے اللہ کے ساتھ تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری سے حقوق العباد کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے ساتھ اس اہم مشابہت سے یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ سورت ہجرت سے متصلاً قبل ہی کے زمانے میں نازل ہوئی ہوگی!

سورت کے آخر میں زیادہ زور نبوّت و رسالت کے موضوع پر ہے۔ چنانچہ آخری آیت میں فرمایا گیا:

''اور یہ کافر کہتے ہیں تم ہرگز رسول نہیں ہو' کہہ دو کہ میرے اور تمہارے مابین اصل گواہ تو اللہ ہی ہے۔ البتہ جن کے پاس کتاب کا کچھ علم ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ بھی جانتے ہیں (کہ میں رسول ہوں!)''

اور اس سے پہلے بظاہر آنحضور ﷺ کو خطاب فرمایا گیا ہے' اگرچہ رُوئے سخن تمام تر کفّار کی جانب ہے۔ گویا اُن سے کہا جا رہا ہو کہ: رہا تمہارا یہ اعتراض کہ یہ تو عام انسانوں کے مانند ہیں اور اُن کی بیوی بھی ہے اور اولاد بھی' تو اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو کہ ہم نے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب انسان ہی تھے اور اہل و عیال والے تھے۔ رہا تمہارا یہ مطالبہ کہ وہ کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے تو یہ معاملہ ان کے اختیار میں ہے ہی نہیں' اس کا سارا دارومدار ہم پر ہے۔ باقی اگر تمہاری آنکھوں پر پردے نہیں پڑ گئے ہیں تو دیکھ لو کہ ہمارے نبیؐ کی دعوت اطراف و اکنافِ عرب میں پھیل رہی ہے۔ گویا یہ دعوت تمہارے چاروں طرف سے گھیرا تنگ کرتی ہوئی بڑھی چلی آ رہی ہے۔ اگر اب بھی آنکھیں نہ کھولو گے تو بہرحال اللہ کا فیصلہ تو اٹل ہے' حق کا تو بول بالا ہو کر ہی رہے گا۔ البتہ تم اپنی محرومی و بدبختی پر اللہ کی جانب سے آخری مہرِ تصدیق ثبت کرا لو گے۔

سورۂ ابراھیم

سورۂ ابراہیم کا آغاز بھی قرآن مجید ہی کے ذکر سے ہوا کہ:

﴿الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ﴾

''ال ر۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے (اے نبیؐ!) آپ پر اس لیے نازل کی کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی میں لائیں!''

اس کے بعد رسولوں اور ان کی قوموں کا ذکر ہوا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدرے تفصیل سے اور حضراتِ نوح' ہود اور صالح علیہم السلام کا اجمالاً۔ اور اس میں نقشہ کھینچ دیا گیا کہ ان سب کی دعوت بھی وہی تھی جو آج نبی اکرم ﷺ پیش فرما رہے ہیں اور ان کی قوموں نے بھی اُسی

طرح کے بے بنیاد اعتراضات کیے تھے جیسے آج قریشِ مکّہ خصوصاً اُن کے سردار کر رہے ہیں' اور انہوں نے بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی تھی جس طرح آنحضور ﷺ اور ان کے جاں نثاروں پر مکّہ کی سرزمین تنگ کر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں آخری بات جواز خود ظاہر تھی' بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ جس طرح اُن پر اللہ کے عذاب آئے اسی طرح تم بھی عذابِ الٰہی کے لیے تیار رہو۔ پھر گویا قریش کے عوام کو خطاب کر کے فرمایا گیا: آج تو تم اپنے سرداروں کے کہنے میں آ کر ہمارے نبی کی تکذیب کر رہے ہو اور ان کو ستانے سے بھی باز نہیں آتے' لیکن قیامت کے دن نہ تمہارے یہ سردار تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ وہ شیطانِ لعین تمہارا ساتھ دے گا جو تمہارا اور تمہارے سرداروں اور پیشواؤں سب کا گُرو ہے۔ چنانچہ آیات ۲۱' ۲۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا:

''اور پھر سب کے سب پیش ہوں گے اللہ کے سامنے' تو کمزور (اور پس ماندہ) لوگ کہیں گے بڑائی والوں سے (اپنے سرداروں اور چوہدریوں سے): ہم تو تمہاری ہی پیروی کرتے رہے تو کیا اب تم لوگ ہمیں کسی قدر اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہو (اس میں کچھ کمی بھی کرا سکتے ہو یا نہیں)؟ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تم کو سیدھی راہ دکھا دیتے' اب ہمارے لیے برابر ہے ہم صبر کریں یا فریاد' بہر حال بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں! اور جب سارا معاملہ چُک جائے گا تو شیطان کہے گا: یقیناً اللہ نے بھی تم سے ایک وعدہ کیا تھا جو سراسر حق تھا (اور اُس نے اُسے پورا کر دیا ہے) اور میں نے بھی کچھ وعدے تم سے کیے تھے جو میں نے تم سے پورے نہیں کیے' لیکن مجھے تم پر کوئی زور حاصل نہیں تھا' سوائے اس کے کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے میری دعوت قبول کر لی' تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو!''

اپنے نام کی مناسبت سے اس سورۂ مبارکہ کا ایک پورا رکوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے' اور انداز اس قدر دلنشیں ہے کہ آنجنابؑ کی ایک دعا میں شرک سے

بیزاری اور توحید کا اقرار و اعلان بھی آ گیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے جوار میں اپنی نسل کی ایک شاخ کو آباد کرنے کا مقصد بھی بیان ہو گیا۔ بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام ایسے بیٹے عطا ہونے پر ہدیۂ تشکر و امتنان بھی آ گیا' اور ذُرّیتِ اسمٰعیل کے لیے دُعائے خیر بھی آ گئی' اور اپنے اور اپنے والدین اور کُل اہلِ ایمان کے لیے دُعائے مغفرت بھی آ گئی۔

سورت کے آخر میں کفار و مشرکین' بالخصوص قریشِ مکّہ اور ان کے سرداروں کو متنبّہ کر دیا گیا کہ ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ زبردست بھی ہے اور انتقام لینے والا بھی۔ اور یہ تنبیہہ ہے لوگوں کے لیے تاکہ خبردار ہو جائیں اور جان لیں کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے' اور ہوش مند لوگ یاددہانی حاصل کر لیں۔ ہمارے سابق انبیاء و رُسلؑ کی قوموں نے بھی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا اور بڑی ڈھٹائی اور جسارت کے ساتھ ہم سے فیصلہ صادر کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔ تو اپنے بارے میں اب تم خود سوچ لو۔

سورۃ الحِجر

سورۃ الحجر کا آغاز بھی قرآن حکیم ہی کے ذکر سے ہوا کہ:

﴿الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''ال ر۔ یہ کتابِ الٰہی اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں!''

اور اُس کے فوراً بعد بڑے تیکھے انداز میں فرمایا گیا کہ اِس وقت تو یہ کفار و مُعاندین طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں اور ہمارے نبیؐ پر فقرے کس رہے ہیں' حتیٰ کہ انہیں مجنون اور دیوانہ کہنے سے بھی گریز نہیں کر رہے' لیکن ایک وقت آئے گا کہ:

''جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے) انکار کر دیا ہے وہ تمنا کریں گے (اور کفِ افسوس مل کر کہیں گے) کہ کاش ہم سرِ تسلیم خم کر دیتے (دنیا میں ایمان لے آتے اور اطاعت قبول کر لیتے)۔ تو (اے نبیؐ!) آپ انہیں ذرا چھوڑیے (اُن کی پرواہ نہ کیجیے) یہ ذرا کھا پی لیں اور مزے کر لیں اور بھلاوے میں ڈالے

رکھے ان کو جھوٹی اُمید۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا''۔ (آیات ۲'۳)

اس کے بعد آنحضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے فرمایا گیا:

''اور ہم نے آپؐ سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں اپنے رسول بھیجے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے پاس کوئی رسول آیا ہو اور انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو (آپ کی طرح اُن سب کا مذاق اڑایا گیا)۔ مجرموں کے دلوں میں تو ہم اس ذکر کو اسی طرح (سلاخ کے مانند) گزارتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان نہیں لایا کرتے' قدیم سے اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ (یعنی اب یہ لوگ بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ رہا ان کا یہ مطالبہ کہ ہمیں کوئی صریح اور محسوس معجزہ دکھا دو تو ہم مان لیں گے تو آپ یقین رکھیں کہ) اگر ہم اُن کے لیے آسمان میں ایک دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں دن دیہاڑے چڑھنے لگیں تو بھی یہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی اور ہم پر جادو کر دیا گیا تھا!'' (آیات ۱۰ تا ۱۵)

سورۃ الحجر کا تیسرا رکوع بہت اہمیت کا حامل ہے' اس لیے کہ اس میں قصۂ آدم و ابلیس ایک نئے انداز میں بیان ہوا۔ اس سے قبل یہ قصہ سورۃ البقرۃ کے چوتھے اور سورۃ الاعراف کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ تخلیق کے بارے میں ﴿مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾﴾ (سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے) ایسے بھاری الفاظ جوں کے توں پورے تین بار آئے جس سے اشارہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مادۂ تخلیق ایسا سنا اور سڑا ہوا گارا تھا جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا تھا' جس کی تائید ہوتی ہے جدید سائنسی انکشاف سے کہ حیات کا آغاز ان دلدلی علاقوں میں ہوا جہاں مٹی اور پانی کے مسلسل تعامل سے خمیر سا اُٹھ آتا ہے اور گارے میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو تخلیقِ آدم سے بہت قبل دے دیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کی فضیلت کی اصل بنیاد وہ رُوحِ ربانی ہے جو اُن کے جسدِ خاکی میں پھونکی گئی اور جسے اللہ نے واحد متکلم کی ضمیر کے حوالے سے خاص اپنی ذات کی جانب منسوب کیا ہے' بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴿۲۹﴾﴾

''پس جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں (اس کی نوک پلک سنوار دوں) اور اس میں پھونک دُوں اپنی رُوح میں سے تو گر پڑنا اُس کے سامنے سجدے میں!''

ان حقائق و معارفِ علمیہ کے ساتھ ساتھ واضح کر دی گئی وہ حقیقت جو قرآن میں اس قصّے کے بتکرار واعادہ ذکر کے اصل مقصد کی حیثیت رکھتی ہے کہ آدم کی اِسی فضیلت پر شیطان حسد کی آگ میں جل اُٹھا اور اُس کے دل میں آدم اور ذُرّیتِ آدم کی عداوت اور دشمنی نے جڑ پکڑ لی۔ چنانچہ اللہ سے مُہلت مل جانے پر اب وہ تا قیامت نسلِ انسانی کی گمراہی کے درپے ہے اور اُسے تباہ و برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس ضمن میں وہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی جو اس سے قبل سورۂ ابراہیم علیہ السلام میں میدانِ حشر کے مکالمے کی صورت میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی یہ کہ شیطان کو اللہ کے بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ گناہ کی دعوت ضرور دیتا ہے لیکن اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا سراسر انسان کے اپنے اختیار میں ہے، بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۴۲﴾﴾

''بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہو گا' سوائے ان نابکاروں کے جو خود ہی تیری پیروی اختیار کر لیں۔''

اس کے بعد مکّی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق انبیاء و رُسل علیہم السلام کا ذکر ہے' اور یہاں تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا۔ اور اسی کے ذیل میں ضمناً ذکر آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہ وہی فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا فرمان لے کر نازل ہوئے تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری بھی دینے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے انجام کے ذکر کے بعد اجمالاً اشارہ کیا گیا قومِ شعیبؑ اور قومِ صالحؑ کے انجام کی طرف' اس صراحت کے ساتھ کہ ان تینوں اقوام کی تباہ شدہ بستیاں اور اُن کے مساکن کے کھنڈرات ''سبیلِ مقیم'' یعنی اس تجارتی شاہراہ پر واقع ہیں جس پر اہلِ عرب کے تجارتی قافلے دن رات چلتے رہتے تھے۔

یعنی شمال سے جنوب کی جانب پہلے قومِ لوطؑ کی تباہ شدہ بستیاں' پھر قومِ شعیب علیہ السلام کے تباہ شدہ مسکن اور قومِ ثمود کے کھنڈرات۔

مکّی دَور کے اوائل میں نازل ہونے والی اکثر سورتوں کی طرح سورۃ الحجر کے آخر میں بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ مفصّل خطاب بھی ہے اور آپ ﷺ کی جانب خصوصی عنایت اور التفات بھی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ:

''اور (اے نبیؐ!) ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے' حق کے ساتھ بنائے ہیں۔ اور قیامت بہرحال آکر رہے گی جبکہ ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا بدلہ مل جائے گا' تو آپؐ ذرا ان کافروں سے درگزر فرمائیں اور اُن کے تمسخر واستہزاء کو نظر انداز کر دیں۔ آپ کا رب جہاں سب کا خالق ہے وہاں سب کے حال سے باخبر بھی ہے! اور ہم نے آپ کو سات بار بار دہرائی جانے والی آیات یعنی سورۃ الفاتحہ ایسی نعمتِ عظیمہ اور قرآن عظیم ایسی دولت بے بہا عطا فرمائی ہے۔ تو آپ ان لوگوں کی جانب نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں جنہیں ہم نے اس دُنیا کی حقیر سی پونجی وافر مقدار میں عطا کر دی ہے اور نہ ہی اُن کے بارے میں رنج و اندوہ آپؐ کے قلب پر طاری ہونے پائے۔ آپ کی عنایت وشفقت شاملِ حال رہنی چاہیے اہل ایمان کے! اور صاف کہہ دیجیے کہ میں تو کھلا خبردار کر دینے والا ہوں۔ جیسا کہ ہم نے وعید نازل کی ہے اُن کے لیے جو قرآن کا استہزاء کرتے ہیں۔ تو آپؐ کے ربّ کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ لیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے! اور آپ ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیجیے جس کا حکم آپ کو ہوا اور مشرکوں کی پرواہ مت کیجیے' اُن کے تمسخر واستہزاء سے ہم نبٹ لیں گے۔ وہ لوگ جو اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ٹھہرا رہے ہیں انہیں عنقریب حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ کو صدمہ ہوتا ہے۔ پس آپؐ اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیے اور اس کے سامنے سربسجود ہونے والوں میں شامل رہیے۔ اور تادمِ آخر اس کی پرستش پر کاربند رہیے!'' (آیات ۸۵ تا ۹۹)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!



③ سورۃ النّحل' سورۂ بنی اسرائیل'سورۃ الکھف

تقریر نمبر ۱۴

قرآن حکیم میں سورۂ یونس سے مکّی سورتوں کا جو عظیم سلسلہ شروع ہوتا ہے اس میں پہلے تین سورتیں قدرے طویل ہیں' یعنی سورۂ یونس' سورۂ ہود اور سورۂ یوسف' جو علی الترتیب ۱۱،۱۰،اور ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ پھر تین سورتیں قدرے چھوٹی آتی ہیں' یعنی سورۃ الرعد' سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر' جو علی الترتیب ۶' ۷ اور ۶ رکوعوں پر مشتمل ہیں' اور پھر ایک گروپ تین طویل سورتوں کا ہے' یعنی سورۃ النحل' سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف' جو علی الترتیب ۱۶ رکوعوں اور ۱۲۸ آیات' ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۱ آیات' ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۰ آیات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف حکمتِ قرآنی کے عظیم ترین خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں' اور ان میں مضامین کی بڑی گہری مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے' جب کہ سورۃ النحل منفرد مزاج کی حامل ہے' اگرچہ سورۂ بنی اسرائیل کے ساتھ اس کے مضامین کا بہت گہرا ربط موجود ہے۔ گویا تین مکّی سورتوں کے اس چھوٹے گروپ میں قرآنی سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت کا مظہرِ اتم تو ہیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف' البتہ سورۃ النحل بھی ان دونوں کے ساتھ غایت درجہ مربوط و متعلق ہے۔ اس ابتدائی تعارف کے بعد آیئے کہ سورۃ النحل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ ڈالیں۔

سورۃُ النّحل

سابقہ سورتوں کے برعکس سورۃ النّحل کے آغاز میں نہ حروفِ مقطّعات ہیں نہ قرآن مجید کی عظمت کا کوئی تمہیدی بیان' بلکہ بات براہِ راست تنبیہ سے شروع ہوگئی کہ:

﴿اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۱﴾

''اللہ کا فیصلہ (سر پر) آیا کھڑا ہے' تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ وہ پاک اور بلند و برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں!''

بعینہٖ یہی رنگ اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر بھی ہے' صرف اس فرق کے ساتھ کہ آغاز میں کفار و مشرکین کے لیے اِنذار کا رنگ ہے اور اختتام پر آنحضور ﷺ اور اہلِ ایمان کے لیے تبشیر کا۔ یعنی:

''پس (اے نبیؐ!) صبر کرو اور ظاہر ہے کہ تمہارا صبر اللہ ہی کے بھروسے پر قائم ہے' اور تمہیں نہ تو ان (کفار و مشرکین) کے انجام پر غمگین ہونے کی ضرورت ہے نہ ان کی (مخالفانہ) چالوں اور تدبیروں سے پریشان ہونے کی۔ یقیناً اللہ ساتھ ہے (یعنی اس کی تائید و نصرت شامل حال ہے) ان کے جنہوں نے تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کی!''

قرآن حکیم میں ''تذکیر بآلاء اللّٰہ'' یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اس پر ایمان لانے' اُس کی توحید پر کاربند رہنے' اُس کی جزا و سزا پر یقین رکھنے اور اس کے احکام پر کاربند رہنے کی دعوت کی سب سے زیادہ شاندار مثال غالباً سورۃ النحل ہی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا تانا بانا اللہ تعالیٰ کی ارضی و سماوی' آفاقی و انفسی' ظاہری و باطنی اور محسوس و معقول نعمتوں کے ذکر سے تیار ہوا ہے' اور ان ہی میں جا بجا سجا دیے گئے ہیں توحید' معاد اور رسالت کے اساسی مضامین' اور ان دونوں کے باہمی ربط و تعلق کے جانب اشارہ کیا گیا ہے ایسے الفاظ سے کہ:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱﴾

''بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیں۔''

اور: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲﴾

''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

اور: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳﴾

''بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو یاد دہانی حاصل کریں۔''

اور: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵﴾

''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن کے لیے جو سنتے ہیں۔''

اور: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۷۹﴾

''بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ماننے پر آمادہ ہوں۔''

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر جس جامعیت کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں ملتا ہے اس کی شاید ہی کوئی دوسری نظیر قرآن مجید میں موجود ہو۔

اس مضمون کا آغاز آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر سے ہوا کہ اللہ نے اس کائنات کو حق کے ساتھ تخلیق فرمایا۔ پھر ذکر ہوا انسان کی تخلیق کا کہ اسے پیدا کیا اُس نے نطفے سے' تو کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ہی کے بارے میں جھگڑتا ہے! پھر ذکر آیا چوپایوں کی تخلیق کا کہ پیدا کیے اُس نے لاتعداد چوپائے جن سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو' ان کو اپنی سواری کے طور پر بھی استعمال کرتے ہو اور بار برداری کے کام میں بھی لاتے ہو۔ پھر ان میں تمہارے لیے حسن و جمال اور زیبائش و آرائش کا سامان بھی ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دودھ ایسا پاکیزہ اور اعلیٰ مشروب فراہم کرتا ہے' اور تم ان کی کھالوں سے خیمے تیار کرتے ہو اور ان کے بالوں اور اُون کو دوسرے بے شمار مصارف میں لاتے ہو۔ پھر ذرا بارش پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ پانی برساتا ہے جسے تم اپنی پیاس بجھانے کے کام میں بھی لاتے ہو اور کاشت کا ذریعہ بھی بناتے ہو۔ چنانچہ اللہ اس کے ذریعے تمہارے لیے غلہ اور زیتون' کھجور اور انگور' اور بے شمار دوسرے پھل اُگاتا ہے جن سے تم رزقِ حسن بھی حاصل کرتے ہو اور سُکر و سرور پیدا کرنے والی چیزیں بھی۔ پھر ذرا یہ تو دیکھو کہ اس زمینی پیداوار میں کتنی رنگارنگی و بوقلمونی موجود ہے! کیسے کیسے حسین و جمیل اور رنگارنگ پھول اس نے کھلا دیے ہیں اور کتنی انواع و اقسام کے پھل اس نے تمہارے لیے پیدا کیے ہیں۔

پھر ذرا غور کرو کہ رات اور دن کا نظام کس طرح تمہاری ضروریات کی فراہمی میں لگا ہوا ہے اور شمس و قمر اور تمام اجرامِ فلکی کیسے تمہاری چاکری میں مصروف ہیں۔ پھر ذرا سمندر پر بھی نظر ڈالو کہ کیسے تمہاری خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اس میں سے تم تازہ اور عمدہ گوشت بطورِ غذا حاصل کرتے ہو' اس کے سینے کو اپنے سفینوں سے چیرتے ہو' اور اس کی گہرائیوں میں سے رنگارنگ موتی اور دوسرا سامانِ آرائش نکالتے ہو..... ﴿وَاِنْ

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (آیت ۱۸) ''واقعہ یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو کبھی اُن کا شمار پورا نہ کر سکو!'' اور ذرا پہاڑوں کو دیکھو کہ زمین کے لیے کیسے لنگروں کا کام دے رہے ہیں اور زمین کو دیکھو کہ اسے کس طرح دریاؤں اور قدرتی شاہراہوں سے مزیّن کر دیا گیا ہے! اور تو اور ذرا ہماری ننھی سی مخلوق شہد کی مکھی کو دیکھو کہ کس طرح انواع و اقسام کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر تمہارے لیے وہ رنگا رنگ مشروب تیار کرتی ہے جس میں تمہارے لیے غذائیت بھی ہے اور بے شمار اَمراض کی دوا و شفا بھی: ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱﴾ ''تو کیا (اے نبیؐ!) یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر دیں گے؟''

اب ذرا نگاہ کو خود اپنے نفوس پر مرتکز کرو! اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے برآمد کیا اس حال میں کہ تمہیں نہ کوئی علم تھا نہ شعور! اس نے تمہیں سماعت' بصارت اور دل و دماغ ایسی نعمتیں عطا فرمائیں' پھر تمہیں طرح طرح سے رزق عطا فرمایا اور انواع و اقسام کا ساز و سامان عطا کیا۔ مزید برآں تمہیں اپنی ہی جنس سے جوڑا عطا کیا اور اُس سے اولاد عطا فرمائی: ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲﴾ ''تو کیا پھر بھی یہ باطل کے اقرار اور اللہ کی نعمتوں کے انکار کی روش پر قائم رہیں گے؟''

پھر ذرا پرندوں کو دیکھو کہ کیسے فضا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ پھر اپنے گھروں کا دھیان کرو! انہیں اللہ نے تمہارے لیے کس طرح امن اور سکون کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ مزید برآں درختوں کے سائے اور پہاڑوں کے غاروں پر غور کرو کہ کیسے سورج کی تمازت اور دوسرے موسمی اثرات سے تمہیں بچاتے ہیں۔ پھر اپنے لباس پر غور کرو جو تمہارے لیے ذریعہ حفاظت بھی ہے اور موجب زینت بھی۔ پھر ذرا زرہوں اور خودوں کو دیکھو کہ وہ تمہیں حملہ آوروں سے کیسے محفوظ رکھتے ہیں:

﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۱ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۸۲﴾

''اسی طرح اللہ اپنی نعمتوں کا اتمام فرماتا ہے تم پر تاکہ تم (اس کی) اطاعت قبول

کرلو! تو (اے نبی!) اگر یہ پھر بھی اعراض کریں تو آپ کے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے!''

ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ:

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

''یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچاننے کے بعد اُن کا انکار کرتے ہیں اور اُن کی اکثریت ناشکروں پر مشتمل ہے۔''

الغرض اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں کا ذکر اور ان کے حوالے سے اللہ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمانِ محکم اور بعث بعد الموت اور جزا و سزا اور وحیٔ نبوت اور رسالت پر پختہ یقین کی دعوت ہے۔ چنانچہ اُس کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں بھی: ''شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ'' کے الفاظ خصوصیت سے وارد ہوئے' یعنی ''وہ اللہ کی نعمتوں پر بھرپور شکر ادا کرنے والے تھے!'' (آیت ۱۲۱)

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ''حکمتِ قرآنی'' کے قصرِ عظیم کی بنیاد اسی جذبۂ شکر الٰہی پر قائم ہے' بفحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ﴾ (لقمٰن: ۱۲) ''اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا!'' چنانچہ سورۃ النحل میں حکمتِ قرآنی کی اس اساس کو محکم طور پر قائم کر دیا گیا' اور بعد کی دو سورتوں یعنی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں اس حکمت کے مضمرات و متضمّنات کو کھول دیا گیا اور اس کے ثمرات و نتائج کو بیان کر دیا گیا۔ چنانچہ سورۃ النحل کے آخر میں وارد ہوئے یہ الفاظِ مبارکہ کہ:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾ (آیت ۱۲۵)

''بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور مجادلہ و مباحثہ کرو اس طور سے جو بہت عمدہ و اعلیٰ ہو۔''

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ:

﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ (آیت ۳۹)

''یہ باتیں ہیں منجملہ اس حکمت کے جو تیرے ربّ نے تجھ پر نازل فرمائی۔''

اس سے سورۃ النحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین کے باہمی ربط کا ایک اہم پہلو بھی واضح ہو گیا! واضح رہے کہ ان الفاظِ مبارکہ میں خصوصی اشارہ ہے سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں وارد شدہ اوامر و نواہی کی جانب جو ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی تعمیر کے لیے لازمی و لابُدی ہیں' اور اُن کی حیثیت اصل میں سورۃ النحل کی آیت ۹۰ کی شرح و تفسیر کی ہے' جس میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰﴾

''یقیناً اللہ حکم دیتا ہے (تمہیں) انصاف کا اور احسان کا اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا' اور منع فرماتا ہے (تمہیں) بے حیائی اور بدی اور ظلم و تعدّی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے' تاکہ تم سبق حاصل کرو۔''

سورۃ النحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مابین ایک اور مشترک موضوع ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا سلسلہ اگرچہ ویسے تو ۶ نبوی ہی میں ہجرتِ حبشہ سے شروع ہو گیا تھا' لیکن سورۃ النحل اور سورۂ بنی اسرائیل میں جس ہجرت کا ذکر ہے وہ یقیناً ہجرتِ مدینہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ النحل اُس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب آنحضور ﷺ کی اجازت سے مسلمانوں نے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت شروع کر دی تھی۔ چنانچہ پہلے آیت ۴۱ میں فرمایا:

''جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اس کے بعد کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے' ہم انہیں لازماً اس دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا فرمائیں گے' اور آخرت کا اجر تو اعظم و اکبر ہے ہی۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!''

اور پھر آیت ۱۱۰ میں فرمایا:

''پھر جن لوگوں نے آزمائش کی بھٹیوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی' پھر جہاد کیا اور صبر کی روش اختیار کی' یقیناً ان کے لیے تیرا ربّ ان باتوں کے بعد حد درجہ غفور بھی ہے نہایت رحیم بھی!''

سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کی طرح سورۃ النحل میں بھی وحیٔ الٰہی اور اُس کے آخری اور جامع و کامل ایڈیشن قرآنِ حکیم کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے۔ چنانچہ آیت ۲ میں فرمایا:

''اللہ نازل کرتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو (اور منادی کر دو) کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں، پس صرف مجھ ہی سے ڈرو!''

پھر آیات ۲۴، ۲۵، اور ۳۰ میں واضح فرمایا کہ اس تنزیل پر کُفّار اور اہلِ ایمان کا ردِّ عمل کس قدر مختلف بلکہ متضاد ہے، چنانچہ آیت ۲۴ میں فرمایا:

''اور جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں: وہی داستان ہائے پارینہ۔''

اِس پر آیت ۲۵ میں تبصرہ فرمایا گیا کہ:

''(اس سبب سے) یہ لوگ قیامت کے دن اپنے بوجھ تو پورے اٹھائیں گے ہی، اس کے علاوہ انہیں اُن کے بوجھ بھی اٹھانے پڑیں گے جنہیں یہ لاعلمی و نادانی میں گمراہ کر رہے ہیں، کتنا برا ہوگا وہ بوجھ جو یہ اٹھائیں گے!''

اس کے بالمقابل آیت ۳۰ میں فرمایا:

''اور (دوسری طرف جب) اہلِ اصلاح و تقویٰ سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں: ''سرتاسر خیر''۔ ان خوب کاروں کے لیے اس دنیا میں بھی خیر اور بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو (ان کے لیے) ہے ہی سرتاسر خیر و خوبی۔ اور فی الواقع بہت ہی اچھا ہوگا متقیوں کا ٹھکانا۔''

سورت کے اواخر میں ایک بار پھر قرآن مجید کی عظمت بھی بیان ہوئی اور اس کے اعجاز کی جانب بھی اشارہ ہوا اور اس کی تلاوت کے آداب بھی تعلیم فرمائے گئے۔ چنانچہ آیت ۸۹ میں فرمایا:

''اور (اے نبیؐ!) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہر چیز کی وضاحت کے لیے اور اطاعت شعاروں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر۔''

اور آیت ۱۰۲ میں فرمایا:

''کہہ دو (اے نبیؐ!) کہ اتارا ہے اسے رُوح القدس نے تیرے ربّ کی جانب

سے حق کے ساتھ تا کہ ثبات عطا کرے اہل ایمان کو اور ہدایت اور بشارت بنے اطاعت گزاروں کے حق میں!''

ساتھ ہی اگلی آیت میں واضح کر دیا کہ:

''اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ (قرآن) انہیں (یعنی محمد ﷺ کو) کوئی انسان سکھا رہا ہے۔ حالانکہ جس شخص کی جانب وہ اسے منسوب کر رہے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف اور ستھری عربی زبان میں ہے۔''

آدابِ تلاوتِ قرآن کے ذیل میں آیت ۹۸ میں فرمایا:

''پس جب قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پہلے شیطانِ مردود کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو۔''

اس کے ساتھ ہی آیت ۱۲۵ کو بھی شامل کر لینا چاہیے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ:

''بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت سے اور موعظۂ حسنہ سے اور ان سے بحث و نزاع کی ضرورت پڑ ہی جائے تو وہ اس طور سے کرو جو اعلیٰ و احسن ہے۔''

اس لیے کہ اس آیہ مبارکہ میں دعوت کے ضمن میں جن تین چیزوں کی جانب رہنمائی کی گئی ان میں سے فحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (بنی اسراء یل:۳۹) حکمت بھی قرآن ہی کا ایک جزو ہے اور فحوائے الفاظِ ربانی: ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ﴾ (یونس:۵۷) موعظۂ حسنہ بھی قرآن ہی کا ایک حصہ ہے اور مباحثہ اور مجادلے کی احسن صورتیں بھی وہی ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئیں۔ اس طرح یہ آیت گویا شرح ہے سورۂ قٓ کی آخری آیت کی کہ: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''پس یاددہانی کراؤ قرآن کے ذریعے اسے جسے ہماری دھمکیوں اور وعیدوں کا ذرا بھی خوف ہے۔''

''شہادت علی النّاس'' کا جو مضمون مدنی سورتوں میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہونے والی دو سورتوں یعنی سورۃ الحج اور سورۃ النحل میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں تو اس کا وہ دُنیوی پہلو واضح کیا گیا ہے جسے سورۃ البقرۃ میں اُمّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس قرار دیا گیا ہے اور سورۃ النّحل میں اس کا وہ اُخروی پہلو دو

آیات میں بیان کیا گیا جو سورۃ النّساء اور سورۃ المائدۃ میں مذکور ہے۔ یعنی:

''اور جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ' پھر ان کافروں کو نہ اس کی اجازت ملے گی (کہ خواہ مخواہ کے جھوٹے بہانے بنائیں) اور نہ ہی اُن کے غیظ و غضب کی پرواہ کی جائے گی۔'' (آیت ۸۴)

اور:

''اور جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ جو اُن ہی میں سے ہو گا اور اُن ہی کے خلاف گواہی دے گا' اور کھڑا کریں گے (اے نبیؐ!) آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہ بنا کر!'' (آیت ۸۹)

یاد ہو گا کہ اسی کی ہم مضمون ہے سورۃ النساء کی وہ آیت جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سن کر آنحضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے!

حکمتِ دین کے ضمن میں عہدِ اَلست کی یاد دہانی بھی اس سورۂ مبارکہ میں تاکیداً کرائی گئی ہے۔ چنانچہ آیت ۹۱ میں فرمایا: ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم (اللہ سے) معاہدہ کر چکے ہو''۔ اور آیت ۹۲ میں ایک حد درجہ بلیغ تشبیہ کے ذریعے اس عہد کو توڑنے پر ملامت کی گئی کہ: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ ''اور اُس عورت کی مانند نہ بن جاؤ جس نے بڑی محنت و مشقت سے کاتا ہوا سُوت خود ہی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔'' اور آیت ۹۵ میں ایک دوسرے انداز میں توجّہ دلائی کہ:

''اور اللہ کے عہد کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کر لو' یقیناً جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے کہیں بہتر ہے' اگر تم سمجھو!''

سورت کے آخر میں بنی اسرائیل کے ضمن میں دو حقائق کی جانب مجمل اشارے کیے گئے۔ ایک کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت و حرمت کے ضمن میں کہ ان پر بعض سخت پابندیاں تادیباً و تعزیراً عائد کی گئی تھیں' اور دوسرے یومِ سبت کے بارے میں کہ یہ بھی ان پر یومِ جمعہ کی ناقدری کی پاداش میں مقرر کیا گیا تھا۔ یہ گویا تمہید ہے اُس تفصیلی ذکر کی جو یہود کی تاریخ کے ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے ہی رکوع میں آ رہا ہے۔ پھر اسی سلسلے میں

غالباً یہود ہی کی توجہ کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اب بھی توبہ کے ذریعے اللہ کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ فرمایا:

''پھر تیرے ربّ کی رحمت دستگیری فرماتی ہے اُن کی جو نادانی سے (جذبات کی رَو میں بہہ کر) برائی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں' لیکن پھر توبہ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں' تو اس کے بعد تیرا ربّ یقیناً حد درجہ بخشنے والا بھی ہے (اور) نہایت رحم والا بھی۔'' (آیت ۱۱۹)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ!



تقریر نمبر ۱۵

سورۂ بنی اسرائیل والکہف

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کو آپس میں بہنیں قرار دیا ہے' جیسے مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ: ((شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَاَخَوَاتُھَا)) ''مجھے سورۂ ہود اور اُس کی بہنوں نے بوڑھا کر دیا ہے!'' —— اس تشبیہہ کو ذرا اور آگے بڑھایا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف آپس میں بالکل جڑواں بہنوں کے مانند ہیں۔ اس لیے کہ مصحف کے عین وسط میں واقع حکمتِ قرآنی کے ان دو عظیم خزینوں کے مابین حد درجہ مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً قد و قامت ہی کو لیجیے' تو دونوں ٹھیک بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں' اور تعدادِ آیات میں بھی صرف ایک کا فرق ہے' یعنی سورۂ بنی اسرائیل ۱۱۱ آیات پر مشتمل ہے' اور سورۃ الکہف ۱۱۰ پر۔ پھر ایک کا آغاز تسبیحِ خداوندی سے ہوتا ہے اور دوسری کا حمدِ باری تعالیٰ سے۔ اور ان دونوں کے مابین نسبت کو آنحضور ﷺ نے اپنے اس فرمان میں واضح فرما دیا کہ: ((اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَؤُہٗ)) (۱) ''یعنی سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے اور الحمدللہ سے

(۱) رواہ مسند احمد' کتاب باقی مسند الآثار' باب احادیث رجال من اصحاب النبی ﷺ۔

پُر ہو جاتی ہے۔''

پھر دونوں کی پہلی آیتوں میں آنحضور ﷺ کا ذکر ہے اور دونوں میں آپ ﷺ کی نسبتِ عبدیت ہی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضور ﷺ پر خصوصی شفقت و عنایت کا اظہار ہوتا ہے وہاں نسبتِ رسالت کے بجائے اسی نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس لیے بھی کہ اس سے شرک کا سدِّ باب ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ نسبتِ عبدیت عُروجی ہے اور اس کا رُخ اللہ کی جانب ہے اور نسبتِ رسالت نزولی ہے اور اس کا رُخ انسانوں کی جانب ہے۔ گویا نسبتِ عبدیت سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی جامع ہے جب کہ نسبتِ رسالت عبارت ہے سیر عن اللہ الی اللہ سے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کا اصل سرمایۂ افتخار یہی عبدیتِ کاملہ کا مقام ہے' اگرچہ ہم آنحضور ﷺ کی عبدیت کو اپنی عبدیت پر قیاس نہیں کر سکتے' بقول علامہ اقبال: ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار' او منتظر!

اسی طرح ان دونوں سورتوں کی آخری آیتوں پر نگاہ ڈالیے تو نظر آئے گا کہ دونوں شرک کی نفی اور توحید کے اثبات کے ضمن میں حد درجہ عظمت کی حامل ہیں' چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کا اختتام ہوا اس آیت پر کہ:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾﴾

''اور کہہ دو ساری تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کسی کو اپنا بیٹا بنایا' نہ ہی بادشاہی اور اختیار میں کوئی اُس کا ساجھی ہے' نہ ہی اُس کا کوئی دوست اس کے کسی ضعف یا احتیاج کے سبب سے ہے' اور اُس کی بڑائی کرو جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے۔''

اور سورۃ الکہف کا اختتام ہوا ان الفاظ پر کہ:

﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ

يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

''کہہ دو (اے نبیؐ!) کہ میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں' مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبودِ برحق ہے' تو جو کوئی اپنے ربّ سے ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیے کہ عمل کرے نیک اور شریک نہ کرے اُس کی عبادت میں کسی کو!''

دونوں آیات کا آغاز فعلِ امر ''قُلْ'' سے ہوا ہے اور دونوں میں شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے' اِس فرق کے ساتھ کہ ایک میں اللہ کو اولاد یا ضعف و احتیاج سے متّصف کر کے اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کرنے کی مذمّت کی گئی ہے تو دوسری میں مخلوق میں سے کسی کو اُٹھا کر اللہ کے برابر لے جا بٹھانے کا سدِّ باب کیا گیا ہے' اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی جملہ انواع و اقسام میں ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہی عروجی و نزولی کیفیات ہیں جو اِن سورتوں کی پہلی آیات میں آنحضور ﷺ کے ضمن میں بیان ہوئیں' یعنی سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا معراج کے ذکر سے جس میں آنحضور ﷺ کو بلندیوں پر لے جایا گیا' بفحوائے الفاظِ حدیث: ((ثُمَّ عُرِجَ بِیْ))(۱) اور سورۃ الکہف کا آغاز ہوا کلامِ الٰہی کے آنحضور ﷺ پر نزول کے ذکر سے! یعنی:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾﴾

''کل شکر اور تمام تعریف کا مستحق ہے اللہ جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر کتابِ ہدایت اور نہ رکھی اُس میں ہرگز کوئی کجی!''

اب ایک نگاہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری اور سورۃ الکہف کی پہلی آیت پر دوبارہ ڈال لیجیے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ہوا: ''وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کے الفاظ سے اور سورۃ الکہف کا آغاز ہوا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے۔ گویا ایک میں امر ہے اور دوسری میں امتثالِ امر' اور اس طرح ان دونوں سورتوں نے فی الواقع جڑواں بہنوں کی صورت اختیار کر لی۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء۔

اوّل و آخر کی ان مشابہتوں کے علاوہ حسب ذیل مزید اُمور بھی ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔

(۱) دونوں کے تقریباً وسط میں قصۂ آدم و ابلیس کا اجمالی ذکر موجود ہے۔

(۲) دونوں ''اُولوالعزمِ مِنَ الرُّسل'' یا ان کی قوموں پر عذابِ الٰہی کے ذکر سے خالی ہیں' اگرچہ بستیوں کی تباہی و بربادی کا مجمل ذکر دونوں میں موجود ہے!

(۳) دونوں میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہم نے اس میں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر ممکن اسلوب اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ (آیت ۸۹)

''ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر طرح سے سمجھایا ہے۔''

اور سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ (آیت ۵۴)

(۴) دونوں میں واضح کر دیا گیا کہ انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کے راستے بند کرا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی زد میں آ کر اُن کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ:

﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾

(بنی اسراءیل: ٤٦)

اور:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ (الکہف: ۵۷)

''یقیناً ہم نے ڈال دیے ہیں ان کے دلوں پر پردے کہ سمجھ نہ پائیں اسے اور پیدا کر دی ہے اُن کے کانوں میں گرانی (کہ سن نہ سکیں)!''

(۵) دونوں میں آنحضور ﷺ کو خبردار کیا گیا ہے کہ اب جبکہ سردارانِ قریش تھک ہار کر مصالحت کی پیشکش پر اتر آئے ہیں' مبادا آپ اپنی طبعی شرافت و مروّت کے باعث کسی درجے میں اُن کی جانب جھک جائیں۔ چنانچہ سورۂ بنی

اسرائیل میں فرمایا:

''اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپؐ کو فتنے میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیتے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے' تاکہ آپؐ گھڑ کر منسوب کر دیتے ہماری جانب کوئی اور چیز اور تب وہ بنا لیتے آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست! اور اگر ہم نے آپؐ کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو کیا عجب کہ آپ اُن کی جانب کسی قدر جھک ہی جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپؐ کو زندگی اور موت دونوں کے دُگنے عذاب کا مزا چکھاتے' پھر آپؐ نہ پاتے ہمارے مقابل میں کوئی مددگار!'' (آیات ۷۳۔۷۵)

اور سورۃ الکہف میں فرمایا:

''اور اپنے دل کو اُن لوگوں کی معیّت پر مطمئن کرو (اور ان کی رفاقت کو غنیمت جانو) جو اپنے ربّ کی رضا جوئی میں صبح و شام اُس کو پکارتے رہتے ہیں' اور نہ ہٹیں آپؐ کی نگاہیں اُن سے حیاتِ دُنیوی کی زینتوں کی خاطر' اور نہ ہی کسی ایسے شخص کی باتوں پر دھیان دو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کر لی ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے!'' (آیت ۲۸)

واضح رہے کہ قرآن کے معروف اسلوب کے مطابق ان دونوں مقامات پر بظاہر خطاب آنحضورﷺ سے ہے' لیکن عتاب کا رُخ دراصل مُعانِدین اور کُفّار کی جانب ہے۔

ساداساً: دونوں سورتوں میں واضح کر دیا گیا کہ حق و باطل کی کش مکش کی شدّت اور مصائب و مشکلات اور ابتلاء و آزمائش کے دور میں بندۂ مؤمن کا اصل سہارا کلامِ الٰہی ہے! چنانچہ سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ﴾ (آیت ۲۷)

''اور پڑھتے رہا کرو جو نازل کیا گیا تمہاری جانب تمہارے ربّ کی طرف سے۔''

اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس تلاوتِ قرآن کے لیے بہترین اوقات کی جانب رہنمائی فرما دی۔ یعنی:

﴿..... وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾﴾

''اور (خصوصی اہتمام) کرو فجر کی قراءتِ قرآن کا' یقیناً فجر کی قراءت خاص حضوری کی کیفیات کی حامل ہوتی ہے۔''

اور: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ﴾ (آیت ۷۹)

''اور رات کا کچھ حصہ بھی اس قرآن کے ساتھ جاگتے ہوئے بسر کرو' یہ تمہارے لیے خصوصی اضافہ ہے!''

الغرض سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں مشابہت اور مماثلت کے بے شمار پہلو ہیں جن کا احاطہ اس مختصر گفتگو میں ممکن نہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے اور آخری رکوع میں' اپنے نام کی مناسبت سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم گوشوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں ان کی تاریخ کے درمیانی دَور میں دو بار اُن کی سرکشی اور بغاوت اور اس پر اللہ کی سخت سزا و سرزنش کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ اب پھر تم ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہو۔ اگر قرآن پر ایمان لاؤ اور اسے اپنا رہنما بناؤ تو رحمتِ خداوندی پھر تمہیں اپنے سائے میں لے لے گی۔ بصورتِ دیگر اللہ کے سخت سے سخت تر عذاب کے کوڑے تمہاری پیٹھ پر برستے رہیں گے۔

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾﴾

''اُمید ہے کہ تمہارا ربّ تم پر رحم کرے گا' لیکن اگر تم نے (اپنی سابقہ روش کا) اعادہ کیا تو ہم بھی پھر (اپنی سزا کا) اعادہ کریں گے۔ اور کافروں کے لیے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔ یقیناً یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور وہ ایسے اہلِ ایمان کو بشارت دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور جو آخرت کو نہیں مانتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب

تیار کر رکھا ہے۔''

اور آخری رکوع میں ایک جانب اُمّتِ مُسلمہ کی حیثیت سے اُن کی تاریخ کے آغاز کا ذکر ہوا' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت کا خلاصہ۔ واضح رہے کہ پہلے رکوع میں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ ہے کہ اُمّت کی تأسیس کتابِ الٰہی ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ایک اُمّتِ مسلمہ کی حیثیت اُسی وقت اختیار کی تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہوئی:

﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ .....﴾ (آیت ۲)

''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) بنا دیا۔''

اور دوسری طرف اُن کی اس آخری تباہی کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو قیامت کے قریب حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگی۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ وقت آئے گا تو ہم تمہیں ہر طرف سے سمیٹ کر لے آئیں گے:

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿١٠٤﴾﴾

جس کی صورت اِس وقت نگاہوں کے سامنے ہے کہ کوئی غیبی ہاتھ ہے جو پوری دنیا سے یہودیوں کو کھینچ کھینچ کر فلسطین میں جمع کر رہا ہے' جسے بالآخران کا قبرستان بنا دیا جائے گا۔ (وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!)

عجیب بات ہے کہ جس طرح پہلے رکوع میں یہود کے ذکر کے بعد قرآن کا ذکر ہوا' اسی طرح آخری رکوع میں بھی یہود کی تاریخ کے آغاز و انجام کی جانب اجمالی اشاروں کے بعد وارد ہوئے یہ انتہائی پُر ہیبت و پُر جلال الفاظ کہ:

﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ﴾ (آیت ۱۰۵)

''اور اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔''

اب قوموں اور اُمّتوں کی قسمتوں کا فیصلہ اسی کے ذریعے ہوگا۔ یہ گویا یہود سے وہی بات

کہی جارہی ہے جو سورۃ الطارق میں ایک عام قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمائی گئی کہ:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾

یعنی یہ قرآن فیصلہ کن بات بن کر نازل ہوا ہے' اسے ہنسی مذاق اور دل لگی کی بات نہ سمجھو۔

اس کے علاوہ اس سورۂ مبارکہ کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں' بقول حبر الاُمّۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تورات کے احکام عشرہ یعنی The Ten Commandments انتہائی دل نشین پیرائے میں بیان کر دیے گئے تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ اُصولاً قرآن مجید کی تعلیم بھی وہی ہے جو تورات کی تھی۔ اس طرح ایک جانب دعوت اور افہام و تفہیم اور دوسری طرف انذار اور تہدید و وعید دونوں اعتبارات سے سورۂ بنی اسراءیل تمہید بن گئی اُس مفصّل گفتگو کی جو ہجرت کے بعد مدنی سورتوں میں یہود و نصاریٰ کو براہِ راست خطاب کر کے کی گئی!

خود ہجرت کی جانب ایک اشارہ اس سورۂ مبارکہ میں ایک دُعا کی صورت میں کیا گیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی' یعنی:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾﴾

''اور (اے نبیؐ!) دعا کرو کہ اے میرے ربّ! مجھے داخل فرما عزّت کا داخل کرنا اور باہر نکال عزّت کا باہر نکالنا' اور مجھے اپنے خاص خزانۂ فضل سے عطا فرما قوت و غلبہ جو (میرے مشن کی تکمیل میں) معاون و مددگار ہو!''

یہ ایک نہایت اعلیٰ مثال ہے اس کی کہ خاصانِ بارگاہِ ربّانی کو دعا کے الفاظ بھی خدا خود تلقین فرماتا ہے' اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُس دُعا کی قبولیت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔

ایک اور اہم مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں رُوح سے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے جو نا سمجھوں یا کج بحثی کے خواہش مند لوگوں کے حق میں تو جوابِ مُسکِت کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقی علم و معرفت کے متلاشی لوگوں کے لیے حقائق و معارف کے ایک

بحرِ بیکراں کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔ رُوح کے بارے میں اس سوال اور اس کے جواب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں' اس لیے کہ شانِ نزول کی روایات کی رُو سے یہود کے سکھانے سے قریشِ مکّہ نے تین سوالات آنحضور ﷺ کے سامنے امتحاناً پیش کیے تھے' ایک یہی کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحابِ کہف کا واقعہ کیا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کون تھے؟ جن میں سے پہلے کا جواب ہے سورۂ بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو کا جواب ہے سورۃ الکہف میں۔

سورۃ الکہف کے بارے میں متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس پوری سورت کو بالعموم اور اس کی ابتدائی اور آخری آیات کو بالخصوص دجّالی فتنے کے اثرات سے بچنے کے لیے مفید قرار دیا ہے۔ دجل عربی زبان میں اسے کہتے ہیں کہ کسی شے کی حقیقت پر کسی فریب کا پردہ ڈال دیا جائے۔ سورۃ الکہف کے پہلے اور آخری رکوع کے مطالعے سے اس دجل کی تعیین ہو جاتی ہے' اور وہ یہ کہ اس دنیا اور اُس کے ساز و سامان کی چمک دمک سے انسان کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں اور وہ خدا اور آخرت دونوں کو بھول جائے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں فرمایا:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷﴾

''یقیناً ہم نے روئے زمین پر جو کچھ ہے اُسے اُس کا سنگھار اور زینت و آرائش بنا دیا ہے' تاکہ ہم لوگوں کا امتحان لیں کہ کون اُن میں سے اچھے عمل کرتا ہے!''

یعنی کون اُس کی ظاہری سج دھج سے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے اور کون اس عروسِ ہزار داماد کی اصل حقیقت کو پا کر اپنی نگاہوں کو اللہ کی رضا طلبی اور آخرت کی فوز و فلاح پر ہی جمائے رکھتا ہے۔ اور آخری رکوع میں بڑے بلیغ پیرائے میں پہلے سوال کیا کہ:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳﴾

''(اے نبیؐ! ان سے) کہو کہ کیا ہم بتائیں تمہیں کہ سب سے زیادہ خسارے اور گھاٹے میں رہنے والے کون ہیں؟''

اور پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ:

﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾﴾

''وہ لوگ جن کی سعی و جُہد اور بھاگ دوڑ اِس حیاتِ دُنیوی ہی میں بھٹک کر اکارت چلی گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں (ہماری محنتیں پھل ہو رہی ہیں)۔''

اوّل و آخر کی ان دو آیات کو اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے جس کے گرد اُس کے تمام مباحث گھومتے ہیں۔ چنانچہ پہلے رکوع سے متصلاً بعد ہے اصحابِ کہف کا واقعہ اور آخری رکوع سے متصلاً قبل ہے حضرت ذوالقرنین کا ذکر' اور دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اس دنیا میں ہر قسم کے حالات سے سابقہ پیش آ سکتا ہے' اصحابِ کہف کی سی کسمپرسی اور بے یار و مددگار ہونے کی حالت سے بھی اور حضرت ذوالقرنین کی سی حکومت و سلطنت اور سطوت و شوکت سے بھی۔ لیکن بندۂ مؤمن کا کام یہ ہے کہ ہر حال میں صابر و شاکر رہے اور ہر حالت کو ابتلاء و آزمائش پر محمول کرے۔ درمیان میں ایک تو مکالمہ نقل ہوا ایک خود آگاہ و خدا مست مردِ عارف اور ایک دنیا کی ظاہری زیبائش و آرائش سے دھوکہ کھائے ہوئے مغرور شخص کے مابین جس سے اسی دجل کی حقیقت ایک تمثیلی پیرائے میں مزید واضح کی گئی' اور دوسرے وہ واقعہ بیان ہوا جو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے مابین پیش آیا جس سے اسی تصویر کا دوسرا رُخ واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اس دنیا کی دولت و ثروت اور عزت و وجاہت بے حقیقت ہے اسی طرح یہاں کے مصائب و آلام بھی سراب ہی کی حیثیت رکھتے ہیں' بلکہ بسا اوقات وہی چیز انسان کے حق میں موجبِ خیر و برکت ہوتی ہے جسے وہ اپنی لاعلمی اور نا سمجھی میں باعثِ خسران و نقصان و موجبِ ذلّت و رسوائی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ مزید برآں' ایک تو آنحضور ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا کہ قریش کے صاحبِ دولت و ثروت سرداروں اور چوہدریوں کی جانب زیادہ التفات نہ فرمائیں' مبادا کسی کو یہ گمان

ہو کہ آپ ﷺ بھی دنیا کی زینت اور چمک دمک سے مرعوب ومتأثر ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے ایک نہایت فصیح وبلیغ تمثیل سے حیاتِ دُنیوی کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا گیا۔ جس کے ضمن میں وارد ہوئے وہ نہایت سادہ مگر حد درجہ دل نشین الفاظ کہ

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾﴾

''(لوگو!) یہ مال اور اولاد تو بس اس حیاتِ دُنیوی کی زینت وآرائش ہیں' اور تمہارے ربّ کی نگاہوں میں وقعت کے حامل اور اُمید کے اعتبار سے بھروسے کے قابل تو صرف وہ نیک اعمال ہیں جنہیں دوام بھی ہے اور بقاء بھی۔''

اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ہے وہ سو باتوں کی ایک بات کہ اگر دل میں جم جائے تو انسان کی زندگی کا نقشہ یکسر بدل کر رہ جائے اور وہ بجائے اس دُنیا کی چمک دمک سے مرعوب و مبہوت ہونے اور اس میں گم ہو کر رہ جانے کے' اللہ ہی کو اپنا محبوب ومطلوب اور آخرت ہی کو اپنی منزلِ مقصود جانتے ہوئے اس دنیا سے ایسے گزر جائے جیسا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ)) (۱) ''دُنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر''۔ اللہ ہمیں اس کی ہدایت وتوفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!



(۱) صحيح البخاري' كتاب الرقاق' باب قول النبي ﷺ كن في الدنيا كانك غريب اوعابر سبيل۔

تیسرا گروپ

یُونُس .....تا..... النُّور

(مسلسل)

④ سُورۃُ مَریَم، سُورۃُ طٰہٰ، سُورۃُ الانبیَاء

سُورۃُ مَریَم

قرآن حکیم کی مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل گروپنگ کے اعتبار سے ہم تیسرے گروپ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس گروپ میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ مکّی سورتیں، جبکہ صرف ایک سورۃ النور مدنی سورت ہے۔ اس گروپ میں تین تین سورتوں پر مشتمل ذیلی گروپ تشکیل پا گئے ہیں، جن میں سے تین کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ چوتھا ذیلی گروپ سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۃ الانبیاء پر مشتمل ہے۔

سورۂ مریم چھ رکوع اور ۹۸ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بعض انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء و رسل کا تذکرہ دو انداز سے ہوتا ہے۔ ایک قِصص الانبیاء یا قِصص النبیین یعنی انبیاء کے ذاتی کردار اور اُن کی سیرت وعظمت کا بیان، جبکہ دوسرا انداز انباء الرسل یا نبأ المرسلین کا ہے۔ یعنی رسولوں کی خبریں۔ یہ وہ انداز ہے جو حضرات نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور موسیٰ علیہم السلام کے ذکر میں پایا جاتا ہے۔ یعنی رسولوں کی دعوت کے جواب میں قوموں کا انکار اور اُس کے نتیجہ اور پاداش میں عذابِ الٰہی کا نزول۔ اس اعتبار سے سورۂ مریم کے بعد آنے والی سورۂ طٰہٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے، جبکہ سورۃ الانبیاء اور سورۂ مریم کا اصل موضوع قِصص النبیین ہے۔ سورۂ مریم میں زیادہ تفصیلی ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اس سے پہلے سورۂ

آل عمران میں بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا' لیکن عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی نفی کے لیے آپؑ سے پہلے حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام اور حضرت مریم سلامٌ علیہا کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت الوہیت مسیح کی دلیل بن سکتی ہے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت بھی تو معجزانہ تھی۔ ان کے والدین انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے تھے اور والدہ تو ساری عمر کی بانجھ تھی۔ اس بڑھاپے کے عالَم میں ان کے ہاں جو ولادت ہوئی وہ عام طبعی قانون کے مطابق نہیں تھی بلکہ معجزانہ تھی۔

سورۂ مریم کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی رحمت کا ذکر ہے کہ جبکہ ان کی ہڈیاں کمزور اور سر سفید ہو چکا تھا اور بیوی بانجھ تھی' انہوں نے کس طرح اپنے ربّ کو آہستگی اور خاموشی کے ساتھ پکارا اور استدعا کی کہ ان کے بعد کارِ رسالت کو جاری رکھنے کے لیے ان کو ایک ولی عنایت فرما دیا جائے جو اُن کا اور آلِ یعقوب کا روحانی وارث ہو۔ چنانچہ اس دعا کے جواب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ان سے کہا گیا: ﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ﴾ (آیت ۱۲) ''اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھامو!'' اس میں ہمارے لیے بھی تمسک بالقرآن کا حکم پنہاں ہے' یعنی قرآن کو مضبوطی سے تھامو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی حکمت و دانائی عطا فرمائی گی۔ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے پنگھوڑے میں معجزانہ طریقہ سے گفتگو فرمائی اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ان کے بچپن ہی سے رشد و حکمت کے آثار ظاہر ہوئے۔

دوسرے رکوع میں حضرت مریم سلامٌ علیہا کے معجزانہ طور پر حاملہ ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا ہے۔ اس ضمن میں وہ گفتگو خصوصی توجہ کی مستحق ہے جو انہوں نے پنگھوڑے میں فرمائی' جس میں اپنی والدہ کی عفت کی گواہی دی اور فرمایا:

> ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اُس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں رہوں' اور اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار اور حسنِ سلوک کرنے والا بنایا ہے اور جبّار و شقی نہیں بنایا۔ اور سلام

ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوں"۔ (آیات ۳۰۔۳۳)

آپؑ کی یہ ساری گفتگو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ .....

"یہ ہے عیسیٰ ابن مریم (کی اصل حقیقت)۔ یہ ہے وہ حق بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں (اور شک وشبہ میں مبتلا ہیں)۔ یہ اللہ کی شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے' اس سے وہ پاک ہے۔ وہ تو جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے"۔ (آیات ۳۴۔۳۵)

یہی وہ آیات تھیں جو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں پڑھی تھیں' جبکہ عمرو بن العاص کی سربراہی میں قریشِ مکّہ کی سفارت وہاں مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لیے گئی تھی (عمرو بن العاص بعد میں ایمان لے آئے تھے' صحابی ہیں رضی اللہ عنہ)۔ شاہِ نجاشی نے یہ آیات سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا تھا کہ جو حقیقت ان آیات میں بیان ہوئی ہے' مسیحؑ اُس سے ایک تنکا بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مہاجرین کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تک چاہو یہاں امن وسکون کے ساتھ رہو۔

تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اگرچہ بار بار آ رہا ہے۔ سورۃ الانعام' سورۂ ہود اور سورۂ یونس کے علاوہ سورۂ ابراہیم میں بھی آپؑ کا ذکر آیا ہے' لیکن یہاں پر ایک خاص پہلو سے ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے توحید کی دعوت جب اپنے والد کو پیش کی تو کس انداز میں کی۔ یہ بات ہر خادمِ دین کے لیے بہت اہم ہے کہ اپنے سے بڑوں کو دعوت پیش کرتے ہوئے کیا انداز ہونا چاہیے۔ انہوں نے اپنے والد سے فرمایا کہ:

"ابا جان! آپ ان کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں اور نہ وہ آپ سے کسی مصیبت کو ہٹا سکتے ہیں۔ ابا جان! میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا' لہٰذا آپ میرا اتباع کیجیے' میں آپ کی صحیح اور سیدھے

راستہ کی طرف راہنمائی کروں گا۔ ابا جان! شیطان کی بندگی مت کیجیے یقیناً شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ عذابِ خداوندی آپ کو اپنے گھیرے میں نہ لے لے پھر آپ شیطان کے ساتھیوں میں سے ہو جائیں''۔ اس پر والد نے ڈانٹ کر کہا: ''اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں کو چھوڑ رہے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا' دور ہو جاؤ میری نظروں سے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''آپ پر سلامتی ہو' میں تو آپ کے لیے اپنے ربّ سے استغفار ہی کروں گا' وہ یقیناً مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں قطع تعلق کرتا ہوں آپ سے بھی اور اُن تمام چیزوں سے بھی جن کو آپ پوج رہے ہیں' اور میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا' مجھے اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہیں رہوں گا''۔ (آیات ۴۲۔۴۸)

اس کے بعد حضرات اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے انبیاء کرامؑ میں سے آدم کی اولاد میں' اور ان میں جن کو سوار کرایا ہم نے نوحؑ کے ساتھ' اور ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی اولاد میں' اور ان میں جن کو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا۔ (ان لوگوں کی شان یہ رہی ہے کہ) جب بھی اُن کے سامنے رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ فوراً سجدے میں گر جاتے ہیں اور روتے ہیں۔ (آیت سجدہ) البتہ اُن کے بعد اُن کی آئندہ نسلوں میں ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے' سو وہ عنقریب جہنم میں پڑ کر رہیں گے۔'' (آیات ۵۸۔۵۹)

ایک بات کا ذکر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے آیا ہے۔ جب آپؐ نے جبرائیلؑ سے شکوہ کیا کہ آپ دیر دیر سے آتے ہیں' ذرا جلدی جلدی آیا کریں تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو سکھلا دیا کہ جواب میں یوں کہیں:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝

''ہم تو آپؐ کے ربّ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے بیچ میں ہے۔ اور آپ کا ربّ بھولنے والا نہیں ہے۔''

آخری رکوع میں اس عقیدے کا ذکر ہوا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی غضب ظاہر ہوا ہے اور جس کا ذکر سورۂ کہف میں بھی آیا ہے' یعنی اللہ کے لیے اولاد تجویز کر لینا۔ اس پر اللہ کا جو غضب بھڑکا ہے اس کا اظہار پورے قرآن میں سب سے زیادہ سخت انداز میں اس مقام پر ہوا ہے۔ ارشاد ہوا کہ:

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ .....

''تم اتنی عظیم گستاخانہ بات کر رہے ہو' جس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑنے اور زمین شق ہونے کو ہے اور پہاڑ دھماکہ کے ساتھ گر جانے کو ہیں' کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ رحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے حضور بندے کی حیثیت میں پیش ہوں گے۔'' (آیات ۸۹۔۹۳)

آخری سے پہلی آیت خاص طور پر اس اعتبار سے اہم ہے کہ وہ مضمون اس میں اور زیادہ کھل کر آیا ہے جو اس سے قبل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تبشیر بھی اسی قرآن کے ذریعے سے کرنی ہے اور انذار بھی۔ فرمایا:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝

''(اے محمد ﷺ!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ اہلِ تقویٰ کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ سے جھگڑالو قوم کو خبردار کر دیں۔''

سُورۂ طٰہٰ

سورۂ طٰہٰ کے آٹھ رکوع اور ۱۳۵ آیات ہیں اور یہ تقریباً پوری کی پوری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ یوسف اور سورۂ طٰہٰ دو سورتیں ایسی

ہیں کہ جو تقریباً پوری کسی ایک نبی یا رسول کے حالات پر مشتمل ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں بنی اسرائیل کے آباد ہونے کا ذریعہ بنے تھے' جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے وہاں سے غلامی سے نجات پا کر واپس ارضِ فلسطین تک آنے کا ذریعہ بنے۔ یعنی بنی اسرائیل کی تاریخ کا مصر میں قیام پر مشتمل جو دور ہے' اس کا نقطۂ آغاز حضرت یوسفؑ اور نقطۂ اختتام حضرت موسیٰؑ ہیں۔

سورۂ طٰہٰ کا آغاز ہی لفظ ''طٰہٰ'' سے ہوا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ طٰہٰ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے اور یٰسٓ بھی۔ جس انداز میں یہ حروفِ مقطعات آئے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کا آغاز ہوتا ہے:

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝

''اے محمدؐ! ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا ہے کہ آپ نامراد رہیں۔''

عام طور پر مترجمین نے لِتَشْقٰی کا ترجمہ کیا ہے: ''تاکہ آپ مشقت میں پڑیں''۔ لیکن یہ مشقت سے نہیں بلکہ ''شقی'' سے مشتق ہے۔ جیسے کہ دو مرتبہ سورۂ مریم میں آیا ہے: ﴿لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۴﴾ ''پروردگار! میں تجھ کو پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا۔'' اور ﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۲﴾ ''اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔'' چنانچہ' یہاں درحقیقت خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اے نبی! آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ آپ ناکام ہوں یا آپ کفار سے مغلوب ہو جائیں' بالآخر آپ غالب آ کر رہیں گے' اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ البتہ درمیانی عرصہ میں تکالیف' امتحانات اور ابتلاء و آزمائش کا ایک دور ہے جس سے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو گزرنا ہے۔

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

''یہ (قرآن) تو ایک تذکیر اور یاددہانی ہے اُس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اُس کے الفاظ بھی اس سورت میں آئے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے تو آپؑ کو بایں الفاظ پکارا گیا:

''اے موسیٰ! یہ میں ہوں تمہارا رب' اپنے جوتے اُتار دو کہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں (ایک خاص مقصد کے لیے) منتخب کیا ہے' پس اسے توجہ سے سنو جو تم پر وحی کیا جا رہا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا میری ہی بندگی اور پرستش کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ اور یاد رکھو کہ قیامت آ کر رہے گی لیکن میں نے اُس (کے وقتِ معیّن) کو مخفی رکھا ہوا ہے تاکہ ہر ایک کو اُس کے کیے کا پورا بدلہ مل سکے۔ تو ایسے لوگ جو اس پر یقین نہیں رکھتے اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں تمہیں قیامت (کے فکر یا اُس کے یقین) سے غافل نہ کر دیں' اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔'' (آیات ۱۱۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس پہلی مخاطبت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

''(اچھا تو اب) تم فرعون کے پاس جاؤ' وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی وہ دوسرے رکوع کے بالکل آغاز میں وارد ہوئی ہے۔ کسی بھی داعیٔ حق کے لیے جو اپنے مشن کی کامیابی کے لیے کوشاں ہو' یہ دعا ہمیشہ ہمیش کے لیے نمونہ ہے کہ اپنے اہل وعیال میں سے' خاص طور پر اپنے بھائیوں میں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے پروردگار! ان کو میرے کام میں میرا شریک کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ربّ العزّت میں عرض کیا:

''پروردگار! میرے سینے کو کھول دے' اور میرے لیے میرے کام کو آسان بنا دے' اور میری زبان میں جو گرہ پڑی ہوئی ہے اس کو کھول دے تاکہ یہ میری بات کو سمجھیں۔ اور میرے لیے میرے اپنے خاندان میں سے میرا ایک ساجھی بنا دے (جو میرا بوجھ بٹانے والا ہو)۔ میرے بھائی ہارون کو (میرا ساجھی بنا دے)۔ اس کے ذریعے سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے اس کام میں شریک کر دے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری تسبیح بھی کریں اور کثرت سے تیرا

ذکر بھی کریں۔ یقیناً تو ہمارے حالات کا دیکھنے والا ہے۔'' (آیات ۲۵۔۳۵)

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾﴾ ''اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور!'' —— ''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ ان کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کو یہ بات الہام فرمائی تھی کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ اس طرح فرعون کے گھر میں ان کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ یہاں خاص طور پر اُس محبت و شفقت کا ذکر بھی فرمایا گیا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر القاء ہوا تھا اور جو انہیں دیکھتا تھا اُن کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ فرمایا: ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾﴾ ''اور میں نے تم پر اپنی محبت کا ایک عکس ڈال دیا تھا' تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔'' میں نے یہ خصوصی اہتمام کیا تھا کہ تمہاری تربیت و پرورش خاص میری نگرانی میں ہو۔ پھر فرمایا کہ تم یہاں ایسے ہی نہیں پہنچ گئے ہو' یہ تو ہمارا طے شدہ فیصلہ تھا اور تقدیرِ الٰہی تھی جو تمہیں یہاں لے آئی ہے: ﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾﴾۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک خاص مشن کے لیے تیار کیا ہے۔ پس اب تم اور تمہارا بھائی ہارون دونوں میری نشانیوں کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ.....!

چھٹے رکوع میں قرآن حکیم کے حوالہ سے یہ بات آئی کہ ہم نے اس قرآن کو قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے اپنی تمام دھمکیوں اور وعیدوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے غور و فکر کی طرف مائل ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

''اللہ بہت بلند و برتر ہے' بادشاہِ حقیقی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ اس قرآن کے نزول کے لیے جلدی نہ کیجیے جب تک کہ آپ کی طرف اُس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے' اور دعا کرتے رہیں کہ پروردگار' میرا علم اور زیادہ کر!''

آخری رکوع میں نبی اکرم ﷺ سے خصوصی خطاب ہے' جیسے مکی سورتوں کا بالعموم اسلوب ہے۔ فرمایا:

''پس اے نبی ﷺ! آپ صبر کریں اُس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور تسبیح کیا کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے قبل بھی اور اس کے غروب ہونے کے بعد بھی۔ اور رات کے اوقات میں بھی اور دن کے دونوں اطراف میں بھی' شاید کہ آپ (ظہورِ نتائج سے) راضی ہو جائیں۔'' (آیت ۱۳۰)

پھر اُسی مضمون کا یہاں بھی اعادہ کیا گیا جو سورۃ الحجر میں تقریباً انہی الفاظ میں بیان ہو چکا ہے کہ:

''اے نبی ﷺ! اپنی نگاہیں ہرگز اُس دنیوی مال و متاع اور ساز و سامان کی طرف نہ اٹھائیے کہ جو ہم نے ان گروہوں (کافروں اور مشرکوں) کو دے رکھا ہے (یہ صرف اس دنیا کی چمک دمک ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ ہم نے اِن کو صرف اس لیے دیا ہے) تاکہ اس کے ذریعہ ہم ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں۔ اور جو آپ کے رب کا رزق ہے وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے''۔ (آیت ۱۳۱)

یہاں رزق سے کیا مراد ہے؟ ہم اس کی تاویل سورۃ الحجر کی آیت کی روشنی میں کریں گے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ چنانچہ اصل رزق اور اصل دولت یہ قرآن عظیم ہے۔ آگے فرمایا:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

''اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگ رہے' بلکہ رزق تو ہم آپ کو دیں گے۔ اور عاقبت کا گھر تو تقویٰ ہی کے لیے مخصوص ہے''۔

سُورۃُ الاَنبِیَاء

سورۃ الانبیاء سات رکوع اور ۱۱۲ آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز اس یاد

دہانی سے ہوا ہے کہ:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

''لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت (یعنی قیامت کی گھڑی) قریب آ گیا ہے' اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد قرآن حکیم کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩

''(لوگو!) ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''

آگے چل کر فرمایا:

''اس (قرآن) میں اُن کے لیے بھی ذکر ہے جو میرے ساتھ ہیں اور اُن لوگوں کا ذکر بھی ہے جو مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ مگر اکثر لوگ حق کو جانتے نہیں' اس لیے اعراض کر رہے ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا صرف میری ہی بندگی کریں۔'' (آیات ۲۴۔۲۵)

تیسرے رکوع میں یہ مضمون آیا ہے کہ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ﴾ (آیت ۳۷) ''انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے۔'' یہ مضمون سورۂ طٰہٰ میں بھی بیان ہوا ہے کہ جلد بازی تو خیر کے کاموں میں بھی مناسب نہیں ہوتی۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں بھی انسان ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھے گا تو اس میں پختگی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر چھلانگیں یا زقند لگائے گا تو پھر وہ ناکام ہو جائے گا۔ جلد بازی انسان کے اندر کی ایک خلقی کمزوری ہے۔

سورۃ الانبیاء بھی ان سورتوں میں سے ہے جن میں انبیاء کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ آیت ۴۸ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خاصا طویل ہے۔ پھر حضرات لوط' اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے۔ حضراتِ نوح' داؤد' سلیمان اور ایوب علیہم السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔ خصوصاً حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا بہت اہم ہے جو ہم مسلمانوں میں بہت عام ہے اور

جس ''آیت کریمہ'' کا ہم ختم بھی کرتے ہیں: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ یہ آیت درحقیقت معرفتِ الٰہی کا ایک عظیم خزانہ ہے کہ انسان اس کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرے۔ اس کو ایک خاص طریقے سے لاکھ دو لاکھ دفعہ پڑھ لینے سے اس سے استفادہ کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تو اس کے اندر کی تاریکیوں میں انہوں نے اپنے رب کو پکارا: ''پروردگار! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' تو پاک ہے' بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔'' میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ یہ بالکل وہی بات ہے کہ جو حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی دعا کی صورت میں سورۃ الاعراف میں نقل ہوئی ہے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اور اگر تو ہمیں معاف نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ بعینہٖ الفاظِ قرآنی:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

''پس ہم نے اس کی فریاد سن لی اور اُسے غم سے نجات دی' اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

ان کے علاوہ حضرات زکریا' یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا بھی ذکر آیا ہے اور حضرت مریم سلام علیہا کا بھی۔

سورۃ الانبیاء کے آخر میں وہ آیت مبارکہ بھی آئی ہے جو ہمیں بہت محبوب ہے اور ہمارے ہاں سیرت کی تقاریر کا عنوان بنتی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾﴾ ''(اے محمد ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے

لیے رحمت بنا کر۔'' پھر آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

''(اے نبی ﷺ!) اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تو تمہیں کھلے بندوں دعوت پہنچادی ہے۔ باقی مجھے نہیں معلوم کہ جس عذاب کی دھمکی تمہیں دی جارہی ہے وہ قریب ہے یا ابھی کچھ فاصلہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند آواز سے کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور اُس سے بھی واقف ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور مجھے کیا معلوم' ہوسکتا ہے کہ یہ تاخیر تمہارے لیے ایک آزمائش کے طور پر ہو اور ابھی تمہیں کچھ دیر کی مہلت ملنے والی ہو۔ آخر کار پیغمبرؑ نے دعا کی کہ اے پروردگار! فیصلہ صادر فرمادے حق کے ساتھ۔ اور ہمارا پروردگار جو رحمٰن ہے اُسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن تمام باتوں پر جو تم کر رہے ہو۔'' (آیات ۱۰۹۔۱۱۲)

❀❀❀

⑤ سُورۃُ الحَجّ، سُورۃُ المُؤمِنُون، سُورۃُ النُّور

سُورۃُ الحَجِّ

سورۃ الحج ۱۰ رکوعوں اور ۷۸ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے مکّی یا مدنی ہونے میں علماء کے مابین کچھ اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے مضامین کا بیشتر حصہ مکی سورتوں کے مضامین سے مشابہ ہے' لیکن اس میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ میرا اپنا تأثر یہ ہے کہ یہ سورت دراصل مکّی ہے' اس کے تمام مضامین اور اس کا پورا تانا بانا بالکل مکی سورتوں کے مشابہ ہے' البتہ اس کی بعض آیات جن کے مدنی ہونے کا گمان ہوتا ہے وہ مدنی نہیں بلکہ برزخی ہیں' یعنی مکّہ سے مدینہ کے سفرِ ہجرت کے دوران نازل ہوئیں۔ ایک جانب مکّہ کے حالات تھے جہاں لوگ رسول اللہ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ وہاں سے حضور ﷺ کو جان بچا کر جس طرح بھی ممکن ہوسکا نکلنا پڑا۔ تین دن تک آپؐ غارِ ثور میں روپوش رہے۔ اس کے بعد بھی آپؐ کا تعاقب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپؐ کو بچایا۔ دوسری

جانب مدینہ منورہ کا حال یہ تھا کہ وہاں آپؐ کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور مدینہ میں آپؐ کا داخلہ بلا مبالغہ ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہوا۔ یہ حالات کا ایک عظیم الشان فرق تھا جو ہجرت کے نتیجہ میں واقع ہو رہا تھا۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اب جو تبدیلی حضور ﷺ کے طرزِ عمل میں پیدا ہونے والی تھی وہی ان آیات میں بیان ہوئی ہے اور میرے نزدیک ان کے نزول کا بہترین موقع سفرِ ہجرت ہی بنتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع میں بڑے پُرجلال انداز میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہوا ہے۔ ابتدائی آیات ہی لرزا دینے والی ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝

''اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو' قیامت کا زلزلہ یقیناً بہت بڑی شے ہوگی۔''

اُس دن کی ہولناکی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

''جس روز تم اسے دیکھو گے' ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی' ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا' اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے' حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔''

آپ کے علم میں ہے کہ رضاعت کا دَور ایک خاص دَور ہوتا ہے۔ اگرچہ ماں کی ممتا اور محبت تو بعد میں بھی ہوتی ہے اور ہمیشہ ہی رہتی ہے لیکن اس خصوصی دَور میں تو اس کا کوئی تصور ہی ممکن نہیں۔ صرف انسانوں کا ہی معاملہ نہیں بلکہ حیوان بھی اپنے دودھ پیتے بچوں کے ساتھ ایسی محبت اور شفقت رکھتے ہیں کہ ماں اپنے شیر خوار بچے کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ ایسا ہیبت ناک دن ہوگا کہ اُس روز دودھ پلانے والی مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی اور دہشت سے تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے' اور اُس روز کی سختی کے اثرات سے لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔

پھر فرمایا کہ انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں (اس میں زیادہ اشارہ اللہ کی قدرت کے بارے میں ہے کہ جس کے ذریعے وہ تمام نوعِ انسانی کو دوبارہ پیدا کر کے جمع کرے گا) کٹ حجتیاں کرتے اور من گھڑت دلیلیں دیتے ہیں' حالانکہ نہ تو ان کے پاس کوئی راہنمائی اور ہدایت ہے اور نہ ہی کوئی روشن کتاب موجود ہے جس کی بنیاد پر وہ دلیل بازیاں کرتے ہیں۔ اگر ان کی زندگیوں' سیرت و کردار اور معاملات (جو کہ نہایت پست اور گھٹیا ہیں) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرکش شیطان کے پیروکار ہیں' حالانکہ اُس شیطان کے بارے میں تو یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ جو کوئی بھی اس کو اپنا ساتھی بنائے گا تو وہ اس کو گمراہ کر کے جہنم کی آگ میں پہنچا کر رہے گا۔

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں اولاً خود انسان کی تخلیق سے استشہاد کیا گیا اور پھر مُردہ زمین کی مثال دی گئی کہ تم دیکھتے ہو کہ بارش کے برسنے سے اس میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ پھر تم اس میں کیسے شک کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا؟

دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہم سب کے لیے جو بعث بعد الموت کا اقرار کرتے ہیں' عملی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ ارشاد ہوا کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں کنارے کنارے۔ (گویا ایک لفظ میں پوری صورت حال کی تصویر دے دی گئی۔) اگر خیر خیریت ہے' فائدہ پہنچ رہا ہے' کوئی امتحان و آزمائش نہیں ہے تو بڑے آرام و اطمینان سے چلتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ابتلا آ جاتی ہے تو اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ کیفیت دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے کا باعث ہے' اور یہی تو صریح خسارہ ہے۔ یہ درحقیقت منافقت کی ایک تعبیر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شعوری منافقت ہو' بلکہ یہ غیر شعوری منافقت ہے' جو حقیقی اور قلبی منافقت ہے۔ مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ جب اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کرے تو اس طور سے کہ ''ہر چہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم!''

حق و باطل کے مابین کشمکش کے ضمن میں آیت ۱۵ ایک اہم آیت ہے اور مشکلاتِ قرآن میں سے ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بیشتر لوگ اس میں سرگرداں رہے ہیں اور بہت کم لوگ اس کو سمجھ پائے ہیں۔ اس میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں مؤمن کا واحد سہارا اللہ کی مدد کی اُمید ہے' لیکن شیطان کے وسوسوں کے زیر اثر کبھی ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ اس امید کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کیفیت ہو جائے تو پھر انسان کے پاس کون سا سہارا رہ جاتا ہے؟ تو اس آیت میں دراصل یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنی اُمید کے رشتے کو کمزور نہ پڑنے دو' اُس کی مدد پر یقین رکھو' وہ آ کر رہے گی۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں آیا ہے کہ سفرِ ہجرت کے دوران آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ یہ یقین ہو تو آدمی قائم رہے گا' ورنہ اس کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ گر پڑے گا۔ اس کے لیے یہ تمثیل دی گئی ہے:

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی مدد نہ کرے گا اسے چاہیے کہ ذرا بلندی کی طرف ایک رسّی تان لے' پھر اس رسّی کو کاٹ دے' پھر ذرا دیکھے کہ اُس کی یہ تدبیر اس چیز کو رد کر سکتی ہے جو اسے ناگوار ہے؟''

یعنی اللہ کی نصرت کی اُمید ہی ہماری آس ہے۔ یہی وہ حبل اللہ ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اُسی کو منقطع کر دیں پھر تو ہمارے لیے کوئی سہارا رہے گا ہی نہیں۔ گویا پھر تو ہم آسمان سے زمین پر پٹخ دیے جائیں گے۔

آگے جا کر آیت ۳۱ میں ایک اور تمثیل بیان ہوئی ہے کہ جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو شریک مقرر کرے تو وہ ایسا ہے گویا آسمان سے گر پڑے اور پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کا جھونکا اسے کسی دُور افتادہ جگہ پر پھینک دے۔ یعنی حالات کا ایک ریلا آئے گا اور اس کو بہا لے جائے گا۔ اس کے قدم جمے نہیں رہیں گے۔

اس سورۂ مبارکہ کے تیسرے رکوع کے آخری حصہ سے پانچویں رکوع تک مناسکِ

حج کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں مناسک حج کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ البقرۃ میں جو ہم پڑھ چکے ہیں اور دوسری مرتبہ اس سورۃ الحج میں۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَالۡبَادِ ؕ وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾

''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی (روئے سخن قریشِ مکہ کی طرف ہے) اور جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے روک رہے ہیں' جسے ہم نے یکساں (بلا امتیاز) تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے' مقامی ہوں یا باہر سے آنے والے' (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ) ہر اُس شخص کو جو اس (مسجد حرام) میں از راہِ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

یہاں اہلِ ایمان کی غیرت کو بھی للکارا جا رہا ہے کہ مشرکین نے تمہیں مسجد حرام میں داخلے اور حج و عمرہ سے روک دیا ہے اور تمہیں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب تمہیں یہاں سے نکل کر ٹھنڈی چھاؤں یا گوشۂ عافیت میں جا کر بیٹھ نہیں رہنا ہے بلکہ اب تمہاری جدوجہد کا ایک نیا مرحلہ (phase) شروع ہونے والا ہے۔ اب تمہیں توحید کے اس مرکز کو مشرکوں کے تسلط سے آزاد کرانا ہے۔

مسجد حرام کے بارے میں یہاں ایک عجیب بات فرمائی گئی ہے کہ اس میں ہم نے یہاں رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کو بالکل برابر کر دیا ہے۔ یہ نہایت اہم اعلان ہے' جس کی رو سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر سے آنے والوں پر کوئی خصوصی اور امتیازی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ تمام اہلِ ایمان کے لیے ایک کھلا شہر (open city) ہے۔ اس میں اگر کوئی قدغنیں لگائی جائیں گی تو وہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہوں گی۔ اسی طرح وہاں پر جو کرائے وصول کیے جاتے ہیں وہ پرلے درجے کی حرام خوری ہے جو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ کے مطابق ارضِ مکہ کا کرایہ حرام ہے۔ اس لیے کہ وہاں تو لوگ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے آتے ہیں جس کو

آج کل ان لوگوں نے کمائی کا دھندا بنا رکھا ہے۔ پھر اس گھر کی تعمیر کا مقصد بتایا گیا کہ یہ گھر توحید کا مرکز بنے اور یہاں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جو لوگ بھی یہاں طواف' قیام اور رکوع و سجود کے لیے آئیں تو ان کی خاطر ہمارے گھر کو پاک و صاف رکھا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ .....

یعنی لوگوں کو حج کے لیے پکارو تو وہ چلے آئیں گے پیدل بھی اور ہر اُس اونٹنی پر بھی جو طویل سفر کر کے دبلی ہو چکی ہو گی' ہر دور دراز مقام سے گہری کھائیوں کو عبور کرتے ہوئے آئیں گے اور ہمارا یہ گھر آباد رہے گا تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو ان کے لیے یہاں رکھے گئے ہیں اور وہ چند معیّن دنوں میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو ہم نے انہیں عطا کیے ہیں۔

قربانی جو کہ مناسکِ حج کا ایک اہم جزو ہے اس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں نہیں آیا۔ اس سورت میں اس کا ذکر نہایت اہتمام کے ساتھ آیا ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اللہ تک نہ تو ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون' البتہ اگر تقویٰ ہے تو وہ پہنچ جاتا ہے۔

پانچویں رکوع کی آخری آیت اور چھٹے رکوع کی آیات میرے نزدیک برزخی آیات ہیں' جن میں ہجرت کے نتیجہ میں تبدیل ہو جانے والی صورتِ حال کی جانب اشارہ ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

''یقیناً اللہ تعالیٰ مدافعت فرمائے گا اہل ایمان کی جانب سے۔ یقیناً اللہ کسی خائن کافرِ نعمت کو پسند نہیں کرتا۔''

ان خائنین کو جنہوں نے بیت اللہ کے متولی ہونے کے ناطے سے خیانت کی ہے اور جو ناقدرے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اب سمجھ لیں کہ پانسہ پلٹنے والا ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ کی مدد کا سورج اب اہل ایمان کے لیے طلوع ہو گا۔ اس کے بعد وہ اہم

آیت آئی ہے جس کے نتیجے میں مکی دور کا صبرِ محض (Passive Resistance) کا مرحلہ اب اقدام (Active Resistance) کے مرحلے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ .....

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی' اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا' اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے جن کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے کہا ہمارا رب صرف اللہ ہے۔''

اس سے آگے انتہائی زوردار اور تاکیدی انداز میں فرمایا:

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

''اللہ تعالیٰ لازماً مدد کرے گا ان کی جو اُس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

اس سے اگلی آیت میں گویا ایک طرح کا منشور (manifesto) بیان کر دیا گیا کہ اب اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان مدینہ پہنچ کر جو ایک چھوٹی سی شہری ریاست قائم کرنے والے ہیں وہاں ان کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہم زمین میں تمکّن عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

سورۃ الحج کا آخری رکوع اس اعتبار سے بہت جامع ہے کہ ان چھ آیات میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ آ گیا ہے۔ پہلی چار آیات میں بڑے جامع انداز میں ایمان کی دعوتِ عمومی یعنی تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ' توحید' اللہ کی صفاتِ کمال' نبوت و رسالت' بعث بعد الموت کو ماننے کی دعوت ہے۔ اس کے بعد دعوت خصوصی ہے ان لوگوں کے لیے جو پہلی دعوت کے ماننے کا اقرار کریں۔ یعنی یہ دعوتِ عمل ہے اُن کے لیے جو ایمان کا دعویٰ یا اقرار کریں۔

توحید کے حوالے سے مخاطبین کو ایک مکھی کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم جن

کو پوج رہے ہو ان کی بے بسی اور لاچارگی کا تو یہ عالم ہے کہ وہ ایک مکھی کی تخلیق پر بھی قادر نہیں چاہے مل جل کر زور لگا لیں۔ حتیٰ کہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس کو واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ کتنے لاچار ہیں یہ معبود اور کتنے بے بس ہیں جو ان کو پوج رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا اندازہ نہیں کر سکے جیسا کہ انہیں کرنا چاہیے تھا۔ یقیناً اللہ قوی اور عزیز ہے۔ رسالت کے حوالے سے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی چُن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ چنانچہ یہ وحی اللہ سے جبرائیلؑ کو اُن سے محمد رسول اللہ ﷺ کو اور پھر اُن کے ذریعے انسانوں کو منتقل ہوئی ہے۔

آخری دو آیات ہم سب اہلِ ایمان کے لیے اہم ترین ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں چار فعلِ امر جمع ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

''اے اہلِ ایمان! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی اور پرستش کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

مجرد زبانی اقرار سے کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ مذکورہ بالا چار شرائط پوری نہ کی جائیں۔ اس سے بھی اہم تر بات آخری آیت میں بیان ہوئی ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط .....

''اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اس کام کے لیے) چُن لیا ہے، اور دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ (قائم رہو) اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہوں اور تم نوعِ انسانی پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ (کی رسّی) کو مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے، سو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!''

سُورۃُ المُؤمِنُون

سورۃ المؤمنون چھ رکوع اور ایک سو اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا بھی پہلا رکوع ہمارے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ اندازِ بیان اور مضامین سے معلوم ہوتا ہے اس کا نزول مکہ کا دورِ متوسط ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ اور کفارِ مکہ کے درمیان سخت کشمکش برپا تھی۔ اس سورت کا مرکزی مضمون اتباعِ رسولؐ کی دعوت ہے اور پورے مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اس سورت کے پہلے رکوع کا مضمون سورۃ الحج کی آخری آیت کے ساتھ بڑا مربوط ہے۔ وہاں بات ختم ہوئی تھی اقامتِ صلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ پر اور یہاں بات شروع ہو رہی ہے فلاح پانے والوں کے اوصاف سے جو نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے' لغو باتوں سے اعراض کرنے والے' زکوٰۃ کی ادائیگی پر کاربند رہنے والے' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے' اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے اور اپنی نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں۔ انہی کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

اُس کے بعد آیات ۱۱ تا ۱۶ بہت اہم ہیں' جن میں علم الجنین (embryology) جیسے اہم مضمون کے حوالے آئے ہیں۔ اس ضمن میں ویسے تو قرآن مجید میں جا بجا اشارات موجود ہیں' سورۃ الحج میں بھی تفصیل سے ان مراحل کا ذکر آیا ہے جن سے جنین رحم مادر میں گزرتا ہے' لیکن اس مقام پر تخلیق انسانی کے جملہ مراحل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

> ''ہم نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے خلاصے سے۔ پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر (رحم مادر میں) ٹھہرائے رکھا۔ پھر ہم نے اُس نطفے کو علقہ کی شکل دی' پھر علقہ کو مضغہ بنایا' پھر مضغہ کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر (ان تمام مراحل سے گزار کر) ہم نے اس کو ایک اور ہی تخلیق بنا دیا۔ تو بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام خالقوں سے بہتر تخلیق فرمانے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم کو یقیناً اٹھا کھڑا

کیا جائے گا۔'' (آیات ۱۲۔۱۶)

دوسرے اور تیسرے رکوع میں اختصار کے ساتھ کچھ انباء الرسل آئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ چیزیں سورۃ الاعراف' سورۂ ہود اور سورۃ الحجر میں بھی آ چکی ہیں۔ آیت ۳۷ میں بڑی جامعیت کے ساتھ ''نظریۂ دہریت'' کی تعبیر چند الفاظ میں آ گئی ہے جہاں کافروں کا یہ قول نقل ہوا ہے:

اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۳۷﴾

''کوئی اور زندگی نہیں ہے سوائے ہماری اس دُنیوی زندگی کے' ہم خود ہی مرتے ہیں' خود ہی زندہ رہتے ہیں' اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

اہلِ ایمان کی کچھ صفات کا ابتدا میں ذکر ہوا تھا' چوتھے رکوع کے تقریباً وسط میں ان میں کچھ اور صفات کا اضافہ کیا گیا ہے:

''یقیناً وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں اپنے ربّ کا خوف اور تقویٰ ہے اور وہ اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جو اپنے رب کی آیات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور (اُس کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل اس احساس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ انہیں اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو خیرات' حسنات اور بھلائیوں کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی آگے نکل جانے والے ہیں۔'' (آیات ۵۷۔۶۱)

چھٹے رکوع کے شروع میں (جیسا کہ اکثر مکی سورتوں کے اختتام پر ہوتا ہے) حضور ﷺ کو تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ یہ دعا مانگئے: ''اے پروردگار! تو اگر مجھے دکھا ہی دے جس کی دھمکی انہیں دی جا رہی ہے (یعنی عذاب اگر میری زندگی ہی میں آ جائے اور تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے) تو مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کیجیو''۔ (آیات ۹۳' ۹۴) پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم جس چیز کی ان کو دھمکی دے رہے ہیں اسے آپ کو دکھانے پر قادر ہیں۔ اب جن حالات سے آپ کو سابقہ ہے تو اچھی طریقہ پر مدافعت کیجیے' بدی کا مقابلہ حسنہ کے ساتھ کیجیے۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو

کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔ اور یہ کہا کرو ''اے پروردگار! میں تیری ہی پناہ میں آتا ہوں شیطانوں کے چھوت لگانے سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ شیاطین میرے پاس آئیں۔'' (آیات ۹۷، ۹۸)

پھر فرمایا کہ جب کسی کی موت آ جائے گی تو وہ خواہش ظاہر کرے گا کہ اس کو لوٹا دیا جائے اور کچھ مہلت مل جائے تا کہ کچھ نیک کام کر آئے۔ اس آرزو کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہرگز نہیں' یہ تو جب جان پر بنی ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے' ورنہ یہ پھر وہی حرکتیں کرے گا جو پہلے کرتا رہا ہے۔ اب ان سب کے آگے ایک برزخ حائل ہے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ تو لوگوں کے درمیان رشتہ داریاں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کی بابت پوچھیں گے۔

آخر میں ارشاد ہوا:

''تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار اور بے مقصد پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے؟ بہت بلند و بالا ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ باعزت تخت کا مالک ہے۔ اور جو شخص بھی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو (اپنی حاجت روائی کے لیے) پکارتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پا سکیں گے۔ اور (اے نبی!) دعا کرو کہ اے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما' اور یقیناً تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے''۔ (آیات ۱۱۵۔۱۱۸)

سُورۃُ النُّور

یہ سورۃ بالاتفاق مدنی سورت ہے جو نو رکوعوں اور ۶۴ آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ یونس سے مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ سورۃ المؤمنون تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ مدنی سورت ہے اور حسنِ اتفاق سے مصحف میں یہ ساتویں مدنی سورت ہے۔ اس کی پہلی آیت خاص طور پر اشارہ کر رہی ہے کہ اس میں بعض اہم احکامِ شریعت بیان

ہو رہے ہیں:

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

''یہ ایک عظیم سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور جسے ہم نے فرض ٹھہرایا ہے اور اس میں ہم نے بڑی واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

اس میں سب سے پہلے جو حکم آیا ہے وہ حد زنا ہے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ ان کے معاملے میں کوئی رحمت و شفقت اور نرمی تمہارے دلوں میں پیدا نہیں ہونی چاہیے اگر تم واقعتاً اللہ پر اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہو' اور یہ بھی کہ یہ حد لوگوں کی موجودگی میں جاری کی جائے تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ قرآن حکیم میں زنا کی سزا کے سلسلہ میں یہی آیت وارد ہوئی ہے' لیکن شریعت اسلامی کے دوسرے سرچشمے یعنی سُنّتِ رسول اللہ ﷺ نے یہ معیّن کر دیا ہے کہ یہ حد غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے ہے' جبکہ شادی شدہ مرد و عورت کے لیے زنا کی سزا رجم ہے۔ یہ سُنّتِ رسولؐ سے بھی ثابت ہے اور خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے۔ سوائے خوارج اور اس دَور کے منکرین حدیث کے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

اس کے بعد قذف اور لِعان کی حدود کا ذکر آیا ہے۔ قذف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے۔ ایسے شخص کے لیے اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا کا حکم آیا ہے اور یہ بھی کہ اس شخص کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ لعان یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس چار گواہ موجود نہ ہوں۔ وہ شخص چار مرتبہ قسم کھا کر کہے گا کہ میں درست کہہ رہا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت۔ اس کے جواب میں اگر اس کی بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھا لے کہ یہ مجھ پر غلط الزام لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو' تو وہ سزا سے بچ جائے گی۔ لیکن اگر بیوی قسم نہ کھائے تو اس پر حد جاری کر

دی جائے گی۔ یہ معاملہ لعان کہلاتا ہے۔

بعدازاں سیرتِ نبویؐ کے ایک اہم واقعہ کا ذکر ہوا جو نبی اکرم ﷺ کے لیے انتہائی اذیت اور تکلیف کا موجب رہا۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا معاملہ ہے۔ دوسرے رکوع میں اس کا بیان شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اُن تمام لوگوں کو ایک طرح سے بری کرنے کا حکم دیا گیا' کیونکہ اس معاملے میں ملوث تمام لوگ منافق نہیں تھے' بلکہ انہیں ''عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ'' (تمہارا ہی ایک گروہ) فرمایا۔ ان میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت اور دیگر مؤمنین بھی تھے' جن سے خطا ہوگئی۔ چونکہ انسان کی طبعی کمزوری ہے کہ وہ بُری بات کو ذہناً جلدی قبول کر لیتا ہے' اس لیے اس کمزوری کا ظہور اُس دور میں اس معاملہ میں بھی ہوا۔ تاہم اس شر میں سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ اس کے نتیجے میں قذف اور زنا کی حدود کا بیان قرآن حکیم میں ہوا اور یہ واقعہ بہت سے دیگر احکامِ شریعت کے نزول کا ذریعہ بنا۔ البتہ واضح کر دیا گیا کہ اس معاملہ میں جس جس نے جس قدر حصہ لیا اس نے اسی قدر گناہ کمایا۔ ارشاد ہوا:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

''ان میں سے ہر شخص کو اتنا گناہ ہوا جتنا کچھ اس نے کیا تھا' اور جس شخص نے اس معاملے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا اُس کے لیے تو بڑا سخت عذاب ہے۔''

تیسرے رکوع میں مزید احکام بیان ہوئے جن کا تعلق گھریلو زندگی سے ہے۔ سب سے پہلے گھروں میں داخلے کے احکام بیان ہوئے۔ پھر گھر کے اندر پردے کے احکام دیے گئے۔ واضح رہے کہ عورت کا ایک پردہ گھر سے باہر نامحرموں سے ہے' جس کے احکام سورۃ الاحزاب میں آئے ہیں' جبکہ سورۃ النُّور میں گھر کے اندر کا پردہ مذکور ہے کہ مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں میں کس طرح رہنا چاہیے۔ گھر میں رہتے ہوئے مَردوں کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں' اور عورتیں ساتر رہیں' ان کے سروں پر دوپٹے ہوں اور انہوں نے دوپٹوں کے بُکل اپنے سینوں پر مارے ہوئے

ہوں۔اس کے بعد محرموں کی فہرست آئی ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا پانچواں رکوع جو اس کا بالکل وسطی رکوع ہے' ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔قرآن مجید کے اندر اس کی حیثیت یوں سمجھئے جیسے کسی قیمتی زیور کے اندر ایک قیمتی ہیرا جڑا ہو۔اس رکوع میں تین عظیم تمثیلات بیان ہوئی ہیں۔سب سے پہلے ایمان باللہ کی تمثیل بایں الفاظ بیان ہوئی:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں دیا رکھا ہو' اور وہ دیا ایک چمنی میں ہو (اس کے گرد شیشہ ہو) اور وہ شیشہ ایسے چمک رہا ہو جیسے کوئی چمکدار ستارہ' اور اس میں زیتون کے ایسے مبارک درخت کا تیل جل رہا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔اس کا تیل بھڑک اُٹھنے کو بے تاب ہو اگرچہ اسے آگ نے ابھی چھوا بھی نہ ہو۔یہ روشنی پر روشنی ہے۔اللہ اپنے اسی نور کی طرف راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے۔اور اللہ تو ہر چیز سے باخبر ہے''۔ (آیت ۳۵)

یہ کیفیت دراصل سلیم الفطرت لوگوں کی ہوتی ہے کہ ان کے اندر نورِ فطرت تو پہلے سے موجود ہوتا ہے اور جیسے ہی ان کے سامنے نورِ وحی آتا ہے ان کا آئینہ قلب جگمگا اٹھتا ہے۔اس کے بعد کچھ کیفیات بیان ہوئی ہیں کہ جن کے دلوں میں یہ نور پیدا ہو جاتا ہے وہ مساجد میں اللہ کو صبح و شام یاد کرتے ہیں۔انہیں ان کے کاروبار اللہ کے ذکر' اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے۔وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جب مارے خوف کے دل اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

اس کے بعد دو تمثیلیں اہلِ باطل کے لیے ہیں۔ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اگرچہ ایمان نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ کوئی نہ کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ایک پیاسا صحرا نورد دُور سے تپتی ہوئی ریت کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ پانی ہے اور اس کی طرف چلتا رہتا ہے۔پانی تو اس کو ملتا نہیں' البتہ موت اس کی منتظر ہوتی ہے۔وہ اللہ کے حضور پہنچ جاتا

ہے جہاں اس کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔

دوسری مثال ایسے لوگوں کی بیان ہوئی جو اپنی زندگی سراسر عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں صرف کر رہے ہیں اور جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی دور ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں ان گھٹا ٹوپ تاریکیوں کی مثال دی گئی جو کسی سمندر کی گہرائی میں ہوں۔ رات بھی اندھیری ہو اور اوپر بادل بھی ہوں۔ یعنی تہ در تہ تاریکی۔ ایسی تاریکی میں جب وہ اپنا ہاتھ باہر نکالتا ہے تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ جس کو اللہ ہی کی جانب سے نور عطا نہ ہوا ہو تو اس کو کہیں سے بھی نور نہیں مل سکتا۔

آیت ۴۵ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ساتویں رکوع کے آغاز میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اس کے بعد آیت ۵۵ میں ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کرنے والوں سے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا۔ یہ آیۂ مبارکہ ''آیتِ استخلاف'' کہلاتی ہے۔

آٹھویں رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں تمہارے نوکر چاکر اور چھوٹے بچے بھی اجازت لے کر تمہارے ہاں آئیں۔ نماز فجر سے قبل، دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بوڑھی عورتیں جو اَب نکاح کی امیدوار نہ ہوں، وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔

سورۂ مبارکہ کے آخر میں اہلِ ایمان کی ان امور کی جانب رہنمائی کی گئی جن سے اسلامی نظم جماعت میں ایک عمدہ ماحول اور باہمی اعتماد کی فضا برقرار رہ سکتی ہے —— ارشاد ہوا:

> ''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جب وہ ان (ﷺ) کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو وہ وہاں سے ہرگز نہیں جاتے

یہاں تک کہ اُن سے اجازت حاصل کر لیں ..... مسلمانو! اپنے درمیان رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے سٹک جاتے ہیں۔ رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔ خبردار رہو! آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ جس روز لوگ اس کی طرف پلٹائے جائیں گے وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' (آیات ۶۲۔۶۴)



چوتھا گروپ

الفُرقان .....تا..... الاَحزَاب

سُورۃُ الفُرقَان

مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل گروپنگ کے اعتبار سے ہم تیسرے گروپ کا مطالعہ مکمل کر چکے ہیں' جس میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں مکی ہیں اوراس کے بعد ایک مدنی سورت سُورۃُ النُّور ہے۔ اب سورۃ الفرقان سے چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے' اس میں مسلسل آٹھ مکّی سورتیں ہیں اور پھر ایک مدنی سورت سورۃ الاحزاب ہے۔

سورۃ الفرقان ۶ رکوع اور ۷۷ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ میں بار بار لفظ ''تَبٰرَكَ الَّذِیْ'' کی تکرار ہے' یعنی بڑی بابرکت ہے وہ ہستی۔ جس طرح سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کے مضامین میں بڑی مشابہت ہے' جس کی بنا پر ان دونوں سورتوں کو جوڑا قرار دیا جا سکتا ہے' اسی طرح سورۃ الفرقان اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین میں بھی گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس سورت کا مطلع بھی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کے بہت مشابہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا تھا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ.....﴾ سورۃ الکہف کے آغاز میں ارشاد ہوا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ .....﴾ اور سورۃ الفرقان کا آغاز ہو رہا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝۱

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل اور صداقت و کذب کو علیحدہ کر دینے والی شے) تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا بنے۔''

گویا نزولِ قرآن کا مقصد ہے انذار یعنی خبردار کر دینا۔ اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا.....﴾ (سبا:۲۸)

اِلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝

''وہ ذات جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی، جس نے کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی نہیں بنایا اور بادشاہت میں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی نے ہر شے پیدا کی اور اُس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا۔''

اب ذرا اس کا موازنہ کریں سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے جو توحید کا ایک عظیم خزانہ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ تمام شکر و تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا یا بیٹی بنایا ہے اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ ہی اس سبب سے کہ وہ کمزور ہے کوئی اس کا مددگار ہے، اور اس کی بڑائی بیان کیجیے جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے۔''

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں ذکر آیا کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے معجزوں کے مطالبے کیے۔ یہاں سورۃ الفرقان کے پہلے رکوع میں قرآن حکیم پر کفار کے اعتراضات بیان ہوئے کہ اسے آپ نے خود ہی گھڑ لیا ہے یا یہ پرانے وقتوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں، درآں حالیکہ یہ اُس ہستی کا نازل کردہ ہے کہ جو زمین و آسمانوں کے بھید جانتا ہے۔ پھر آپ ﷺ کی ذات پر اعتراضات کیے گئے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا بھی ہے، بازاروں میں بھی پھرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ کیوں نہ کوئی فرشتہ ان کی طرف نازل کیا گیا؟ یا ان پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا پھر کوئی ایسا باغ ہی دے دیا جاتا جس سے خود

بخود پھل اور میوے ان کو ملتے رہتے اور کوئی معاشی جدوجہد نہ کرنی پڑتی۔ اس کے جواب میں دوسرے رکوع میں یہ بتایا گیا کہ دراصل یہ قیامت کی گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں' اور ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے' ورنہ اللہ تو اس پر قادر ہے کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اور محلات آراستہ کر دیتا۔ لیکن یہ اس کا طریقہ اور سنت نہیں ہے۔ پھر حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب کھاتے پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ ہم نے انسانوں کو خبردار کرنے کے لیے ہمیشہ انسان ہی بھیجے ہیں' البتہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنا دیا ہے۔

تیسرے رکوع کی ابتدا ان الفاظ سے ہو رہی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ

(آیت ۲۱)

''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں ہماری ملاقات کی اُمید نہیں ہے کیوں نہیں نازل کیے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے ربّ کو؟''

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انہوں نے بڑا استکبار اور گھمنڈ کیا ہے اور سرکشی میں یہ بہت دور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ خدا کی پناہ!

آیت ۲۳ میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو لوگ نیک اعمال دُنیوی شہرت اور دکھاوے کے لیے کرتے ہیں اللہ کی نگاہ میں ان کا کوئی وزن نہیں ہے۔ ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں ایک ٹھوکر لگا کر اڑتی ہوئی خاک بنا ڈالیں گے۔ اسی رکوع میں یہ آیت بھی آئی ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

اس آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ قومِ قریش کے بارے میں دنیا میں بھی حضور ﷺ کا اللہ کی جناب میں یہ شکوہ ہو کہ میری قوم نے تیری کتاب کو ترک کر کے رکھ

دیا ہے۔ دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی لیا گیا ہے کہ آخرت میں حضور ﷺ کی یہ فریاد ہوگی کہ میرے ماننے والوں نے میرے بعد اس کتاب کو پیٹھ دکھا دی تھی۔

اس کے بعد ایک اعتراض نقل ہوا کہ یہ پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہیں اتار دیا گیا؟ بتایا گیا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن نازل کر کے اس کے ذریعے آپؐ کا دل مضبوط کرتے رہیں۔ اس کے بعد کچھ انبیاء و رسل اور سابقہ قوموں کا ذکر ہوا ہے۔

اس رکوع کے آخر میں یہ بہت اہم آیت آئی ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ﴿۴۳﴾

''(اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے اُس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا آپ اسے راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہیں؟''

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تو چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں اور اپنی قدرت بیان فرمائی ہے۔ آیت ۵۰ میں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

''ہم نے اس (کتاب کے مضامین) کو دہرا دہرا کر ان کے سامنے بیان کر دیا ہے تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں' لیکن اکثر لوگوں نے انکار اور ناشکری ہی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت کا موازنہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۱ سے کریں تو یہی مضمون وہاں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۵۲ میں وارد شدہ یہ الفاظ نہایت اہم ہیں:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

''تو آپ ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے' اور ان کے ساتھ جہاد کیجیے اس قرآن کے ذریعے بہت بڑا جہاد۔''

معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ کے مرحلے پر جہاد کے لیے اصل ہتھیار قرآن

ہے' جبکہ اللہ کی راہ میں سر بکف ہو کر میدانِ کارزار میں نکلنے کے مرحلے پر مؤمن کا ہتھیار تلوار ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔ اس رکوع میں ایک مردِ مؤمن کی شخصیت کے اعلیٰ اوصاف بیان ہوئے ہیں' جنہیں ''عباد الرحمٰن'' کے اوصاف کہا گیا ہے۔ وہ جب زمین پر چلیں تو آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔ جاہل اور اجڈ لوگوں کے ساتھ الجھتے نہیں ہیں۔ وہ اپنے رب کے لیے اپنی راتیں عبادت میں کھڑے ہو کر اور سجدوں میں گزارتے ہیں۔ گڑگڑا کر اپنے رب سے جہنم سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے ہیں۔ نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں۔ نہ تو جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی جھوٹے کام پر اپنی موجودگی گوارا کرتے ہیں۔ اگر کسی لغویات کے پاس سے ان کا گزر ہو جائے تو اپنا دامن بچاتے ہوئے باعزت طریقہ سے گزر جاتے ہیں۔ جب اُن کو ان کے رب کی آیات کے حوالہ سے یاددہانی کرائی جاتی ہے یا نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے! یعنی ہمارے پیچھے چلنے والے لوگوں کو متقی بنا دینا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزا کے طور پر (انہوں نے دنیا میں جو صبر کی روش اختیار کی تھی) جنت کے بالاخانے ملیں گے' جہاں سلام اور دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

سُورۃُ الشُّعرَاء

یہ سورۂ مبارکہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے جن میں سے آٹھ رکوعوں میں اُولوالعزم پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ان پیغمبروں نے اپنی قوموں کے سامنے دعوت پیش کی' انہوں

نے اس دعوت کو رد کیا جس کی پاداش میں وہ ہلاک ہوئیں۔ سورۃ الاعراف کی مانند یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات تین رکوعوں پر مشتمل ہیں' جبکہ حضرات ہود' صالح' ابراہیم' لوط اور شعیب علیہم السلام کے حالات کا بیان ایک ایک رکوع میں ہوا ہے۔ ہر رسول کے حالات و واقعات کے تذکرے کے اختتام پر یہ دو آیتیں بار بار آئی ہیں: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝﴾ ''یقیناً اس میں بہت بڑی نشانی ہے' مگر ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔ اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آپ کا ربّ وہی ہے جو عزیز بھی ہے رحیم بھی ہے''۔ یعنی یہ لوگ جو ہر وقت معجزات طلب کرتے ہیں تو ان کو آفاق اور انفس میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں کیوں نظر نہیں آتی ہیں؟ یہ تمام اقوام وہ ہیں جن کے حالات اہل عرب کو معلوم تھے' کیونکہ یہ قومیں عرب کے اطراف ہی میں آباد تھیں۔

سورۃ الشعراء کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ تعدادِ آیات کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی مکی سورت ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت سورۃ البقرۃ ہے' جس کے ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔ حجم کے اعتبار سے سب سے بڑی مکی سورت سورۃ الاعراف ہے' جس کے ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات ہیں' کیونکہ اس کی آیات طویل ہیں۔ سورۃ الشعراء کی آیات چھوٹی چھوٹی ہیں اور تعدادِ آیات ۲۲۷ ہے۔

سورۃ الشعراء کا آغاز حروفِ مقطعات ''طٰسٓمٓ'' سے ہوتا ہے۔ 'ط' کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ حرف سانپ کی شکل میں لکھا گیا ہے' جیسے ایک پھنیر سانپ نے اپنا پھن اٹھایا ہوا ہو اور نیچے کنڈلی ماری ہوئی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ یہی تھا کہ ان کا عصا سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ اس حرف (ط) سے شروع ہونے والی سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کا مفصل ذکر ہے۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝

''طٰسٓمٓ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو (اس رنج اور صدمے سے) ہلاک کرلیں گے کہ یہ ایمان نہیں لا رہے!''

نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کی ضلالت و گمراہی' ضد اور ہٹ دھرمی دیکھ کر نہایت رنجیدہ اور غمگین ہوتے تھے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ ابتدا ہی اس حوالہ سے کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے لیے ایسی نشانیاں اتار دیں کہ ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں اور پھر یہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ بڑی سے بڑی نشانی دکھا دینا ہمارے اختیار میں ہے' لیکن یہ ہماری حکمت میں نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ آپ کی دعوت اسی قرآن کے ذریعہ سے پھیلے۔ معجزوں اور نشانیوں کے بجائے لوگ اپنی باطنی بصیرت کو کام میں لائیں اور عقل سے حقیقت کو پہچانیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ہی آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

دوسرے رکوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا جو مکالمہ آیا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ تین رکوع حضرت موسیٰؑ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے' لیکن سورۂ ہود اور سورۃ الحجر کے برعکس یہاں ان کا ذکر حضرت لوط علیہ السلام کے ذکر کے تابع ہو کر نہیں بلکہ آزادانہ (independently) آیا ہے۔ یہاں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر کوئی عذاب نازل ہوا ہو۔ یہ کوئی بڑی مستثنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تین اقوام حضرت ابراہیمؑ سے پہلے اور تین آپ کے بعد عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں اور تباہ و برباد کر دی گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے بھی آپؑ کی دعوت رد کی اور آپ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے' لیکن ان کی قوم کا حشر کیا ہوا اس کا قرآن حکیم میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب آپؑ اپنی قوم سے معاملہ کر رہے تھے تو آپؑ نے ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں فرمایا:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ﴿۷۸﴾

''سن لو' یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میرا دوست تو بس وہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت بھی دے گا۔''

انسان کو ہدایت دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں لا کر ڈال دے' یعنی اس کے حوالے کر دے' پھر اسے انگلی پکڑ کر راہِ ہدایت پر چلانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید کہا:

''وہی ہے جو مجھے کھلاتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے موت بھی دے گا پھر دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔ اور وہی ہے جس سے مجھے بڑی اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ (اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکرِ خیر جاری رکھ (کہ لوگ میرا نام اچھائی کے ساتھ یاد کریں) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔ اور میرے والد کو بھی معاف کر دینا' یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے اُس دن رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔'' (آیات ۷۹۔۸۷)

یہ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہے۔ ہدایت بھی طلب کر رہے ہیں اور خطاؤں سے معافی کے بھی طلب گار ہیں۔ اپنے آپ کو خطاؤں سے مبرا نہیں سمجھ رہے ہیں۔

اس کے بعد ایک ایک رکوع میں حضرات نوح' ہود' صالح' لوط اور شعیب علیہم السلام کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اس کو روح الامین نے (ہمارے حکم سے) عربی مبین میں آپؐ کے قلب پر اتارا ہے' تاکہ آپ خبردار کرنے والوں میں ہو جائیں۔ اور اس کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی ہے..... .....اور اس قرآن کو (ان کے کہنے کے مطابق) شیاطین (یا جنات) لے کر نہیں اترے۔ وہ نہ اس قابل ہیں اور نہ ان کے اندر یہ استطاعت ہے۔ ان کو تو وحی کی سماعت سے بھی روک دیا گیا ہے۔ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارنے لگنا ورنہ آپ بھی مبتلائے عذاب کیے جانے والوں میں ہو جائیں گے۔ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے اور ان اہلِ ایمان کے

لیے جو آپ کا اتباع کر رہے ہیں اپنے بازوؤں کو جھکا کر رکھیے۔ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو اُن سے اعلانِ براءت فرما دیجیے۔ اور توکل کیجیے اُس خدا پر کہ جو زبردست ہے، رحم فرمانے والا ہے۔ آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ کھڑے ہوتے ہیں رات کے وقت، اور یہ جو آپ نمازیوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا میں تمہیں آگاہ کروں کہ شیاطین کن پر اُترتے ہیں؟ (یہ پاک باز لوگوں پر نہیں اترتے بلکہ) اترتے ہیں ہر افترا پرداز گناہگار پر (جیسے مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے)۔ کچھ سنی سنائی باتیں القا کر جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ (یہ لوگ آپ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے ہیں، حالانکہ) شعراء کی پیروی کرنے والے تو اکثر بدکردار لوگ ہوتے ہیں۔ (اس کے برعکس آپ کے پیروکار تو انتہائی باکردار اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔) کیا تم نے شاعروں کو نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں ہوتے ہیں (اپنے کلام میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں) اور یہ کہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں (ان کے قول و فعل میں تو بڑا تضاد ہوتا ہے)۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور انتقام لیا بھی تو اس کے بعد لیا جب ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب ان ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے (اور وہ کس انجام سے دوچار ہوں گے۔)'' (آیات ۱۹۲۔۲۲۷)

سُورۃُ النَّمل

سورۃ النمل سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آغاز حروفِ مقطعات ''طٰسٓ'' سے ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

''طٰس۔ یہ قرآن حکیم اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہدایت اور بشارت ہے

اہلِ ایمان کے حق میں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

آگے فرمایا کہ اس کے برعکس جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم ان کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزین کر دیتے ہیں اور پھر وہ اسی راستے پر اندھا دھند چلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے بدترین سزا ہے اور آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ اور اے نبیؐ! یہ قرآن جو آپ کو دیا جا رہا ہے ایک حکیم اور علیم ہستی کے پاس سے آ رہا ہے۔

اس کے بعد رکوع کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں آخری آیت بہت اہم ہے' جس میں فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں فرمایا گیا:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

''اور انہوں نے (موسیٰؑ کی رسالت اور ان کے معجزات کا) انکار کیا ظلم اور تکبر کے مارے' حالانکہ ان کے دل اس کے قائل ہو چکے تھے۔ تو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ان مفسدوں کا!''

اگلے دو رکوعوں میں حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر آیا ہے اور خصوصاً حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ قرآن حکیم جو واقعات بیان کرتا ہے ان کا تذکیری پہلو خاص طور سے اُجاگر کرتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے اور ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ' کہیں حضرت سلیمان کا لشکر تمہیں کچل نہ دے' تو وہ متبسم ہوئے کہ انہوں نے چیونٹیوں کی بات کو سمجھ لیا اور فوراً بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا شکر ادا کر سکوں اُن انعامات پر جو تو نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائے اور میں نیک عمل کر سکوں کہ جن سے تو راضی ہو جائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

پھر جو خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ملکہ سبا کو بھیجا گیا تھا' اس کے بارے

میں ملکہ اپنے دربار میں اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر بتا رہی ہے کہ مجھ پر ایک بہت باعزّت خط ڈالا گیا ہے۔ یہ خط سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ ملکہ سبا کے فہم کا اندازہ اُس کی اس بات سے ہوتا ہے جو اُس نے اہلِ دربار سے کہی کہ جان لو بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے اندر فساد برپا کرتے ہیں' اس کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو نیچا کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی اہم سیاسی ضابطہ ہے کہ جب بھی کوئی حاکم قوم محکوم قوم کو دبانے کے لیے آتی ہے تو قوم کے اعلیٰ طبقات کے افراد کو ذلیل کرتی ہے اور گھٹیا لوگوں کو اُبھارتی ہے۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے ملکہ کا تخت اٹھوا لیا جو پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس پر بھی آپ نے فوراً اپنے رب کی تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کیا اور ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت قبول کر لی۔

اگلے رکوع میں حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مکّی سورتوں کے اسلوب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور بہت سی نشانیوں کا ذکر فرمایا اور کُفّارِ مکّہ کی کٹ حجتی اور ضد بیان فرمائی کہ ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی یہ راہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کو مُردوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ ''یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے''۔ پھر قیامت کے روز ان کا جو انجام ہوگا اُس کا ذکر کیا گیا۔

آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجیے:

''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس بستی (مکّہ مکرّمہ) کے ربّ کی بندگی کروں جس نے اس شہر کو محترم ٹھہرایا ہے اور جو ہر شے کا مالک ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے فرمانبرداروں میں سے بن جاؤں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کے لیے ہدایت پائی' اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اُس سے کہہ دیں کہ میں تو بس ایک خبردار کر دینے والا ہوں۔ اور آپ ان سے کہہ دیں کہ تمام تر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' وہ عنقریب تمہیں اپنی

نشانیاں دکھائے گا اور تم انہیں پہچان لو گے۔ اور تمہارا رب اُن اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔'' (آیات ۹۱۔۹۳)

سُورۃُ القَصَص

یہ سورۂ مبارکہ نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے چار رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پھر کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر واقعات جو آپؑ کے بچپن میں پیش آئے اور اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ میں آ چکے ہیں' دوبارہ تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کا اپنا ایک انداز ہے کہ مجرد اعادہ کہیں نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے اندر نئے نئے پہلو خصوصاً تذکیر کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ان تینوں میں ایک قریبی تعلق یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے حالات و واقعات کے مختلف اجزاء ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اور باہم مل کر ان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ سورۃ الشعراء میں نبوت کا منصب ملنے کے حوالہ سے حضرت موسیٰ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ قومِ فرعون کے ایک فرد کا قتل میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں جاؤں گا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ آگے کی بات وہاں بیان نہیں ہوئی بلکہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ النمل میں بات ایک دم یوں شروع ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اہل و عیال کو لے کر جا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایک آگ دیکھی۔ اس سفر کی کوئی تفصیل اُس سورۃ میں بیان نہیں ہوئی بلکہ وہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کو مکمل کر دیتی ہیں۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

''طٰسٓمٓ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''

آگے فرمایا:

''ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں موسیٰ اور فرعون کے حالات حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی

اختیار کی تھی اور اس نے زمین میں بسنے والوں کو گروہوں میں منقسم کر دیا تھا' ایک گروہ کو اُس نے دبا کر کمزور کر رکھا تھا' اُن کے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اُن لوگوں پر احسان فرمائیں جو زمین میں دبا دیے گئے تھے اور انہی کو ہم امامت دے کر زمین کا وارث بنا دیں۔'' (آیات ۳۔۵)

یہ پہلو جو اس سے پہلے اس طرح نہیں آیا اس سورۃ میں خاص طور پر نمایاں ہو کر آیا ہے۔ اِس دور کے حوالے سے بھی یہ ایک اہم بات ہے۔ معاشرہ کے اندر یہ طبقاتی تقسیم غلط نظام کی وجہ سے' خواہ سیاسی اعتبار سے غلط ہو یا معاشی اعتبار سے' پیدا ہو جاتی ہے' جو اس معاشرہ کی بدقسمتی کا بڑا سبب بنتی ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری داستان کا یہ پہلو یہاں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنی جان بچا کر مصر سے نکلے اور پورا صحرائے سینا عبور کر کے مدین پہنچے تو وہاں وہ واقعہ پیش آیا کہ کنویں پر چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو بچیاں خوف کی وجہ سے دور کھڑی تھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ وہاں آپ کی نہ تو کوئی جان پہچان تھی اور نہ ہی آپ کے پاس کوئی سرمایہ تھا' بالکل لاچاری کی کیفیت تھی۔ ایسے میں آپؑ نے اپنے رب سے جن الفاظ میں دعا کی وہ ہر شخص کو یاد کر لینے چاہئیں:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۵﴾

''پروردگار! تو میری جھولی میں جو خیر بھی ڈال دے میں اس کا محتاج ہوں۔''

یہ گویا ایک انسان کی احتیاج کی انتہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع میں فرمایا کہ یہ تو آپ کے رب کی رحمت ہے کہ ہم آپ کو ان تمام حالات سے مطلع کر رہے ہیں تاکہ آپؐ اُن لوگوں کو متنبہ کریں جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔

پھر چھٹے رکوع میں اہلِ کتاب میں سے ایمان لے آنے والوں کے بارے میں

فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے قبل یہودی تھے۔ فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے دُہرا اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغوبات سنتے ہیں تو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل' تم کو سلام ہے' ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔'' (آیات ۵۴۔۵۵)

اس کے بعد یہ آیت آئی ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

''(اے نبی ﷺ) آپ کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت دے دیں' بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

آٹھویں رکوع میں قارون کا ذکر آیا ہے جس کو اللہ نے اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کو اٹھانے کے لیے طاقتور لوگوں کا ایک گروہ درکار ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا' لیکن اپنی قوم کا غدار اور فرعون کے دربار میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھا۔ ایک دفعہ جب وہ اتراتا ہوا باہر نکلا تو اُس سے اس کی قوم نے کہا کہ اس طرح مت اتراؤ' اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور یہ جو مال اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی اوروں کے ساتھ احسان کرو اور ملک میں فساد برپا کرنے کا خواہاں نہ ہو' اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر قارون کہنے لگا کہ یہ مال و دولت تو مجھے میری ذاتی ہنرمندی اور علم کی وجہ سے ملا ہے۔

اُس کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے:

''کیا اسے یہ علم نہ تھا کہ اس سے پہلے اللہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس

سے کہیں زیادہ قوت رکھتی تھیں اور ان کے پاس مال و دولت بھی اس سے زیادہ تھا؟ اور (جب اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے تو) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔" (آیت ۷۸)

بالآخر قارون کا جو عبرت ناک انجام ہوا اس کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝

"پس ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اس قابل تھا کہ بدلہ لے سکے۔"

آخری رکوع کے آغاز میں یہ آیت آئی ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو دنیا میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور اچھا انجام تو متقیوں ہی کے لیے ہے۔"

سورۂ مبارکہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکارو۔ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔"

سُورۃُ العَنکبُوت

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت مکّہ مکرمہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت پورے زور و شور سے کی جا رہی تھی۔ یہ

مسلمانوں پر بڑے شدائد و مصائب اور ابتلا کا دور تھا۔ اس اعتبار سے میرے نزدیک یہ سورۃ قرآن حکیم کی اہم ترین سورۃ ہے کہ جب دعوتِ اسلامی' تحریکِ اسلامی دورِ ابتلا میں ہو' اُس پر تشدد کیا جا رہا ہو' اُس کے کارکن اور وابستگان آزمائشوں سے دوچار ہوں تو ایسی صورت میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل کیا ہے؟ اس ضمن میں اللہ کی طرف سے رہنمائی کیا ہے؟ علاوہ ازیں ایسے مشکل اور کٹھن حالات میں کن چیزوں سے قوت حاصل کی جا سکتی ہے؟ ایک بندۂ مؤمن اپنے لیے صبر اور سہارا کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

یہ تو سب جانتے ہیں کہ مخالفت اور استہزا تو نبی اکرم ﷺ کے آغازِ دعوت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا' لیکن شروع میں یہ چیزیں زبانی کلامی رہیں۔ کبھی کسی نے شاعر کہہ دیا' کبھی پاگل کہہ دیا' کسی نے ساحر اور کسی نے مسحور کے فقرے چست کر دیے' کبھی مجنون کہہ دیا گیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کسی اور سے dictation لیتے ہیں اور ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کو بار بار صبر کی تلقین کی جاتی رہی۔ جیسے سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰﴾ ''اے نبیؐ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور اُن سے لاتعلقی اختیار کیجیے خوبصورتی کے ساتھ''۔ اس لیے کہ انہی کو دعوت دینی ہے اور راہِ راست پر لانا ہے تو لاتعلقی اس طریقہ سے ہونی چاہیے کہ رابطہ نہ ٹوٹے' پھر بات کرنے کا موقع تو رہے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا گیا: ''اے نبی ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اُس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے' لیکن بہرحال آپ اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے اور اس کی جناب میں سجدے کرتے رہیے۔ اور اپنے ربّ کی بندگی میں لگے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔'' (آیات ۹۷۔۹۹)

تقریباً چار برس تک یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد کفار و مشرکین نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے زبانی کلامی بند باندھنے سے تو یہ دعوت نہیں رک رہی' بلکہ بات آگے پھیل رہی ہے۔ خصوصاً معاشرہ کے دو طبقات اس دعوت سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ ایک تو غلاموں کا طبقہ کہ وہ پسے ہوئے تھے۔ انہیں اس میں یہ اُمید کی کرن

نظر آتی تھی کہ اگر یہ دعوت پھیلتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے تو شاید ہمارے ساتھ بھی انسانوں کا سا سلوک ہونے لگے اور ہمیں بھی کوئی انسانی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دوسرے نوجوانوں کا طبقہ اس دعوت سے زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔ نوجوانوں کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ابھی بڑوں کے مقابلہ میں مصلحت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ جب کوئی بات سمجھ میں آ گئی تو اسے قبول کرنا اور اس کے لیے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو جانا جوشِ جوانی کا تقاضا ہے۔ جس بات کے حق ہونے پر ان کا دل ٹھک جائے تو وہ اس کے لیے جان و مال کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان دو طبقات میں دعوت پھیلنے اور لوگوں کے ایمان لانے سے کفار و مشرکین گھبرا گئے۔ لہٰذا اب انہوں نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تشدد (persecution) کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مارا پیٹا گیا اور انہیں گھروں میں بند کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر اس طرح دھونی دی کہ دم نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے مرن برت رکھ لیا کہ اگر سعد اپنے باپ کے دین میں واپس نہیں آتا تو نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے مادر زاد برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو قریش کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ نوجوانوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ جبکہ جو کچھ حضرات بلال، خباب بن الارت، آل یاسر رضی اللہ عنہم اور دیگر غلاموں اور کمزور لوگوں کے ساتھ ہو رہا تھا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ان حالات میں بعض حضرات کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر ہم پر یہ دورِ ابتلا کب تک جاری رہے گا؟ یہ سختیاں کب ختم ہوں گی اور اللہ کی مدد کب آئے گی؟ چنانچہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت آپؐ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا حضور آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے کہ ہماری مصیبتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو؟ اب تو یہ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے۔

اس پر آپؐ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''تم لوگ جلدی مچا رہے ہو۔ ابھی تو تم پر وہ حالات آئے ہی نہیں جو تم سے پہلوں پر بیت چکے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایمان لانے والوں میں سے کسی کو لا کر اس کا آدھا جسم زمین میں دبا دیا جاتا تھا اور پھر سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑوں میں چیر دیا جاتا تھا۔ اہلِ ایمان کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ لوہے کے کنگھوں سے ان کی ہڈیوں پر سے گوشت کو کھرچ دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم وہ دن آ کر رہے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہ ہوگا''۔ یہ وہ حالات تھے جن میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کا جو انداز ہے وہی انداز اس سورۃ کی ابتدائی آیات کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ابھی سے گھبرا کیوں گئے ہیں، ابھی تو بہت کچھ آنے والا ہے۔ فرمایا:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

''ال م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم نے تو ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (اور جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا تھا) پس اللہ ضرور کھول کر رکھ دے گا اُن کو جو صادق الایمان ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹ موٹ کے مدعیٔ ایمان بنے ہوئے ہیں۔''

اگلی آیت میں اہلِ ایمان کی دلجوئی کا انداز ہے کہ ''کیا وہ لوگ جو بُرے کام کر رہے ہیں (ہمارے اِن بندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں) سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے؟ بہت بُری رائے ہے جو انہوں نے قائم کی ہے''۔ مزید فرمایا کہ ''جو کوئی بھی (یہ سب کچھ جھیل رہا ہے اور) اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (اس کو مطمئن رہنا چاہیے کہ) اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے''۔ ہمارے یہ نیک بندے جب سختیاں جھیل کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے تو اپنے خلوص و اخلاص اور احسان کا بدلہ پائیں گے، اُن کو

خلعتوں سے نوازا جائے گا۔ آگے پھر ذرا ڈانٹ کا انداز ہے کہ تم یہ مت سمجھنا کہ تم اللہ پر کوئی احسان کر رہے ہو بلکہ ''جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو جہاد کرتا ہے اپنے لیے''۔ اس کا فائدہ اور نفع اسی کے لیے ہے' اس کی اپنی عاقبت سنورے گی۔ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''۔ دیکھئے سارا مضمون کس طرح مربوط ہے اور ترغیب و ترہیب دونوں کو اس میں سمو دیا گیا ہے۔ دو آیات ذرا ڈانٹ کے انداز میں آئیں' پھر دو آیات میں دلجوئی کا انداز ہے' پھر ایک آیت میں ذرا جھنجھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک اُمید بھری آیت ہے: ''جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم لازماً اُن سے ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا بہت عمدہ بدلہ دیں گے۔'' (آیات ۴ تا ۷)

اس کے بعد خاص طور پر وہ نوجوان جن پر ان کے والدین کی طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا' ان کے حوالہ سے ارشاد ہوا: ''ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی ہے حسنِ سلوک کی۔ لیکن اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کے لیے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے تو اُن کی بات مت مانو۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم ان کو داخل کریں گے صالحین میں''۔ (آیات ۸'۹) کس پیارے انداز میں نوجوانوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس وجہ سے اپنے اہل و عیال' والدین' بھائی بندوں' رشتہ داروں سے کٹ جاؤ اور علیحدہ ہو جاؤ تو ڈرو اور گھبراؤ نہیں' ہم تمہیں ان سے بہتر معیت عطا فرمائیں گے۔

اس کے بعد ایک نہایت اہم آیت آئی ہے۔ جیسے کہ سورۃ الحج کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے اسی طرح کا یہ مقام بھی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ط .....

''لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ پر' پھر جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے

عذاب کی طرح سمجھتے ہیں۔ اور (اے نبیؐ) اگر آپ کے ربّ کی جانب سے مدد آ جائے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ تھے۔ تو کیا اللہ خوب واقف نہیں ہے اُس سے جو کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے؟ اور وہ تو بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون واقعی صاحبِ ایمان ہے اور کون منافق ہے۔'' (آیات ۱۰۔۱۱)

کچھ بزرگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں اور نوجوانوں کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہتے ہیں کہ کس کے پیچھے لگ گئے ہو' تم ناسمجھ ہو' اپنا کیریئر داؤ پر لگا رہے ہو' اپنے بڑوں کے راستے پر ہی چلو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ کے ہاں تمہاری پکڑ ہو جائے گی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں' تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی ہم اٹھاتے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب بھی ہم دیں گے۔ فرمایا گیا کہ ''ایسے لوگ اپنے بوجھ تو قیامت کے دن لازماً اُٹھائیں گے ہی' اُس کے ساتھ مزید اضافی بوجھ بھی انہیں اُٹھانے پڑیں گے۔ اور قیامت کے دن اُن سے لازماً اُن افترا پردازیوں کے متعلق پوچھا جائے گا جو وہ کرتے رہے ہیں''۔ (آیت ۱۳) سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی یہ تیرہ آیات میرے علم کی حد تک اس موضوع پر قرآن حکیم کا نقطۂ عروج ہیں۔

اگلے تین رکوعوں میں کچھ انباء الرسل بیان ہوئے ہیں' لیکن ان حضرات کی دعوت کے حوالہ سے صرف وہ پہلو بیان ہوئے ہیں جو اس سورۂ مبارکہ کا اصل مضمون ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر صرف اس حد تک آیا کہ ''ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف تو وہ انہیں ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتا رہا''۔ یعنی اصل میں اشارہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانو تم ابھی سے گھبرا گئے ہو' ہمارے بندے نوحؑ کو یاد کرو جو ساڑھے نو سو برس استہزاء و تمسخر برداشت کرتے ہوئے دعوت دیتا رہا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ کیسے کیسے مسائل سے گزرے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قول میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان فرمائی گئی:

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

(آیت ۲۵)

''اور (ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی) کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بُتوں کو معبود ٹھہرا لیا ہے تو یہ تمہارے مابین محبت و مودّت کی وجہ سے ہے۔''

نفسیاتی اعتبار سے یہ بات بڑی اہم ہے۔ بسا اوقات ایک شخص مان لیتا ہے کہ میں جس جماعت یا گروہ سے وابستہ ہوں اس کے نظریات درست نہیں ہیں' لیکن محض دوستیوں اور رشتہ داریوں کی بنا پر ان کے ساتھ منسلک رہتا ہے۔ اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دینے کا تذکرہ ہے۔ پھر مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت اور عاد و ثمود' قارون' فرعون اور ہامان کا ذکر ہے۔ اسی سیاق میں وہ بہترین تمثیل بھی آئی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر لوگ جن کو اپنے پشت پناہ اور مددگار بناتے ہیں ان کا معاملہ اس مکڑی کی مانند ہے جو جالا بُنتی ہے تو اسے بڑا مضبوط گھر سمجھتی ہے' حالانکہ گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی عقائد کے ایسے تانے بانے بُن لیتے ہیں اور اُنہی کے اندر بیٹھے رہتے ہیں۔

آخری تین رکوعوں میں اہلِ ایمان کو عملی اعتبار سے ہدایات دی گئی ہیں کہ ایسے حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں پانچویں رکوع کی پہلی آیت (جہاں سے اکیسویں پارے کا آغاز ہو رہا ہے) بہت اہم ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

''(اے نبی ﷺ!) تلاوت کرتے رہو اُس کتاب کی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کو قائم رکھو' بلاشبہ نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

ان حالات میں صبر و استقامت اور ثبات کے لیے سب سے اہم چیز اللہ کی یاد ہے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو قدم جمے رہیں گے' کسی مصیبت سے ہراساں نہ ہو گے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو اُسے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔ آگے فرمایا کہ اہلِ کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہترین طریقے

پر، سوائے ان کے جو مخالفت کا ادھار کھائے بیٹھے ہوں اور بات سننے کو تیار ہی نہ ہوں.....

اس کے بعد چھٹے رکوع میں ایک نہایت اہم آیت آئی ہے جس میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ اس سے قبل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النحل میں ہجرت کا ذکر آچکا ہے، لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید میں یہ اس اعتبار سے پہلا مقام ہے۔ ارشاد ہوا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

''اے میرے بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو، میری زمین بڑی کشادہ ہے، پس میری ہی بندگی کرو۔''

یعنی اگر میری بندگی کرتے ہوئے جینا ممکن نہ رہے تو اس زمین کو چھوڑ دو، اللہ تمہیں اور جگہ مہیا کر دے گا۔

ساتویں رکوع کے آغاز میں وہی مضمون دہرایا گیا ہے کہ مصائب و شدائد برداشت کرنے والوں کے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تمہارا اصل گھر وہی آخرت کا گھر ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں کی بڑی سے بڑی مشکل بھی آج نہیں تو کل آسان ہو ہی جائے گی۔ آخر میں جو لوگ ان مصائب کا شکار ہیں اور اللہ کے راستے میں مشقتیں اٹھا رہے ہیں اُن کے لیے بہت ہی اُمید افزا بات فرمائی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

''وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم لازماً اپنے راستوں کی طرف اُن کی رہنمائی کریں گے۔ اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔''

سُورۃُ الرُّوم

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ سورۃ الانعام اور سورۃ النمل سے بہت مشابہ ہے۔ اس کے بالکل آغاز میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور محمد ﷺ کا اللہ کے رسولِ برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اس حوالے سے تاریخی واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ

کی بعثت مبارکہ سے کئی سو سال قبل سے عرب کے شمال میں سلطنتِ روما اور سلطنتِ فارس (ایران) دو عظیم طاقتیں (super powers) تھیں، جن کے مابین ہمیشہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے مکی دور کے درمیانی زمانہ میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین پر حق و باطل کی جو کشمکش ہو رہی تھی اُس پر اِس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے مشرکین نے بغلیں بجانی شروع کر دیں۔ اس لیے کہ رومی عیسائی اہلِ کتاب تھے جبکہ ایرانی مجوسی یعنی آگ کے پجاری تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو چڑایا کہ دیکھو جن سے تمہیں کوئی نسبت ہے، یعنی رومی عیسائی اہلِ کتاب، ان کو شکست ہوگئی ہے اور جن سے ہماری کوئی نسبت ہے یعنی ایرانی مجوسی ان کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو کچھ افسردگی ہوئی۔ چنانچہ ان حالات میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی، جس میں اہلِ روم کے غالب ہونے کی پیشین گوئی کی گئی۔ ارشاد ہوا:

الٓمّٓ ۝١ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝٢ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝٣

''الم۔ رومی قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن یہ اس کے بعد عنقریب دوبارہ غالب آ جائیں گے۔''

ان دونوں حکومتوں کے درمیان شام و عراق کا علاقہ ہی میدانِ جنگ بنتا تھا، کبھی ایرانی رومیوں سے اس کو چھین لیتے تھے اور کبھی رومی آگے بڑھ کر ایرانیوں سے یہ علاقہ چھین لیتے تھے۔ ﴿فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ﴾ ''چند ہی سالوں میں۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی''۔ ﴿وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝٤ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اُس دن اہلِ ایمان بہت خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے''۔ ﴿يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٥﴾ ''وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ وہ زبردست اور رحیم ہے''۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ اللہ کا وعدہ ہے''۔ ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦﴾ ''اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ یہ جانتے نہیں''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نو سال بعد ہرقل نے ایرانیوں کو غیر متوقع عظیم شکست

سے دوچار کیا۔ اور یہ عین وہی موقع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو کفار پر میدانِ بدر میں فتح مبین عطا فرمائی۔ یوں اہلِ ایمان کے لیے یہ دہری خوشی تھی۔

آگے بڑی پیاری آیت ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

''وہ دنیا کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔''

اگلی آیات میں ان غافلین کو مختلف انداز میں تنبیہہ کی جا رہی ہے:

''کیا انہوں نے کبھی اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، برحق اور ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے؟ مگر بہت سے لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اپنے سے پہلے والوں کا انجام نظر آتا؟ وہ لوگ ان سے قوت میں بھی کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمینیں بھی جوتی تھیں اور زمین کو جس قدر ان لوگوں نے آباد کیا ہے اس سے بہت زیادہ اُن لوگوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے مگر انہوں نے (نہ مان کر) خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' (آیات ۸ تا ۱۰)

اس حوالے سے اگر آج ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہم بھی غافلین ہی میں شامل نظر آتے ہیں، اگرچہ ہم آخرت کو عقیدہ کے طور پر مانتے ہیں لیکن ہماری تمام سعی و جُہد اور بھاگ دوڑ صرف اس دنیا ہی کے لیے ہے۔

آیات ۱۵ اور ۱۶ میں مؤمنین اور کافرین کے انجام کا تقابل کے انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ باغات میں ہوں گے اور ان کی خوب آؤ بھگت ہوگی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا وہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔''

آیات ۱۷ اور ۱۸ میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''پس پاکی بیان کرو اللہ کی شام کے وقت (مغرب و عشاء) صبح کے وقت

(فجر)'..... پچھلے پہر (عصر) اور دوپہر کے وقت (ظہر)۔''

ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت وعظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ''آفتاب'' عالمِ اَجسام کا سب سے روشن کُرّہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض وتاثیر سے شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو' اسی بنا پر ستارہ پرستوں نے اسے ''معبودِ اکبر'' قرار دیا تھا۔ ان مذکورہ پانچ اوقات میں آفتاب کے عجز و بیچارگی کا کھلا مظاہرہ ہوتا ہے۔

سورت کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل نشانیوں کا تذکرہ فرمایا گیا: (۱) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا (۲) بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانا (۳) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا (۴) انسان کا اسی کی قسم سے جوڑا بنانا اور آپس میں محبت و الفت ڈالنا (۵) آسمانوں اور زمین کا بنانا (۶) رات دن کا بنانا (دن کو روزی کی تلاش اور رات کو نیند کے لیے) (۷) آسمان سے بارش برسانا (۸) زمین و آسمان کو اپنے حکم سے کھڑا کرنا۔ ان نشانیوں کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ﴾ ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا اور وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ (دوبارہ لوٹانا) اس پر زیادہ آسان ہے''۔ یہ فرما کر منکرینِ آخرت کے منہ بند کر دیے جو دوبارہ لوٹائے جانے کے انکاری تھے۔ (آیات ۱۹ تا ۲۷)

چوتھے رکوع میں ایک نہایت اہم مضمون آیا ہے کہ دین اسلام ہی دین فطرت ہے' اس میں کوئی غیر فطری قدغن نہیں لگائی گئی ہے۔ اوّلاً حضور ﷺ کو اور آپؐ کے توسط سے تمام اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا کہ یکسو ہو کر اپنے چہرے کو اللہ کے دین کی طرف سیدھا رکھو' اِدھر اُدھر نہ بھٹکو۔ یہی دین قیم ہے' لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہو' اُسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ (آیات ۳۰۔۳۱)

سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آیا کہ ان کے مطالبہ پر ہم اگر ان کو کوئی نشانی دکھا بھی دیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں

رکھتے' مہر کر دیا کرتا ہے۔ اور اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے' اللہ کا وعدہ سچا ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے' کہیں آپ کو ہلکا اور کمزور نہ کر دیں۔ لہٰذا پوری قوت کے ساتھ جمے رہیے اور دعوت دیتے رہیے۔ (آیات ۵۸ تا ۶۰)

سُورۃ لُقمَان

سورۂ لقمان چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے کافی مشابہت رکھتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے شروع میں ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝٢﴾ اور یہاں ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۝٣﴾ فرمایا۔ وہاں تقویٰ کا ذکر ہے اور یہاں احسان کا جو ایک بلند تر مقام ہے۔ تقویٰ کی حیثیت بنیاد کی ہے۔ فرمایا کہ یہ محسنین نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر فی الواقع یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ایمان بالآخرۃ صرف عقیدہ کے طور پر نہ ہو بلکہ سیرت و کردار میں یہ تمام صفات موجود ہوں تبھی آخرت پر حقیقی ایمان موجود ہو گا۔ ان کے بارے میں فرمایا: ''یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔'' (آیات ۱ تا ۵)

آیت ۶ ہمارے دور کے لحاظ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ کلچر کے نام پر شیطان نے رقص و سرود اور ان جیسی نمعلوم کتنی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کا مقصد انسان کو ان مشاغل میں اس طرح مصروف رکھنا ہے کہ کبھی اللہ کی طرف اس کا دھیان ہی نہ ہو۔ ارشاد ہوا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٦

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہو ولعب کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور بن سمجھے (اللہ کے دین اور اس کے راستہ کو) ہنسی مذاق بناتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے رسوا کن

عذاب ہے۔''☆

اس سورۃ کا دوسرا رکوع بہت اہم ہے جس میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت بیان ہوئی ہے۔ یہ رکوع ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' میں بھی شامل ہے۔ حضرت لقمان نہ تو نبی تھے نہ رسول اور نہ ہی کسی نبی کے اُمتی تھے' بلکہ ایک سلیم الفطرت انسان تھے۔ سورۃ الروم میں ہم نے پڑھا کہ یہ دین دینِ فطرت ہے۔ چنانچہ سلیم الفطرت اور سلیم العقل شخص اپنے غور وفکر کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کی دعوت اللہ کا کوئی پیغمبر دیتا ہے۔ اس کی گواہی اور مثال کے طور پر حضرت لقمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝

''اور ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی تا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ (معلوم ہوا کہ حکمت اور دانائی وہی ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے شکر کی کیفیت پیدا ہو۔) اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی اور حمید ہے (وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے)۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا' یقیناً شرک بڑی ہی ناانصافی اور بہت بڑا ظلم ہے۔''

آیات ۱۴۔۱۵ کا پس منظر یہ ہے کہ اُس وقت مؤمنین کو اپنے آباء واَجداد کی جانب سے سخت دباؤ کا سامنا تھا کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ جو درحقیقت شرک پر مبنی تھا۔ اس حوالے سے وصیت کی گئی کہ اپنے والدین اور خصوصاً ماں سے حسنِ

☆ ''لهو الحديث'' کی تعریف حضرت حسن بصریؒ سے یوں منقول ہے: كل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو' مثلاً فضول قصہ گوئی' ہنسی مذاق کی باتیں' واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔

سلوک کرو۔ آگے فرمایا: ''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرا شریک مان اس کو جو تجھے معلوم نہیں، تو ان کا کہنا مت مان، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ، اور چل اُس شخص کے طریق پر جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہو۔''

آیات ۱۷ تا ۱۹ میں ایک باپ (حضرت لقمان) اپنے بیٹے کو چند باتوں کے بجا لانے اور چند باتوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ اوامر و نواہی آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرمایا:

''اے بیٹے نماز قائم کر، اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور مصائب پر صبر کر کہ یہ کام باہمت لوگوں کا ہے۔ اپنے گال لوگوں کے لیے مت پھلا (یعنی تکبّر مت کر) اور زمین میں اکڑ کر مت چل کہ اللہ کو کوئی متکبّر اور اترانے والا پسند نہیں۔ اپنی چال درمیانی رکھ اور اپنی آواز پست رکھ، یقیناً بُری سے بُری آواز گدھے کی ہے (کیونکہ وہ گلا پھاڑ کے آواز نکالتا ہے)۔''

آیت ۳۳ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے دن والدین اور اولاد ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٣٣﴾

''اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس دن سے ڈرتے رہو کہ جس دن نہ کوئی اولاد اپنے والد کے کام آ سکے گی اور نہ والد اپنے اولاد کے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دیکھنا کہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور وہ بہت بڑا دھوکہ باز (یعنی شیطان) تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ایک ہے۔ اس میں پانچ چیزوں کا تذکرہ ہے جن کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ احادیث میں ان مذکورہ پانچ چیزوں کو ''مفاتیح الغیب'' فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا

تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝

''یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور وہی بارش برساتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم مادر میں ہے۔ اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

موجودہ دور میں اس حوالے سے ایک اشکال پیدا ہوا ہے کہ جینیٹک سائنس اس درجہ ترقی کر گئی ہے کہ قطعیت و حتمیت کے ساتھ اب یہ پیشین گوئی کرنا ممکن ہو گیا ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اس آیت کا مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں رہا ہے وہ واقعی یہی تھا کہ ان پانچ باتوں کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اگرچہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ جینیٹک سائنس کی پیشین گوئی سو فیصد یقینی نہیں ہوتی، لیکن اصل بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ مذکورہ بالا پانچ چیزوں میں سے تین کو تو اُس نے مثبت طور پر (positively) بیان کیا ہے کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے، لیکن دو چیزوں کے بارے میں دوٹوک انکار (Categorically deny) کیا ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ یہ جو اسلوبِ بیان کا فرق ہے میرے نزدیک یہی قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ وہ دو چیزیں یہ ہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی —— ان دو باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ باقی جو چیزیں مثبت انداز میں بیان ہوئی ہیں کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے، اس میں لازماً وہ نص قطعی نہیں آتی کہ کسی اور کو ان کا علم نہیں ہے۔

سُورۃُ السَّجْدَۃ

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ نزول مکہ مکرمہ کا تقریباً وسطی دور ہے۔ اس کے پس منظر میں ظلم و ستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو گزشتہ دو سورتوں میں

نظر آتی ہے۔

قرآن کریم کی دو سورتیں اپنے اسلوب کے اعتبار سے منفرد ہیں' ایک سورۃ یٰسین اور دوسری سورۃ السجدۃ۔ ان کا انداز ایسا ہے جیسے دل کی دھڑکن ہوتی ہے اور یہ دونوں سورتیں متحرک معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی آیات اور مضامین باہم اس قدر مربوط اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک آیت کو علیحدہ رکھ کر سمجھنا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ مبارکہ سے خاص تعلق تھا اور جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آپؐ بالعموم اسی سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورۃ کا موضوع توحید' آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کرنا اور ان تینوں حقیقتوں پر ایمان کی دعوت دینا ہے۔

سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''ال م۔ اس کتاب کا اتارا جانا بلاشبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔''

آگے فرمایا:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے؟ (نہیں' اے پیغمبر ﷺ!) بلکہ یہ حق ہے آپؐ کے پروردگار کی طرف سے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُس قوم کو جس کے پاس پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔''

اس کے بعد آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر ہے۔ پھر آیات ۷ تا ۱۱ میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد منکرینِ آخرت کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں پھر زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ فرمایا:

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور انسان کی پیدائش کا آغاز گارے سے کیا۔ پھر اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنایا۔ پھر اس کو (نک سک سے) درست کیا اور پھونکی اس میں اپنی روح اور بنا دیے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل۔ تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔ اور (یہ

منکرین) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں مرکھپ جائیں گے تو کیا ہمیں نیا بننا ہے! بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے تم کو موت کا فرشتہ قبض کر لیتا ہے جو تم پر مقرر ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔''

آیات ۱۵، ۱۶ میں اہلِ ایمان کی ان صفات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا:

''ہماری آیات پر بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو رات کے وقت اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں خوف اور اُمید کے ساتھ اور جو کچھ بھی ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''پس کسی کو علم نہیں کہ کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی رکھا گیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔''

جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ))[1] یعنی وہاں اہل ایمان کے لیے وہ کچھ موجود ہوگا جو (دنیا میں) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا۔

اس کے بعد مؤمن اور فاسق کا انجام کے حوالے سے موازنہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص مؤمن ہو وہ اس شخص کے برابر ہو جائے جو نافرمان ہو؟ (نہیں، یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہو سکتے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کا ٹھکانہ جنت ہے، جو ان کے اعمال کے سبب ان کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة۔ وصحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب۔

مہمانی ہے۔ اور جو لوگ نافرمانی کرتے رہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اس عذاب سے نکلنا چاہیں انہیں اس میں دوبارہ لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو آگ کا عذاب جس کا تم انکار کرتے تھے۔'' (آیات ۱۸ تا ۲۰)

آگے ارشاد ہوا:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

''اور ہم ان کو قریب کے عذاب (کا مزا) بھی اس بڑے عذاب کے علاوہ چکھا کر رہیں گے' شاید کہ یہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک اہم قانون کا حوالہ ہے کہ اس اُمت پر چھوٹے چھوٹے عذاب جن کی حیثیت تنبیہات کی ہوتی ہے' قیامت تک آتے رہیں گے' لیکن نسیاً منسیا کر دینے والا عذابِ استیصال جو ان چھوٹے عذابوں کے بعد آتا ہے' جیسے کہ قومِ نوح' قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ پر آیا' اس کا اب اندیشہ نہیں' اس لیے کہ وہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کوئی رسول آ کر کسی قوم پر اتمامِ حجت کر دے' لیکن وہ قوم اس کے باوجود انکار کر دے تو وہ قوم عذابِ استیصال کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ اب چونکہ تا قیامِ قیامت کوئی اور رسول نہیں آئے گا اس لیے وہ جڑ کاٹ دینے والا عذاب بھی نہیں آئے گا۔

خاتمہ کلام پر نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے فیصلہ کن فتح کا وقت پوچھتے ہیں۔ اِن سے کہہ دیجیے کہ جب فیصلے کا وقت آ جائے گا تو اس وقت کافروں کا ایمان لے آنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا' (لہٰذا ابھی مان لو بجائے اس کے کہ اُس وقت کے انتظار میں بیٹھے رہو۔) پس اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کی باتوں کی کچھ پروانہ کریں اور انتظار کریں' یہ بھی منتظر ہیں۔ (آیات ۲۸ تا ۳۰)

سُورَۃُ الاَحْزَاب

زیرِ مطالعہ گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکّی سورتوں کے بعد سورۃ الاحزاب واحد مدنی سورۃ ہے۔ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑے

کا تعلق ہے ـــــ سورۃ الاحزاب نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں تین اہم واقعات کا ذکر ہے' یعنی غزوۂ احزاب' غزوۂ بنی قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح۔ یہ تینوں واقعات ۵ ھ میں پیش آئے' لہٰذا یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اس زمانہ میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر اور زندگی کے ہر گوشہ میں اصلاح کا کام جاری رہا۔ قوانین نکاح وطلاق اس عرصہ میں تقریباً مکمل ہو گئے' وراثت کا قانون بنا' شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا اور معیشت ومعاشرت کے حوالے سے بہت سے نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

اس ضمن میں ایک نہایت اہم مسئلہ اصلاح کا متقاضی تھا اور وہ تھا متبنّٰی یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کا مسئلہ۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع اسی سے متعلق ہے۔ دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح عربوں میں بھی یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اگر کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا تو ہر معاملہ میں اس کی حیثیت اصل بیٹے کی سی ہو جاتی تھی۔ قرآن نے اس دستور کو ختم کیا۔ بتا دیا گیا کہ بیٹا وہی ہے جو اپنے باپ کی صُلب سے ہو اور ماں وہی ہے جس نے اس کو جنا ہو۔ معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو جو تقدس حاصل تھا اس کو ختم کرنا مقصود تھا' لیکن یہ تقدس صرف قانونی طور پر اتنی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ صدیوں کے جمے ہوئے تعصّبات واوہام کو ختم کرنے کے لیے کسی انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات ان کے سابقہ رسم ورواج کے تحت انتہائی معیوب تھی' لیکن اس رسم ورواج کو ختم کرنا اسی طرح ممکن تھا۔ چونکہ معاملہ ایسا تھا کہ اس پر شدید مخالفانہ پراپیگنڈہ ہونے کا امکان تھا' چنانچہ سورۃ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

''اے نبی (ﷺ)! اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے' بے شک اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپ پر وحی کیا جا رہا ہے اسی کا اتباع کیجیے' یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔ اور (اے نبی ﷺ) اللہ پر توکل کیجیے (کسی کی مخالفت اور کسی اعتراض کی کوئی پروانہ کیجیے) اور کارساز ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کافی ہے۔''

سورۂ مبارکہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ جن حالات میں یہ غزوہ واقع ہوا وہ سب کے علم میں ہیں۔ اس موقع پر اہل ایمان کی شدید ترین آزمائش ہو گئی۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک چھوٹی سی بستی جو چند ہزار گھروں پر مشتمل ہے' بستی کے اندر مارِ آستین یعنی یہودی موجود ہیں جو عین وقت پر پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتے ہیں' بارہ ہزار کے لشکر نے اُس بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایسی پریشان کن صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اچھی طرح جانچ اور پرکھ لیا۔ اس کا ذکر یوں کیا گیا:

''اے اہلِ ایمان! یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر اُس وقت ہوئی جبکہ تم پر چڑھ آئے تھے لشکر (یہ لشکر تین طرف سے آئے تھے: شمال سے یہودی' مکہ سے قریش اور مشرق سے قبائلِ غطفان) تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے' اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ جب وہ (لشکر) تم پر چڑھ آئے اوپر اور نیچے کی طرف سے اور جب نگاہیں کج ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور انہیں ہلا ڈالا گیا پوری شدت کے ساتھ۔'' (آیات ۹ تا ۱۱)

امتحان و آزمائش کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں' پاس یا فیل۔ ایک طرف انسان کی عزت بڑھتی ہے تو دوسری جانب وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر منافقین ناکام ہو گئے اور مخلص اہلِ ایمان کامیاب ہو گئے۔ آیت ۱۲ میں منافقین کا قول نقل ہوا ہے کہ: ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾﴾ یعنی ''اللہ اور اس کے رسول نے ہم

سے جھوٹے وعدے کیے'' ہمیں دھوکہ دے کر مروا دیا۔ ہمیں تو امید دلائی گئی تھی کہ تمہیں قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے' حکومت ملے گی اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔

اس کے برعکس مخلص اہل ایمان کے کردار کا تذکرہ تیسرے رکوع میں آ رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

''اے مسلمانو تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے' ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت (کی ملاقات) کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔''

ہم نے اس آیت سے چھوٹی چھوٹی سنتیں' وضع قطع اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں حضور ﷺ کی پیروی کر لینا مراد لے رکھا ہے' جبکہ اصل میں تو نبی اکرم ﷺ کا جو کردار غزوۂ احزاب میں نمایاں ہو کر آ رہا ہے وہ ہے اصل اُسوہ حسنہ جس کی طرف یہاں اہلِ ایمان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ہمارے رسول (ﷺ) کو دیکھو! غزوۂ احزاب کی بے انتہا سختیوں میں کیسے صبر و استقلال سے ڈٹے رہے اور اہلِ ایمان کے ساتھ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف رہے۔ بطور قائد اور سپہ سالار آپؐ کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔ چنانچہ اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر معاملے میں' خاص طور پر ہمت و استقلال میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنائیں۔

آگے فرمایا کہ جب اہلِ ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے: ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''یہی تو ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے' اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔'' اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور شیوۂ فرماں برداری ہی میں اضافہ کیا۔ اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد کہ جو انہوں نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ ان

میں وہ بھی ہیں کہ جو اپنی نذر گزار چکے اور باقی جو ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ہمارا وقت آئے (کہ ہماری بھی گردنیں اللہ کی راہ میں کٹیں اور ہم سبکدوش اور سرخرو ہو جائیں۔) انہوں نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (آیات ۲۲ تا ۲۴)

چوتھے رکوع میں خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو بلکہ اہل ایمان عورتوں کے لیے نمونہ ہونے کے اعتبار سے تمہاری خصوصی حیثیت اور ذمہ داری ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ ''اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو'' کی ہدایت دے کر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ کسی غیر محرم سے بات کرنی ہی پڑ جائے تو آواز میں کسی قسم کی لوچ نہ ہو تا کہ کسی خبیث شخص کے دل میں خواہ مخواہ کوئی برا خیال یا اُمید چٹکیاں نہ لینے لگے۔ پانچویں رکوع کے آغاز میں اہلِ ایمان مَردوں اور عورتوں کی دس صفات بیان فرمائی گئیں کہ ان تمام خیرات وحسنات' نیکیوں اور بھلائیوں میں مرد وعورت برابر ہیں۔

ساتویں رکوع میں اہلِ ایمان کو نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں حاضر ہونے کے آداب بتلائے گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ جب ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز لینی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ آٹھویں رکوع کے آغاز میں گھر سے باہر کے پردے کے بارے میں ہدایت دی گئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہ جائے گا۔ اور اللہ غفور ورحیم ہے۔''

آیت ۶۳ میں قیامت کے حوالے سے لوگوں کے سوال کو پھر دہرایا گیا کہ کب آئے گی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ آخر میں انسان کو اللہ نے یہ احساس دلایا کہ دنیا میں اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ خلافتِ ارضی کے حوالہ سے بتایا گیا کہ یہ جو انسان کو عطا کی گئی ہے یہ اتنی گراں بار ہے کہ آسمان، زمین اور پہاڑ اس کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ اب اس بارِ امانت کو اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو سزا دے اور مؤمنین کی توبہ کو قبول کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

❁ ❁ ❁

پانچواں گروپ

سَبا .....تا..... الحُجُرات

سُورۂ سَبَا

نظمِ قرآن کے اعتبار سے پانچواں گروپ ۱۳ مکی اور تین مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورۂ سبا سے سورۃ الاحقاف تک مکیات ہیں' پھر تین سورتیں سورۂ محمد' سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات مدنیات ہیں۔

سورۂ سبا چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانۂ نزول مکہ کا متوسط یا ابتدائی دور محسوس ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں کفار کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو وہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور آپؐ کی نبوت پر طنز و استہزاء اور بے ہودہ الزامات کی شکل میں کرتے تھے۔

اس سورۃ کا آغاز ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کے الفاظ سے ہوا ہے اور یہ امر باعثِ دلچسپی ہے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے شروع ہونے والی سورتیں قرآن حکیم میں سات سات پاروں کے وقفہ سے آئی ہیں۔ سب سے پہلی سورۃ ''الفاتحہ'' کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ سے ہوا ہے' پھر ساتویں پارے میں سورۃ الانعام ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کے الفاظ سے شروع ہوئی' پھر پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ کے الفاظ سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد بائیسویں پارے میں دو سورتیں سورۂ سبا اور سورۂ فاطر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔

حمدِ باری تعالیٰ کے موضوع پر سورۂ سبا اور سورۂ فاطر کا جوڑا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کا آغاز بڑا پُرجلال ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝

''تمام شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو آسمان و زمین کی ہر شے کا مالک ہے' اور اُسی کے لیے حمد و ثنا ہے آخرت میں بھی' اور وہی کمال حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں (خواہ پانی کا ایک قطرہ ہی ہو جو زمین میں جذب ہو جاتا ہے) اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے (خواہ ایک بیج ہی ہو جس کے زمین میں پھوٹنے سے پتیاں باہر نکلتی ہیں) اور (جانتا ہے) جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اس میں۔ اور وہ رحمت اور مغفرت فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا' توحید اور ایمان باللہ کے اس بیان کے بعد آخرت اور اس کے بعد رسالت کا ذکر ہوا۔ چنانچہ آیت ۳ میں ارشاد ہوا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ﴾ ''اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی کہ قیامت نہیں آئے گی''۔ اس کا جواب دیا: ﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ﴾ ''آپ کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم جو کل غیب کا جاننے والا ہے وہ ضرور آئے گی''۔ اس کے بعد آیت ۶ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: ﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ﴾ ''اور جانتے ہیں اہلِ کتاب میں سے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ (یہ قرآن) جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے' وہ سچ اور حق ہے۔''

دوسرے رکوع میں حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہے۔ پہلے ان دونوں پر اللہ کی طرف سے کیے گئے انعامات کا تذکرہ ہوا کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ اس کی زرہیں بنائیں اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازہ کریں اور وہ سب نیک کام کیا کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے ذکر ہوا کہ ہم نے ہوا کو اُن کے لیے مسخر کر دیا تھا اور ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ بہا دیا

اور ایسے جن اُن کے تابع کر دیے جو اللہ کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے۔ ان انعامات کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ ''(اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے) اے آل داؤد اس پر عمل کرو شکر کرتے ہوئے' حال یہ ہے کہ تھوڑے ہی بندے شکرگزار ہوتے ہیں''۔ (آیات ۱۰'۱۳)

آیت ۱۴ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے متعلق بتایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کا حکم صادر کر دیا تو جنات کو ان کی موت کا علم نہیں ہوا۔ آخر کار جب گھن نے اُن کے عصا کو کھا لیا اور حضرت سلیمانؑ گر پڑے تو جنات کو ان کی موت کا پتا چلا۔ اگر جن غیب کا علم جانتے ہوتے تو وہ اتنا عرصہ ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ اس سے دونوں باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ جن اگر بزعم خود غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہوں تو وہ غلط ہے اور اگر عام لوگ جنوں کو غیب دان سمجھتے ہوں تو ان کی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو گیا۔

اس کے بعد قومِ سبا کا ذکر ہوا جو اپنے وقت کی بڑی مہذب قوم تھی اور بڑے سرسبز و شاداب علاقے کی مالک تھی۔ غالباً تاریخِ انسانی کا پہلا بند ان کے علاقہ یمن میں باندھا گیا جس سے ہر طرف ہریالی' شادابی اور خوشحالی پیدا ہوئی۔ اس خوشحالی میں بجائے اللہ کے شکر کے اُن میں سرکشی پیدا ہوتی چلی گئی' جس کے نتیجہ میں بند ٹوٹ گیا اور سیلاب سے ان کا سارا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس طرح اللہ کے غضب نے اُس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اس گڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم سر نہیں اٹھا سکی۔ (آیات ۱۵ تا ۱۷)

تیسرے رکوع کے آخر میں وہ آیت ہے جو اکثر ہماری تقریروں میں بطور حوالہ بیان ہوتی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر' لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔''

اس سے پہلے آیت ۲ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے کا ذکر تھا اور اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کا بیان ہے کہ آپ کی بعثت کی غرض یہ ہے کہ آپ تمام نوعِ انسانی کو اچھے اور برے اور نیک و بد کی تعلیم دیں اور نیکیوں پر خوشخبری دیں اور برائیوں پر لوگوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ اب جو سمجھ دار ہوں گے وہ تو آپ کی بات مان لیں گے لیکن دنیا میں اکثریت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے۔

چوتھے رکوع میں ہٹ دھرمی اور کفر کی روش اختیار کرنے والوں کا قول نقل ہوا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ

''اور کفر کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلے والے پر۔''

یہاں تورات کے لیے بھی قرآن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آگے ضعفاء اور منکرین کے مکالمے کا ذکر ہے — فرمایا: کاش تم دیکھ پاتے کہ یہ ظالم جب اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو آپس میں مکالمہ کریں گے۔ نچلے طبقات کے دبے اور کچلے ہوئے لوگ استکبار اور گھمنڈ کی روش اختیار کرنے والے لوگوں سے کہیں گے کہ تم لوگ ہمیں ورغلاتے رہے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آتے! جواب میں وہ ان ضعفاء سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ایمان لانے اور ہدایت کی روش اختیار کرنے سے روکا تھا؟ تم تو خود ہی مجرم تھے۔ پھر وہ ضعیف اور کمزور لوگ ان متکبرین سے کہیں گے کہ تمہاری تو ہر وقت یہ چال تھی، تم ہمیں حکم دے رہے تھے کہ ہم کفر کریں اور اللہ کے مدمقابل کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ پھر جب یہ سب لوگ عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اپنی ندامت کو اندر ہی اندر چھپائیں گے اور ہم ان کے گلوں میں ان کے عمل کی پاداش میں طوق ڈال دیں گے۔ (آیات ۳۱۔۳۳)

آیت ۳۷ میں مال اور اولاد کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ چیزیں تمہیں ہم سے قریب کرنے والی نہیں ہیں، ہاں اگر ایمان اور عمل صالح کی بنیاد مضبوط ہے تو پھر یہ بھی ذریعۂ تقرب بن سکتے ہیں۔ صالح اولاد سے بڑا صدقہ جاریہ اور کوئی نہیں ہے۔

اگر انسان اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کے لیے نیکیوں کا ایک سلسلہ جاری رہے گا۔

آیت ۴۰'۴۱ میں ملائکہ پرستی کی نفی کی گئی ہے۔ فرمایا: ''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا: کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟ تو وہ عرض کریں گے کہ تیری ذات پاک ہے' ہمارا تعلق تو تجھ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔''

چھٹے رکوع میں بہت اہم انداز اختیار کیا گیا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ.....﴾

''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں کہ تم محض اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ' دو دو اور ایک ایک کر کے' پھر ذرا سوچو (کہ تمہاری محفلوں میں جس بات کا چرچا ہے کیا وہ صحیح ہو سکتی ہے؟) تمہارے رفیق (نبی مکرم ﷺ) کو کوئی جنون لاحق نہیں ہے' یہ تو تمہیں ایک بڑے عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے والے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اگر میں نے تم سے (تبلیغِ رسالت پر) کوئی اجرت طلب کی ہو تو وہ تم ہی کو مبارک ہو' میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جو ہر چیز پر نگران ہے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ میرا ربّ حق کو (باطل کے سر پر) کھینچ مارتا ہے اور وہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر آئے۔ ان سے کہیے کہ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی آئے گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ وحی ہے جو اللہ کی طرف سے مجھ پر آتی ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا اور قریب ہے۔'' (آیات ۴۳ تا ۵۰)

سُورۃُ فَاطِر

یہ سورۂ مبارکہ پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ غالباً مکہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی ہے' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی اور آپؐ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے ہر طرح کی بُری سے بُری چالیں چلی جا رہی تھیں۔ اس سورۃ کا آغاز بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے مبارک کلمات سے ہوا ہے اور اس کے مضامین سابقہ

سورۃ یعنی سورۂ سبا کے مضامین سے گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ پہلے رکوع میں توحید' رسالت اور معاد' جو بنیادی ایمانیات ہیں' بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

توحید کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ کے اِذن سے ہوتا ہے اور تمام خیر و شر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی بات آیت ۲ میں بیان ہوئی ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی جس رحمت کا دروازہ بھی کھولنا چاہے تو اس کا روکنے والا کوئی نہیں' اور جو کچھ وہ روک دے تو اسے اللہ کے بعد کوئی بھیجنے والا نہیں۔ اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔''

اگلی چار آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا بیان فرما رہا ہے۔ دوسری آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ صرف آپ ہی کو نہیں جھٹلا رہے ہیں بلکہ آپ سے پہلے آنے والے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد قیامت کے حوالہ سے بتایا گیا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ اپنے وقت پر آ کر رہے گی۔ یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالنے پائے اور انتہائی دھوکے باز شیطان تمہیں اس مغالطہ میں مبتلا کر کے جرّی نہ بنا دے کہ گناہوں سے بچنے کی کیا ضرورت ہے' جبکہ اللہ بڑا غفور و رحیم اور نکتہ نواز ہے۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو لوگوں کو اپنی پارٹی میں شامل کرنے کی تگ و دو کر رہا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں!

دوسرے رکوع میں آنحضور ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپؐ ان لوگوں کے حال پر حسرت و افسوس اور رنج و غم کی وجہ سے اپنی جان ضائع نہ کیجیے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے۔

اس رکوع میں ایک اہم قانونِ فطرت بھی بیان ہوا ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ

الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ﴾ ''اُس کی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمات اور نیک اعمال ان کو بلند کرتے ہیں''۔ یعنی کلمہ طیبہ تو دعوتِ حق ہے اور اس کو بلند کرنے والی شے عمل صالح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس قانون پر بنائی ہے کہ حق کے لیے بھی اہلِ حق کو محنت کرنی پڑے گی' قربانیاں دینی پڑیں گی۔ چنانچہ اعمالِ صالحہ کے بغیر کلماتِ طیبات پوری رفعتِ شان حاصل نہیں کر سکتے۔

تیسرے رکوع میں ابتدائی طور پر قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اُس روز ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا' کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہوگا' خواہ کوئی عزیز ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ تو صرف ایسے لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں جو غیب میں ہوتے ہوئے بھی تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کوئی اپنا تزکیہ نفس کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے (کہ اُس سے اس کی اپنی سیرت و کردار کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔) اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیکھو! نہ تو اندھے اور آنکھوں والے برابر ہیں' نہ تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہیں' نہ ہی سایہ اور تپتی دھوپ یکساں ہیں' اور نہ ہی زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے' اور اے نبی ﷺ آپ نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں ہیں۔ آپ تو بس ایک خبردار کرنے والے ہیں۔ (یہاں مردہ سے مراد وہ نہیں ہیں جو مر کر دفن ہو چکے ہوں بلکہ یہاں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اصل میں ہیں تو زندہ' چلتے پھرتے ہیں' دیکھتے اور سنتے ہیں' لیکن ان کی روح اندر سے مردہ ہو چکی ہے اور ان کے قلب گویا مقبروں کے اندر دفن ہو چکے ہیں۔) آگے فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝

''ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔''

آیت ۲۸ میں ایک بہت اہم جملہ آیا ہے: ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ﴾ ''اللہ کی صحیح خشیت ان ہی بندوں میں ہوتی ہے جو صاحبِ علم ہوں''۔ یہاں

علم کا جو مقام از روئے قرآن ہے وہ سامنے آتا ہے۔ علم کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: علم الابدان اور علم الادیان۔ اگر انسان کی نظر محض علم الابدان یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہی جمی رہے تو یہ دجالی فتنہ بن جاتی ہے' لیکن اگر انسان کے سامنے فطرت کے کسی مظہر (phenomenon) کا انکشاف ہو تو اللہ کی صناعی' اُس کی خلاقی اور اُس کی قدرت دیکھ کر اس کے دل میں اللہ کی عظمت کا اضافہ ہو جائے تو یہ ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ کی مطلوب کیفیت ہے۔

آیت ۲۹ میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے' نماز قائم کرنے اور اللہ کی راہ میں چھپے اور اعلانیہ خرچ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ امیدوار ہیں ایسی تجارت کے جس میں نفع ہی نفع ہے اور گھاٹے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہ صرف پورا پورا اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔

آیت ۳۱ میں نبی مکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہی حق ہے اور وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے۔

آیت ۳۲ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں اُمتِ مسلمہ کے افراد کی تین اقسام بیان کر دی گئی ہیں:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝

''پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو اس کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں' اور بعض ان میں سے متوسط درجے کے ہیں' اور بعض ان میں سے اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی تو اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

جنت میں داخلے کے وقت اہل جنت کی زبانوں پر جو ترانے ہوں گے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ان کا ذکر ہوا ہے۔ ایسا ہی ایک ترانہ یہاں ملتا ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۟ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۟

''اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے ہر قسم کا رنج وغم دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب مغفرت والا اور قدر دان ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ایسی عمدہ قیام کی جگہ لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ مشقت پیش آئے اور نہ تکان لاحق ہو۔''

اس کے معاً بعد کافروں کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے۔ نہ تو اُن کو قضا ہی آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ اُن سے دوزخ کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔

آخری آیت میں ایک قانون کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خطا کار کا اسی وقت فی الفور مواخذہ نہیں کرتا بلکہ اسے مہلت دیتا ہے۔ فرمایا:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ۟

''اور اگر اللہ مواخذہ (میں جلدی) کرتا بسبب ان کے گناہوں کے تو زمین پر کسی بھی حیوان کو نہ چھوڑتا' لیکن (اللہ) ان کو ڈھیل دیتا ہے وقت مقررہ تک۔ پھر جب وہ مقرر وقت آ گیا تو ان کا ربّ ان سے خوب واقف ہے۔''

یہ دھمکی کا انداز ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری کوئی حرکت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سُورۃُ یٰسٓ

اس سورۂ مبارکہ سے ہر مسلمان کو قلبی اُنس ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اِس کو قرآن مجید کا قلب قرار دیا ہے۔ اس کو پڑھتے اور سنتے ہوئے حقیقتاً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دھڑکتا ہوا دل ہو۔ اس کا اپنا ایک اسلوب ہے —— جگانے اور ہوش میں لانے والا انداز۔ غالباً یہی سبب ہے کہ جان کنی کے عالَم میں حضور ﷺ نے یہ سورۃ پڑھ کر سنانے کی تلقین فرمائی ہے' جس کا ایک فوری فائدہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس عالمِ فانی

سے منتقلی کے وقت ایمانی کیفیات واحساسات اگر دبے ہوئے ہیں تو وہ بیدار ہو جائیں اور مرنے والا ایک زندہ اور متحرک ایمان لے کر دوسرے عالم میں داخل ہو۔

''یٰسٓ'' حروفِ مقطّعات سے اس سورہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ ''یٰسٓ'' کے بارے میں گمان ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسلوبِ بیان اس کی تائید بھی کر رہا ہے:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

''یٰسٓ، قسم ہے اِس قرآن کی جو حکمت والا ہے، کہ یقیناً آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھی راہ پر گامزن ہیں۔ اِس قرآن کا نزول اُس ذات کی طرف سے ہے جو زبردست اور رحیم ہے (یہ آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے) تاکہ آپ خبردار کریں اُس قوم کو جن کے آباء واَجداد کو خبردار نہیں کیا گیا، سو وہ بے خبر ہیں۔''

یہ اشارہ ہے بنی اسمٰعیل کی جانب کہ جن میں بوجوہ نبوت و رسالت کا سلسلہ ایک عرصے تک بند رہا۔ گویا اہل عرب کہ جو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں، ان کے حق میں ایک کلمہ کہا جا رہا ہے کہ اُن کی غفلت کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً ۲۵۰۰ برس کے دوران کوئی نبوت یا کوئی رسالت اس قوم میں نہیں رہی، کہ ان کو خبردار کیا جاتا اور غفلت سے بیدار کیا جاتا۔ یہ غفلت اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اب جبکہ ان کے سامنے دعوتِ حق آ گئی ہے تو یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیات میں ارشاد ہے:

''البتہ ثابت ہو گیا اللہ کا قول ان کی اکثریت پر (یعنی یہ لوگ قانونِ الٰہی کی زد میں آ گئے) اور اب یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے پڑے ہوئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سر اوندھے ہو گئے ہیں۔ (یہ اُن کے تکبّر کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ گردنوں میں طوق پڑے ہونے کی وجہ سے وہ تن گئی ہیں اور سر اکڑ گئے ہیں) اور

ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے' پھر ہم نے ان کو پوری طرح ڈھانپ دیا ہے' پس اب یہ دیکھنے والے نہیں ہیں۔ ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کو خبردار کریں یا نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ البتہ آپ خبردار کر سکتے ہیں اُن کو جو اتباع کریں اس ذکر کا (یعنی جو قرآن نازل کیا گیا ہے اس کو سمجھیں اور اس کی پیروی کریں) اور بن دیکھے رحمٰن کی خشیت دل میں رکھیں۔ ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائیں مغفرت کی اور باعزت اجر کی۔'' (آیات ۶'۱۱)

دوسرے رکوع میں اُس بستی کا ذکر ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو رسول بھیجے' جن کی تکذیب کی گئی' پھر اللہ نے تیسرا رسول بھیجا۔ لیکن ان سے کہا گیا :

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝

''تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو (اس لیے ہم تمہیں رسول نہیں مانتے) اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا' تم محض جھوٹ بولتے ہو۔''

آگے فرمایا گیا کہ:

''ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو تلقین کی' کہ رسولوں کا کہنا مانو اور ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں اور خود ہدایت یافتہ ہیں۔ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا کسی اور کو الٰہ بنالوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو مجھے ان کی سفارش کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔'' (آیات ۱۹ تا ۲۳)

یہ ایک اچھا خاصا خطبہ ہے جو ان صاحب نے دیا اور آخر میں فیصلہ کن انداز میں کہا:

''سن رکھو کہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا۔ (یہ بات اس قوم پر اتنی گراں گزری کہ فوراً اس شخص کو شہید کر دیا گیا) اس شخص سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں! (یہ الفاظ دل پر نقش ہو جانے چاہئیں کہ شہادت کی حقیقت یہ ہے کہ اِدھر آنکھ بند ہوئی اور اُدھر جنت میں کھل گئی۔ فوراً ہی جنت میں داخلے کا

پروانہ مل جاتا ہے) اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ کس طرح
میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں بنا دیا۔''

سورۂ یٰسین اور سورۃ السجدہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مضامین اتنے گتھے ہوئے ہیں اور ان کا آہنگ اور بہاؤ (flow) اتنا تیز ہے کہ ان میں سے کوئی چیز منتخب کر کے علیحدہ نکال کر بیان کرنا بہت مشکل کام ہے' چنانچہ پوری سورۃ مکمل طور پر بیان ہونی چاہیے۔ البتہ پانچویں رکوع کی ایک آیت نبی اکرم ﷺ کی شان میں بایں الفاظ آئی ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹﴾ ''اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو خالص نصیحت ہے اور واضح قرآن''۔ اسی طرح کا مضمون سورۃ الشعراء میں بھی آ چکا ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ ہمارے نبی ﷺ شاعر ہیں تو یہ بالکل خام خیالی ہے۔ شاعروں کا کردار اس سورۃ میں کھول دیا گیا تھا۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو شعر سکھایا ہی نہیں۔ عرب میں شاعری کو بڑا بلند مقام حاصل تھا اور یہ بات اچھی نہیں سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص شاعر نہ ہو' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو شعر سے کوئی مناسبت تھی ہی نہیں۔ اگر کبھی آپ کوئی شعر پڑھتے بھی تو اس میں کوئی غلطی ضرور ہو جاتی تھی۔ تو یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں شعر سکھایا ہی نہیں' یہ ان کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مبین ہے اور ذکر و یاددہانی ہے۔ اس قرآن کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں کہ جو زندہ ہیں' جن کی روح ابھی اُن کے قلب میں دفن نہیں ہوئی' خبردار اور ہوشیار ہو جائیں اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔ (آیات ۶۹ تا ۷۰)

سورۃ کے آخر میں انسان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کیا یہ دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اس کو منی کی ایک بوند سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا (ہم سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے' ہماری کتاب کو رد کرتا ہے اور ہمارے رسول کا استہزا کرتا ہے) ہمارے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خِلقت کو بھول گیا ہے کہ اس کی خِلقت کیسے ہوئی اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بڑے دھڑلے سے کہتا ہے کہ جب ہڈیاں گل سڑ

جائیں گی تو کون ان کو زندہ کرے گا؟ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا تھا۔ وہ تو ہر طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی پھر تم اس سے (اور آگ) سلگا لیتے ہو۔ کیا جس ہستی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اس جیسی کائنات دوبارہ پیدا کر دے؟ کیوں نہیں' یقیناً وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ (آیات ۷۷ تا ۸۳)

سُورۃُ الصَّافَّات

یہ سورۂ مبارکہ بھی پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے' لیکن اس میں آیات چھوٹی ہیں اور روانی بہت تیز ہے۔ سورۂ یٰسین کے بھی پانچ رکوع ہیں اور اس میں ۸۳ آیات ہیں جبکہ اس سورۂ مبارکہ کے پانچ رکوعوں میں ۱۸۲ آیات ہیں۔ سورۃ کا آغاز فرشتوں کی قسموں سے ہو رہا ہے' جس کا اصل مفاد گواہی ہے۔ فرمایا:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

"قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صفیں باندھے حاضر رہتے ہیں' اور جو جھڑکتے ہیں جیسا کہ جھڑکنے کا حق ہے (یعنی اُن کے ذریعے سے عذاب نازل کیا جاتا ہے) اور جو ذکر کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (اُن سب کو گواہ کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ) تمہارا معبود بس ایک ہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا رب ہے اور رب ہے مشرقوں کا۔"

اگلی آیات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ شیاطین کو اتنی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی وحی الٰہی کی بات سن پائیں۔ وہ آسمان کے کسی بھی کونے سے اُن کی مجلس کے قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں تو فرشتے ان کو دھکے مار کر بھگا

دیتے ہیں۔ اگر کوئی شیطان جن ایک آدھ بات اس بھاگ دوڑ میں سن لیتا ہے تو فرشتے شہابِ ثاقب کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ (آیات ۶ تا ۱۰)

آیت ۳۶ میں رسالت کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶﴾ ''اور وہ لوگ (استہزائیہ انداز میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑ دیں اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے پر''۔ اس کے جواب میں فرمایا: ﴿بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷﴾ ''(حقیقت یہ ہے کہ) وہ حق لے کر آیا ہے اور اس نے تمام رسولوں (اور ان کی تعلیمات) کی تصدیق کی ہے۔''

اگلی آیات میں منکرین کے انجام کا تذکرہ ہے کہ یاد رکھو تم اپنے انکار کی پاداش میں ایک دردناک عذاب کا مزا ضرور چکھو گے' اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا' سوائے ان لوگوں کے کہ جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے۔ (آیات ۳۸۔۴۰) اس سورۃ میں اس آیت ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾ کی تکرار ہے۔

تیسرے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کچھ تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریباً ساری زندگی امتحانات میں ہی گزری۔ اپنی برادری کو بتوں کی عبادت سے منع کیا' وہ منع نہ ہوئے تو صنم خانے میں جا کر ان کے سارے بتوں کو توڑ دیا۔ قوم نے آگ میں ڈالا تو بلا تامل کود پڑے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس کے بعد خاص طور پر سب سے زیادہ سخت امتحان کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ بڑھاپے میں ۸۷ برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صورت میں اولاد عطا ہوئی اور سو برس کی عمر میں اس اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

آتشِ نمرود سے صحیح و سلامت نکل آنے کے بعد جب ہجرت کا حکم ہوا تو فرمایا: ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝۹۹﴾ ''میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یہ ہجرت کے لیے استعارہ ہے) وہ مجھے راستہ دے گا''۔ نہ سفری وسائل ہیں' نہ کسی چیز کا پتا ہے' نہ

راستوں سے آگاہی ہے' کہاں جانا ہے' کہاں ٹھکانا ہوگا کچھ پتا نہیں۔ اب دل کی گہرائیوں سے یہ دعا ہو رہی ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰﴾ ''اے ربّ مجھے کوئی نیک بیٹا عطا فرما''۔ آگے ارشاد ہوا: تو ہم نے ان کو ایک بہت حلیم الطبع لڑکے کی بشارت دی۔ (قرآن حکیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں ہمیشہ ''حلیم'' اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں ''علیم'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں) تو جب وہ والد کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوئے تو ان سے کہا کہ بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس حلیم الطبع بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کر گزریے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے' آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ ہے اسلام کی حقیقت کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے سر کو جھکا دینا۔ یہ اس قدر سخت اور کڑا امتحان تھا کہ ممتحن (اللہ تعالیٰ) خود پکار اُٹھا کہ واقعی یہ بڑا سخت امتحان تھا: ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝۱۰۶﴾ ''بے شک یہ صریح (سخت) امتحان ہے۔'' (آیات ۷۵۔۱۱۱)

اس کے بعد انبیاء کرام کے ناموں کا ایک گلدستہ ہے' یعنی حضرات اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' الیاس' لوط اور یونس (علیہم السلام) کا ذکر آیا ہے۔ ہر ایک کے بارے میں دو دو تین تین آیات آئی ہیں۔

سورۂ مبارکہ کی آخری آیات فلسفۂ رسالت کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ رسالت کے منصب پر فائز کیے جانے والے اپنے بندوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

''اور بے شک طے شدہ ہے ہمارا قانون اپنے ان بندوں کے بارے میں جو رسول ہیں' کہ لازماً ان کی مدد کی جائے گی' اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

نبوت اور رسالت کے مابین ایک فرق متفق علیہ ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص۔ ہر نبی رسول نہیں ہوتا لیکن ہر رسول لازماً نبی ہوتا ہے۔ تو رسولوں کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ان کی مدد ہو کر رہے گی اور وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے۔

آخری تین آیات بڑی پیاری اور جامع ہیں جو اکثر لوگوں کو یاد ہوں گی:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''پاک ہے تیرا رب جو عزت اور اختیار والا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں (جو گھٹیا تصورات انہوں نے اللہ کی ذات سے وابستہ کر لیے ہیں اللہ ان سے پاک ہے)۔ اور سلام ہو تمام رسولوں پر اور کل حمد و ثنا اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

سُورۃُ صٓ

یہ سورۂ مبارکہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز صرف ایک حرفِ مقطعہ سے ہوتا ہے: صٓ قٓ اور نٓ۔ یہ بات نوٹ کر لیں کہ پورے قرآن مجید میں ایک حرف کو کہیں آیت نہیں بنایا گیا۔ دورِ نبوت کی ابتدا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جب سردارانِ قریش میں کھلبلی مچی ہوئی تھی' ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ آغاز میں فرمایا: قرآن کی قسم جو ذکر' نصیحت اور یاد دہانی سے بھرا ہوا ہے' کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ غرور اور گھمنڈ میں ہیں اور ان میں عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک و برباد کیا پھر وہ پکارنے لگے اور ان کے پاس نجات کا وقت نہ رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا ہے جس کو یہ منکرین ساحر اور جھوٹا کہنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ وہ ان کو ایک الٰہ واحد کی دعوت دیتا ہے تو یہ اس کو بڑی تعجب والی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں چلو چلو اپنے معبودوں پر ڈٹے اور جمے رہو یقیناً اس کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔ ہم نے تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہیں سنیں' یہ یقیناً کوئی مقصد رکھتے ہیں اور اپنا غلبہ چاہتے ہیں اور گھڑی ہوئی باتیں پیش کر رہے ہیں۔ (آیات ۱۔۷)

دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تفصیل سے تذکرہ ہے اور خاص طور پر ان کے ایک فیصلے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''اور کیا پہنچی ہے آپ کو خبر اُن دعوے والوں کی جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ داؤد کے سامنے ہوئے تو وہ ان سے گھبرایا۔ وہ بولے آپ گھبرائیے مت! ہم تو دو فریق مقدمہ ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ فیصلہ کر دیں ہمارے درمیان حق کے ساتھ اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے' اس کی ۹۹ دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی اور یہ کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دو اور زبردستی کرتا ہے مجھ پر۔ آپ نے فرمایا: یہ واقعتاً ناانصافی کرتا ہے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر۔'' (آیات ۲۱۔۲۴)

بعد ازاں حضرات سلیمان اور ایوب (علیہما السلام) کا مختصراً ذکر ہوا ہے۔ پانچویں رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام پر یہ واقعہ ساتویں اور آخری بار آیا ہے۔ یہاں پر شیطان کا قول نقل ہوا ہے: ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ ''میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے (تو پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)''۔ یہ تھا وہ غرور اور تکبر جو آدم کو سجدہ کرنے میں مانع ہوا۔ پھر اس نے دھمکی دی اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا سوائے ان بندوں کے جن کو تو نے خالص کر لیا ہے اپنے لیے۔ ان پر میرا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے اور میں تو حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی جہنم کو بھر کر رہوں گا تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے۔'' (آیات ۷۲۔۸۵)

آخری آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا جا رہا ہے کہ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی میں بناوٹ اور تکلف و تصنع والا انسان ہوں۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ اور یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خبریں اس میں دی جا رہی ہیں وہ سب حق ہیں۔ (آیات ۸۶۔۸۸)

سُورۃُ الزُّمر

ویسے تو قرآن مجید کا ہر حرف اور ہر لفظ اللہ کا کلام ہونے کے سبب اپنی اپنی جگہ انتہائی اہمیت و عظمت کا حامل ہے' لیکن اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے سورۃ الزمر' سورۃ المؤمن' سورۂ حٰمٓ السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ' یہ چاروں سورتیں میری محبوب ترین سورتیں ہیں اور مجھے ان سے ایک خاص قلبی تعلق ہے۔ ان کا موضوع توحیدِ عملی ہے۔ توحید کے دو پہلو اچھی طرح سمجھ لیے جانے چاہئیں۔ ایک ہے توحید علمی' توحید نظری یا توحید فی العقیدہ' یعنی اللہ کو ایک ماننا اور جاننا' اس کی صفات میں کسی کو اس کا ساتھی یا مدِمقابل نہ سمجھنا۔ دوسرا پہلو ہے توحید عملی' یعنی انسان اپنی بندگی اور محبت و اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لے۔ اس کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''توحید فی القلب'' سے تعبیر کیا ہے۔ اصل میں یہاں انسان کا ٹیسٹ ہوتا ہے' اس لیے کہ کسی چیز کو ماننا کوئی مشکل بات نہیں' لیکن عملی طور پر اس کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کر لینا بہت مشکل اور کٹھن کام ہے۔ پھر اس کے بھی دو پہلو ہیں: ایک انفرادی جو انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے اور دوسرا اجتماعی سطح پر کہ یہی عمل (توحید عملی) پوری قوم اختیار کر لے اور ملک کے اندر یہ نظام قائم ہو جائے کہ مطاعِ مطلق اور حاکم حقیقی اللہ کی ذات ہو۔ اس تمہید کے تناظر میں سورۃ الزمر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا مضمون انفرادی سطح پر توحید عملی ہے۔ سورۃ کا آغاز ہوتا ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ

''کتاب کا نزول ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ پر ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے' لہٰذا آپ اللہ ہی کی بندگی کریں دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! دینِ خالص اللہ ہی کا حق ہے۔''

یہ اس سورت کا مرکزی خیال ہے کہ بندگی کرو اللہ کی' خالص کرتے ہوئے اس کے

لیے اپنی اطاعت کو۔ اس کی اطاعت کے تابع تو کسی کی اطاعت ہو سکتی ہے لیکن علی الاطلاق اور اس کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی کی اطاعت کر لی تو یہ شرک ہے' خواہ وہ اطاعت اپنے نفس' قوم' حاکم یا کسی ادارہ ہی کی کیوں نہ ہو۔

آگے مشرکین کے شرک کے حوالے سے ایک خاص بات بیان ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

''اور جن لوگوں نے اُس (اللہ) کے سوا دوسروں کو اولیاء بنا لیا (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔''

یہ بالکل وہی رویہ ہے جو آج کل مزاروں کے ساتھ ذہنی و قلبی تعلق کا ہے۔ آگے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا جا رہا ہے:

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۙ﴿۱۴﴾

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں دین اور اطاعت کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ اور مجھے حکم ملا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں خود بنوں۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو خود اندیشہ ہے بڑے دن کے عذاب کا اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ پھر کہو کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

مختلف اسلوب سے ایک ہی بات کی تکرار ہو رہی ہے۔ اگلی آیات میں طاغوت سے اجتناب کرنے والوں کے لیے بشارتوں کا ذکر ہوا اور ساتھ ہی ساتھ ان کو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ' عقل مند اور ہوش مند قرار دیا گیا۔ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

''اور جو لوگ شیطانوں کی پیروی سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔ سو خوشخبری سنا دو میرے ان بندوں کو جو بات کو اچھی طرح سنتے ہیں اور پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔''

آگے فرمایا:

''پھر بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک نور پر ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے؟) پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو گئے ہیں۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے' ایک ایسی کتاب جس کی آیات آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (جب وہ اس کتاب کو پڑھتے یا سنتے ہیں تو) ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر یادِ الٰہی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا ہدایت دینا' وہ اس (کتاب) کے ساتھ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے (اور گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے) اور جس کو اللہ راہ بھلا دے پھر اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔'' (آیات ۲۲۔۲۳)

آیات ۳۲۔۳۳ میں تکذیب اور تصدیق کا ذکر ہے۔ فرمایا:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچ کی تکذیب کرے جب سچ اس کے پاس آ جائے؟ تو کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں؟ اور وہ جو سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی' یہی لوگ متقی ہیں۔''

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ۳۲ کی تفسیر میں فرمایا: ''اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹا خدا کا نام لیا تو اس سے بُرا کون اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے بُرا

کون؟'' اس طرح ''مَنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ'' اور ''كَذَّبَ بِالصِّدْقِ'' کا مصداق الگ الگ قرار دیا۔

آیت ۳۳ کی تفسیر میں شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ''جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے سچ کو مانا وہ مؤمن ہے''۔ اس طرح ''جَآءَ بِالصِّدْقِ'' اور ''صَدَّقَ بِهٖ'' کا مصداق بھی الگ الگ ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک ہی شخصیت کے دو رُخ ہیں۔ یعنی ایک شخص کا اپنا کردار بھی سچائی پر مبنی ہے اور جہاں کہیں اس کے سامنے سچائی آتی ہے' وہ فوراً اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

آیت ۳۶ اور ۳۸ کے دو فقرے ایسے ہیں' جو مراقبہ کے لائق ہیں' یعنی ان کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے اور بار بار انہیں تازہ کرتے رہنا چاہیے۔ فرمایا: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ ''کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟'' اور ﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: میرے لیے میرا اللہ کافی ہے' اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔''

جو شخص واقعتاً اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے تو پھر اسے یقین رکھنا چاہیے کہ میرے لیے صرف اللہ کافی ہے۔ وسائل و ذرائع پر انحصار کرنا ایک علیحدہ بات ہے' لیکن وہ کبھی یہ نہ سمجھے کہ میں بے یار و مددگار ہوں۔ اس کا انحصار اور دار و مدار صرف اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا اللہ کے ساتھ قلبی تعلق گہرا نہیں ہے۔

اس سورۃ کی آیت ۵۳ توبہ کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخشنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بے شک وہ تو بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ کا آخری حصہ خصوصی طور پر توحید فی العبادت کے ضمن میں نہ صرف اس سورۃ بلکہ پورے قرآن مجید کا ذروۃ السنام (climax) ہے۔ بڑے تیکھے انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ میں بھی اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگوں؟ اور (اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو بھی یہ وحی کر چکے ہیں اور آپ سے پہلے والوں کو بھی کہ (بالفرض) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے۔ بلکہ آپ اللہ ہی کی بندگی کریں اور شکر گزار بندے بن کر رہیں۔''

آیات ۶۷ سے سورۃ کے آخر تک قیامت اور جنت و جہنم کی منظر کشی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ کی ایک مٹھی میں ہو گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا تو سب بے ہوش ہو جائیں گے' پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو بعث بعد الموت ہو گا اور زمین اپنے ربّ کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ پھر اعمال نامے رکھے جائیں گے' انبیاء اور شہداء آئیں گے اور پھر فیصلہ کیا جائے گا۔ کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور متقی مؤمنین کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں وارث بنایا جنت کی زمین کا کہ ہم جہاں چاہیں گھر بنائیں۔ سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا!''

جب اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے تو اہلِ جنت دیکھیں گے کہ فرشتے اللہ کے عرش کے گرد چکر لگا رہے ہوں گے اس کی تسبیح اور حمد کرتے ہوئے۔ اور

فیصلہ ہو جائے گا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور وہ یہی کہتے ہیں کہ کُل حمد اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔

سُورۃُ المُؤمِن

اب وہ سات سورتیں آ رہی ہیں جنہیں ہم ''حوامیم'' یعنی حٰمٓ سیریز کی سورتیں کہتے ہیں۔ ان سب کی ابتدا ''حٰمٓ'' کے حروفِ مقطعات سے ہو رہی ہے۔ صرف سورۃ الشوریٰ میں ''حٰمٓ'' کے ساتھ ''عٓسٓقٓ'' کا اضافہ ہے۔ سورۃ المؤمن نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اللہ کی چار بڑی پیاری شانوں کے ساتھ اس سورۃ کا آغاز ہوا ہے:

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

''ح م' نزول ہے اس کتاب کا اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے' سب کچھ جاننے والا ہے۔ گناہ کا بخشنے والا' توبہ کا قبول فرمانے والا' سخت عذاب دینے والا اور بڑی مقدرت اور قوت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

سورۃ الزمر کے آخری حصے میں فرشتوں کا ذکر آیا تھا کہ وہ اللہ کے عرش کے گرداگرد چکر لگا رہے ہوں گے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے۔ یہاں آیات ۷ تا ۹ میں اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ فرشتے اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔ جنت میں ان کے داخلے کی دعا کرتے ہیں اور جہنم کے عذاب اور برائیوں سے بچا لینے کی درخواست بھی کرتے ہیں۔

آگے آیت ۱۱ میں اہلِ جہنم کی فریاد نقل کی گئی ہے جو علمی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ فرمایا:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار' تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا' پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' تو کیا اب یہاں سے نکلنے کا

بھی کوئی راستہ ہے؟''

اب یہ جو دو زندگیوں اور دو موتوں والی بات ہے یہ بہت بڑا علمی مسئلہ ہے' اس پر میں نے ایک مضمون ''حقیقتِ زندگی'' کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس مسئلہ کو سمجھ لیجیے۔ انسان کی پہلی تخلیق ارواح کی شکل میں عالمِ امر یا عالمِ اَرواح میں ہوئی۔ یہی وہ پہلی زندگی ہے جس میں ارواحِ انسانیہ نے اللہ سے ''عہدِ الست'' کیا ہے۔ اس کے بعد ان ارواح کو سلا دیا گیا' یہ پہلی موت ہے۔ پھر ہمارا احیا ہوا اور اس دنیا میں آمد ہوئی' اب پھر موت آئے گی اور اس کے بعد آخرت کی زندگی ہوگی۔ اس طرح دو احیاء اور دو اموات ہیں۔ اپنی نشانیوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سے سبق صرف وہی شخص لیتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

آگے فرمایا: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور پکارو اللہ کو اُسی کے لیے دین کو خالص کر کے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ یہ بات سورۃ الزمر میں بھی کئی اسلوب سے آئی تھی۔ اب اس سورۃ میں بھی اس کا تذکرہ کر کے توحیدِ عملی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ عبادت کا دوسرا رُخ چونکہ دعا ہے اس لیے اس سورۃ میں دُعا پر زیادہ زور ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا بہت اہم مضمون جس سے مجھے خصوصی محبت ہے' وہ مؤمنِ آلِ فرعون کی ایک تقریر ہے۔ آیات ۲۳ تا ۴۷ میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کا ابتدائی تذکرہ ہے تاکہ پس منظر ذرا واضح ہو جائے اور پھر اس مؤمنِ آلِ فرعون کی تقریر نقل کی گئی ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ایک آندھی کی شکل اختیار کر رہی ہے تو فرعون نے موسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' لیکن اُس وقت تک آپؑ کی دعوت کافی پھیل چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے خاندان کی ایک بڑی شخصیت بھی ایمان لا چکی تھی' لیکن اُس نے اپنے ایمان کو تا حال چھپا رکھا تھا۔ جب فرعون نے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی قرارداد پیش کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں پناہ میں آتا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور کرنے والے سے جو

حساب کے دن پر یقین نہ رکھے"۔ اس کے بعد مؤمنِ آلِ فرعون کھڑے ہوئے اور ایک نہایت جامع اور فصیح و بلیغ تقریر کی۔ پورے قرآن مجید میں کسی رسول کی بھی اس قدر طویل تقریر نقل نہیں ہوئی ہے جتنی اس مؤمنِ آلِ فرعون کی ہوئی ہے۔ انہوں نے دورانِ خطاب کہا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝

"(ہوش میں آؤ!) کیا تم اس شخص کو صرف اس جرم میں قتل کرنے کے درپے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر یہ سچا ہے تو تم کو وہ عذاب پہنچے گا جس سے یہ تمہیں خبردار کرتا ہے۔ یقیناً اللہ راہ یاب نہیں کرتا ان لوگوں کو جو حد سے تجاوز کرنے والے اور جھوٹے ہیں۔"

یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس وقت کہے جب لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کی تھی۔

اس کے بعد اس مؤمنِ آلِ فرعون نے لوگوں کو اللہ کے اُس عذاب سے بھی خبردار کیا جو پہلی قوموں مثلاً قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ ثمود پر آ چکا ہے اور دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے عذاب سے بھی خبردار کیا۔ مؤمنِ آلِ فرعون نے ان کو بتایا کہ آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اسے ذہن نشین کر لو اور اگر آج تم نے میری بات نہ مانی تو ایک وقت آئے گا کہ تمہارے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (آیات ۲۸ تا ۴۴)

آیت ۶۰ اس سورت کے مرکزی مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝

"اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے

بہت ہی ذلیل وخوار ہو کر۔''

درحقیقت دُعا ہی عبادت ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (ترمذی) اور اللہ سے دعا نہ کرنا ہی تکبّر ہے۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت ۶۵ اور ۶۶ میں وہی مضمون ہے جو پچھلی سورت میں بیان ہوا۔ فرمایا:

''وہ (اللہ) زندہ جاوید ہستی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پس اُسی کو پکارو بندگی اور دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ کُل حمد و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے ان کی بندگی اور پرستش سے جنہیں تم پکارتے ہو اللہ کے سوا' جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے نشانیاں آ چکی ہیں' اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں۔''

سُورۃُ حٰمٓ السّجدَۃ

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے کا ہے۔ روایت ہے کہ ایک روز کچھ سردارانِ قریش مسجد حرام میں جمع تھے اور مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ سے پریشان تھے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ بھی ایک گوشہ میں تنہا تشریف فرما تھے۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے آپؐ کے پاس کچھ نصیحتیں کرنے کے ارادے سے پہنچا تا کہ آپؐ کو اپنے مشن سے باز آ جانے پر آمادہ کیا جا سکے۔ اس نے آپ سے کہا کہ دیکھو تم ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہو مگر تم نے اپنے پورے قبیلہ اور قوم کو اپنی دعوت کی وجہ سے تفرقہ میں مبتلا کر دیا ہے اور ساری قوم کو بے وقوف ٹھہرایا ہے۔ تمہاری باتوں سے تو یہ بھی لگتا ہے کہ ہم سب کے باپ دادا کافر تھے۔ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس کام سے اگر تمہارے کوئی خاص مقاصد ہیں تو ہم وہ پورا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ تمہیں مال چاہیے تو وہ تمہیں مل جائے گا' بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں' بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر تمہیں

کوئی بیماری لاحق ہے یا تم پر کوئی جن آتا ہے (معاذ اللہ، نقل کفر کفر نہ باشد) تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا بہترین علاج کرا دیتے ہیں، لیکن یہ کام چھوڑ دو۔ آپ ﷺ نے اس تمام تقریر کے جواب میں اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور عتبہ سے کہا کہ تم نے میرا جواب سن لیا! عتبہ جب اپنے ساتھیوں کی طرف واپس روانہ ہوا تو اس کا چہرہ متغیر تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو خدا کی قسم، نہ شعر ہے، نہ سحر اور نہ کہانت۔ میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، یہ کلام کچھ نہ کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو وہ اس سے خود نمٹ لیں گے اور تم اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے، لیکن اگر وہ اہلِ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی اور عزت تمہاری ہی بادشاہی اور عزت ہوگی۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

''ح م، اس قرآن کا نزول اُس ہستی کی طرف سے ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں ایک قرآنِ عربی کی صورت میں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (یہ قرآن) بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہے، مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے اعراض کیا گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں۔''

آگے فرمایا کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ ''جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے''۔ اس کا جواب دیا گیا کہ تم خواہ اپنی آنکھیں اور کان بند کر لو اور دلوں پر غلاف چڑھا لو مگر جان رکھو کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے، لہٰذا تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو۔ آگے آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا کہ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے خبردار کرتا ہوں، جیسا کہ عاد و ثمود پر آیا تھا۔ آیات ۲۰، ۲۱ میں فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے

کان، آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔

آیت ۲۶ میں کفار کا ایک قول نقل ہوا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝

''اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہ سنا کرو اس قرآن کو اور (جب یہ سنایا جائے تو) اس میں خلل ڈالو تا کہ تم غالب آ جاؤ۔''

کُفار کی نبی کریم ﷺ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں تھی، ان کی اصل عداوت اور دشمنی قرآن مجید سے تھی۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو مبادا اس کا اثر تمہارے دلوں تک پہنچ جائے اور تم اپنے باپ دادا کے دین سے پھر جاؤ۔ یعنی کفار بھی یہ مانتے تھے کہ اس قرآن کی تاثیر سے قلوب تبدیل ہوتے چلے جائیں گے۔

آیت ۳۰ سے ۳۶ تک سات آیات ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ یہ آیات ذاتی سطح پر عبادت، توحید فی العبادت اور اخلاص فی العبادت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ فرمایا:

''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم گئے تو ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کو قریب آنے دو اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم ہیں تمہارے ساتھی دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کی خواہش تمہارے دل میں ہو اور تمہیں وہاں سب کچھ ملے گا جو تم مانگو گے۔ یہ مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے۔ اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، پھر تم دیکھو گے کہ وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ تمہارا دوست اور قرابت والا بن جائے گا۔ اور اس مقام تک صرف وہ پہنچتے ہیں جن میں صبر کا مادہ ہے، اور اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے مگر بڑے نصیب والے۔ اور اگر تمہیں شیطان

کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔'' (آیات ۳۰۔۳۶)

آخر میں اللہ ربّ العزت نے اپنی نشانیوں کے حوالے سے بتایا:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور انفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ آپ کا ربّ ہر چیز کا شاہد ہے۔''

اس میں غالباً اشارہ ہے سائنسی ترقی کی جانب۔ سائنسی علوم میں جتنی بھی ترقی اور ارتقاء آج تک ہوا ہے اس حوالہ سے ایک بھی ایسی حقیقت اب تک سامنے نہیں آئی جس سے قرآن کی بتائی ہوئی کوئی بات غلط ثابت ہوئی ہو۔ اس کے برعکس جیسے جیسے علمِ انسانی آگے بڑھ رہا ہے قرآن مجید کی حقانیت مزید مبرہن ہوتی چلی جا رہی ہے۔

سُورۃُ الشُّوریٰ

پانچ رکوعوں پر مشتمل یہ سورۂ مبارکہ اپنے مضامین کے لحاظ سے سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا تتمہ محسوس ہوتی ہے' اس لیے کہ آغازِ کلام کے انداز سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے پس منظر میں وہ چہ میگوئیاں ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور قرآن حکیم کے مضامین کے حوالہ سے پورے مکہ میں ہو رہی تھیں۔ اس سورہ میں بہت سے اہم مقامات ہیں۔ آیات ۱۳ تا ۱۵ میں توحید فی العبادہ اور اخلاص فی العبادہ کا معاملہ جو اجتماعی سطح پر ہونا چاہیے' بیان ہوا ہے:

''(اے نبی ﷺ!) آپ کے لیے (اللہ تعالیٰ نے) دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت حضرت نوح علیہ السلام کو کی گئی تھی' اور جو آپؐ کی جانب ہم نے وحی کی ہے اور جس کی ہدایت ہم نے کی تھی حضرات ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کہ دین (جو ہم نے دیا ہے اس) کو قائم کرو (یہ بات یاد رکھیں کہ دین نہ تو کسی

ریسرچ یا تحقیق کے لیے آیا ہے نہ ہی تصنیف وتالیف کے لیے' بلکہ اس کی غرض و غایت تو یہ ہے کہ یہ قائم ہو) اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ یہ بات مشرکین کے لیے بڑی بھاری اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی اجتماعی سطح پر پورا نظام توحید پر قائم ہو جائے۔ یہ تو ان کے لیے پروانہ موت سے کم نہیں جس کو یہ ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔) اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کو چاہے اور جو کوئی اس کی جانب رخ کرتا ہے اسے وہ ضرور ہدایت دیتا ہے۔ اور لوگوں نے جو تفرقہ ڈالا وہ اس کے بعد ڈالا کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' یہ تو صرف آپس کی ضدم ضدا ہے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کی طرف سے شبہ کی الجھن میں ہیں۔ تو (اے محمد ﷺ!) آپ اس کی دعوت دیتے رہیے اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے' اور اعلان کر دیجیے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے' اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ اللہ ہی ہمارا ربّ ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں۔ ایک دن آنے والا ہے جب اللہ ہمیں جمع کرے گا اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔'' (آیات ۱۳ تا ۱۵)

رزق کے حوالے سے اس سورۃ میں دو آیات (۱۹ اور ۲۷) ہیں۔ ارشاد ہوا: ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾﴾ ''اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے (وسیع) رزق دیتا ہے' اور وہ زور والا اور زبردست ہے''۔ آیت ۲۷ میں فرمایا: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٧﴾﴾ ''اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین میں فساد کرنے لگتے۔ لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے''۔ اگر

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ سب زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔ امیر اور غریب کا یہ فرق ہی اس نظام کی بقا ہے۔

آیات ۲۸ سے ۳۵ تک' اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اگلی آیات (۳۶ تا ۳۹) میں مؤمنین کی صفات کو بیان کیا۔ فرمایا:

''جو کچھ تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے' اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی' وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کرتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات مشورے سے چلاتے ہیں' اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں' اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔''
(آیات ۳۶ تا ۳۹)

آیات ۴۰ تا ۴۳ میں ظلم و زیادتی پر انتقام لینے کی اجازت دی گئی جبکہ معاف اور درگزر کرنے کو بڑی ہمت کا کام قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے' مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کرے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔ یقیناً اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر بدلہ لے لے وہ شخص جس پر ظلم ہوا ہے تو ایسے شخص پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دہ عذاب ہوگا۔ اور جو صبر کرے اور (قصور) معاف کر دے تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

آیات ۴۹ اور ۵۰ میں اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا کہ اولاد اور بیٹا بیٹی دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ

عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝

''تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی۔ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ یا کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ یقیناً وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔''

مجھے اس سورۂ مبارکہ (سورۃ الشوریٰ) سے انتہائی تعلق خاطر ہے اور میری نگاہ میں مدنی سورتوں میں جو مقام سورۃ الحدید کا ہے' مکی سورتوں میں وہی مقام سورۃ الشوریٰ کا ہے۔

سُورۃُ الزُّخرُف

سورۃ الزخرف چھوٹے چھوٹے سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور سورۃ الدخان جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز ﴿حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢﴾ سے ہوتا ہے۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا:

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٣

''ح' م۔ قسم ہے اس کتاب کی جو بالکل واضح ہے اور ہم نے اسے قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح اللہ کی ذات کسی بھی پیمانہ میں آنے والی نہیں اسی طرح سے اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ازلی کلام نے عربی قرآن کی شکل اختیار کی ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ یہاں بڑے پیارے انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے بنایا ہے اس کو قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو۔ چونکہ اس کے اوّلین مخاطب عرب ہی تھے اس لیے اس اعتبار سے تو بات بالکل واضح ہے کہ ان کو مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ اس کو قرآن عربی اس لیے بنایا ہے تاکہ تمہارے اور اس کے مابین کوئی حجاب اور فصل نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ دنیا بھر کی زبانوں میں اپنی وسعت کے لحاظ سے عربی ہی وہ زبان ہے جو اللہ کے ابدی کلام کو اپنے دامن میں لے سکتی ہے اور یہی وہ زبان ہے جسے کما حقہٗ سمجھا جا سکتا ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾ ''اور بے شک یہ قرآن ہمارے پاس اُم الکتاب (لوح محفوظ) میں بہت ہی عالی ترتیب وحکمت سے معمور ہے''۔ یہ قرآن مجید کی شان ہے کہ وہ لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے اور وہیں سے یہ کلام بذریعہ وحیٔ الٰہی محمد ﷺ کے سینے پر اُترا ہے۔ ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ کیا ہم تمہاری طرف سے یہ ذکر پھیر دیں گے اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو؟ یعنی یہ واضح کر دیا گیا کہ تم لوگوں کی ہٹ دھرمیوں اور نادانیوں کی وجہ سے ایسے عظیم کلام کی تنزیل بند نہیں کی جاسکتی۔

آیات ۶ تا ۱۱ میں سابقہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کو بیان کیا۔ اس کے بعد آیات ۱۲ تا ۱۴ میں ایک اہم مضمون بیان ہوا۔ فرمایا:

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

''(اللہ وہ ذات ہے) جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور بنائیں تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم چڑھو اس کی پیٹھ پر اور اپنے ربّ کا احسان یاد کرو جب تم اس (سواری) پر (اچھی طرح) بیٹھ چکو تو یہ (دعا) پڑھو: پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ ہم اسے قابو میں نہیں کر سکتے تھے اور ہمیں اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔''

انسان ہاتھی جیسے جانور پر سواری کرتا ہے' اسی طرح گھوڑوں' اونٹوں' کشتیوں' بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں پر سواری کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ سوار ہوتے وقت یہ دعا ضرور پڑھ لے' کیونکہ اللہ ہی نے ان چیزوں کو انسان کے تابع کیا ہے ورنہ انسان ہاتھی جیسے جانور کو اپنے تابع کیسے کر سکتا ہے!

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کے ناشکرے پن کا شکوہ کرتا ہے کہ انسان اس کی نعمتوں کا شکر کرنے کے بجائے اس کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے اور وہ بھی بیٹیاں' حالانکہ

انسان اپنے لیے بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا:

''اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اللہ کے لیے اولاد اس کے بندوں میں سے۔ بے شک انسان کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیے چن کر بیٹے؟ اور جب ان میں سے کسی کو خوشخبری دی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے نام لگایا (یعنی بیٹی) تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی بیٹی ہو سکتی ہے؟) اور انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔'' (آیات ۱۵ تا ۱۹)

اس سورہ کی آیات ۸۱ تا ۸۳ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے کفار کی اس بات کا جواب بایں الفاظ دیا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں، زمین اور عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔ آپ ان کو فضول گوئی اور کھیل تماشے میں منہمک رہنے دیجیے یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں اس دن کو جس کی ان کو دھمکی دی جاتی ہے۔''

آیات ۳۰ اور ۳۱ میں کفار کے قرآن حکیم پر کیے گئے دو اعتراضات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اعتراضات قرآن حکیم کے توسط سے درحقیقت نبی کریم ﷺ کی رسالت پر تھے۔ فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝

''اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟''

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان کے مابین دنیوی زندگی کا سامانِ معیشت تقسیم کر دیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو یہ جمع کرتے ہیں۔''

سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (آیت ۱۲۴) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا اہل کون ہے اور) کس کو اپنی پیغمبری عنایت فرمائے۔''

کفار کے پہلے اعتراض کہ یہ قرآن جادو ہے' کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴﴾ ''اور یہ (قرآن) آپؐ کے لیے اور آپؐ کی قوم کے لیے نصیحت ہے' اور تم لوگوں سے عنقریب (اس کے بارے میں) پوچھا جائے گا۔''

اس کے بعد یہ اہم مضمون بیان ہوا کہ ان لوگوں کی نگاہوں میں ساری اہمیت سیم و زر کی ہے جبکہ ہماری نگاہوں میں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

''اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک اُمت بن جائیں گے (یعنی کافر ہو جائیں گے اور ہم سے بھی اپنا منہ موڑ لیں گے) تو جو لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں

ہم ان کے گھر کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر یہ تکیہ لگاتے ہیں۔ اور خوب تجمل (و آرائش کر دیتے' مگر یہ یاد رکھو کہ) یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے' اور آخرت (کی عیش و عشرت) آپ کے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

اس کے بعد آیت ۴۶ سے ۵۶ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اس تذکرہ میں یہاں ایک خاص بات آئی ہے اور وہ ہے شرک فی الملک یعنی بادشاہت میں شرک۔ بادشاہِ حقیقی صرف اللہ ہے' اس لیے جو کوئی بھی بااختیار یا بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کرتا وہ درحقیقت خدائی کا دعوے دار ہے۔ فرعون نے بھی اپنی قوم میں یہی ندا لگائی: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی بادشاہی؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے چل رہی ہیں (کیا میرے انتظام میں نہیں) کیا تم دیکھتے نہیں؟'' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بے شک میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کی کوئی حیثیت نہیں اور جو صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا ہے۔ [یہ بالکل وہی بات ہے جو کفار نے نبی کریم ﷺ کے لیے کہی تھی کہ یہ تو بے حیثیت ہے' اس کی جگہ کوئی بڑا شخص ہوتا تو ہم اس کی بات ضرور مانتے۔] تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے!''

یہ ہے شرک فی الملک' یعنی فرعون نے بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کیا' جبکہ اللہ تعالیٰ کو یہ دعویٰ ناپسند اور غصہ دلانے والا ہے۔ اس پر اللہ نے اس سے اور اس کے پیروکاروں سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔

اگلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور اس تذکرہ میں یہ اہم بات بھی آئی: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾﴾ ''اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں' پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو۔ یہی

سیدھا راستہ ہے''۔ جو حالات و واقعات قربِ قیامت میں پیش آنے والے ہیں ان میں سے ایک اہم واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔ چنانچہ آپؑ کے ذکر کے آخر میں ارشاد ہوا: ''کیا یہ لوگ اب صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ اچانک ان پر قیامت آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو!''

سُورۃُ الدُّخَان

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزخرف کے آغاز میں ذکر ہوا کہ یہ دونوں سورتیں جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں اور دونوں کی ابتدا ﴿حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②﴾ کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③﴾ ''ہم نے اس کو نازل کیا ہے ایک مبارک رات میں (اور) ہم تو خبردار کرنے والے ہیں۔''

قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ (الفاظ یا اسلوب کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ) ضرور آتے ہیں۔ اس طرح کا مضمون آخری پارہ میں سورۃ القدر میں دوبارہ آیا ہے۔ وہاں اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کہا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ①﴾ ''ہم نے اس کو نازل کیا لیلۃ القدر میں''۔ بعض لوگوں نے ناسمجھی کی وجہ سے ان کو دو راتیں سمجھ لیا ہے' حالانکہ یہ ایک ہی شب ہے جس کا ذکر دو جگہوں پر ہوا ہے۔ اس آیت میں اس کے نزول کی وجہ خبردار کرنا بتایا گیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ کوئی بہادر شخص بے خبری میں حملہ نہیں کرتا بلکہ پہلے خبردار کرتا ہے اور پھر حملہ کرتا ہے' اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے رسولوں کے ذریعے اُس قوم کو اچھی طرح خبردار نہ کر دیا ہو اور اُن پر حجت نہ قائم کر دی ہو۔ اگلی آیت میں اس رات کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④﴾ ''یہ وہ رات ہے کہ جس میں ہر اہم معاملے کا فیصلہ چکا دیا جاتا ہے''۔ یعنی جو بھی اہم معاملات ہیں وہ اس رات میں طے کیے جاتے ہیں' اس لیے اس رات میں نزولِ قرآن

کا آغاز ہوا۔

سورۃ الزخرف میں قیامت کی ایک نشانی نزولِ عیسیٰ کا تذکرہ آیا تھا' اب اس سورہ کی آیت ۱۰' ۱۱ میں بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ''دخان'' یعنی ''دھواں'' کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١﴾ ''تو اس دن کا انتظار کرو کہ جب آسمان سے صریح دھواں نکلے گا' جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔''

اگلی آیت میں نافرمانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ اس نشانی کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے: ''اے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے' ہم ایمان لاتے ہیں'' (آیت ۱۲)۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''اب ان کو نصیحت کہاں مفید ہو گی جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آ چکے جو کھول کھول کر بیان کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے روگردانی کی اور کہنے لگے کہ یہ تو سکھلائے ہوئے یا جِنّات کے سائے میں ہیں۔'' (آیات ۱۳۔۱۴)

اگلی آیات میں کفار کے لیے بطور امتثال فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ جیسے ہم نے تم تک اپنا پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا اسی طرح اس سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبروں کو مختلف اقوام کی طرف بھیجا۔ پھر جس قوم نے نافرمانی کی تو ہم نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔ ان میں سے ایک آلِ فرعون ہے جس کی طرف عالی قدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٩ وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝٢٠ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِىْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝٢١﴾ ''اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔ اور اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو' میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے دور ہو جاؤ''۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرعون نے سرکشی کی تو اس کے جواب میں ہم نے اس کے پورے لشکر کو غرق کر دیا اور ان کو ذرا مہلت نہ دی۔

آیت ۳۴، ۳۵ میں فرمایا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝۳۴ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝۳۵﴾ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں''۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۰﴾ ''بے شک فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے کا) وقت ہے۔''

اگلی آیات میں سرکشوں اور اپنے پروردگار کا حکم نہ ماننے والے منکرین کے کھانے کا بیان ہے کہ زقوم (کڑوا ترین درخت) ان کا کھانا ہوگا اور تیل کی تلچھٹ جیسا کھولتا ہوا پانی ان کا پینا ہوگا اور پھر ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا: ''یہ وہی ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' (آیت ۵۰)

آیات ۵۱ سے ۵۷ تک جہنمیوں کے مقابلے میں اہل جنت اور ان کے انعامات کا تذکرہ ہے۔ یہ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ ایک چیز کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد کو بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہے تاکہ فرق واضح ہو جائے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝۵۱ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۵۲﴾ ''بے شک پرہیزگار امن کی حالت میں ہوں گے (یعنی) باغوں اور چشموں میں''۔ مزید فرمایا کہ ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا' خوبصورت حوریں ہوں گی' ہر طرح کے میوے ہوں گے' اور یہ صرف ایک دفعہ ہی (دنیا میں) موت کا مزہ چکھیں گے' پھر ابدی حیات ہوگی جس میں مرنا نہیں ہوگا۔ آخر میں فرمایا: ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۵۷﴾ ''یہ تمہارے پروردگار کا فضل ہے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔'' اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

آیت ۵۸ میں فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان میں آسان بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں''۔ یعنی اس قرآن کو ہم نے عربی میں نازل کیا جو آپ کی مادری زبان ہے' اس لیے یہ آپ کی زبان سے بڑی سہولت کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی بہرحال نہیں ہیں کہ اس کے مضامین میں گہرائی نہیں ہے۔ اصل اعجاز تو ہوتا ہی ''سہل ممتنع'' میں کہ الفاظ تو آسان ہوں لیکن مضامین ایسے گہرے ہوں کہ تدبر کرنے کے لیے

اس کی گہرائیوں میں اترا جائے۔ قرآن بھی بعینہٖ اسی حیثیت کا مالک ہے۔ اسی لیے تو امرء القیس (جاہلی دور کا بڑا شاعر) اس کلام کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کوئی بھی اس کے مثل کلام نہ لا سکا۔

سُورۃُ الجَاثِیَۃ

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور اس کے بعد آنے والی سورۃ الاحقاف جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز ﴿حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②﴾ سے ہو رہا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی سورۃ الدخان کے مضامین کے ساتھ بھی گہری مشابہت ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الدخان کے فوراً بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ اس کا موضوع بھی توحید اور آخرت کے متعلق کفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب دینا اور ان کو ان کے اس رویہ پر متنبہ کرنا ہے جو انہوں نے قرآن کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کر رکھا تھا۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا:

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

"ح م۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے۔"

آیات ۳ سے ۶ تک اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل اور اپنی ان نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جس کا سب مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا:

"بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے' یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں' اور وہ جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ کیا' اور ہواؤں کے بدلنے میں (بھی) عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ (کی قدرت) کی نشانیاں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس

پر ایمان لائیں گے؟'' (آیات ۳ تا ۶)

اس طرح آیات ۱۲، ۱۳ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور بنی نوعِ انسان پر کیے گیے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کو تمہارے تابع کر دیا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔''

آگے ان نشانیوں کے باوجود اپنے کفر پر اڑے رہنے والوں کے دردناک انجام کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸﴾ ''ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو'' —— ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے'' —— ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰﴾ ''اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے'' —— ﴿لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱﴾ ''ان کو سخت قسم کا درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کے حوالے سے ایک خاص اصول بیان کر دیا۔ فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۵﴾ ''جو کوئی نیک کام کرے گا تو اپنے لیے کرے گا اور جو برا کرے گا اس کا ضرر اسی کو ہوگا' پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے''۔ یہاں یہ یاد رکھیں کہ آپ ایمان لائے یا کوئی نیک کام کر رہے ہیں تو یہ کسی پر احسان نہیں کر رہے۔ یہ عمل آپ اپنے لیے کر رہے ہیں۔

آگے آیات ۱۶ تا ۱۸ میں بنی اسرائیل کے حوالہ سے ارشاد ہو رہا ہے:

''ہم نے ان کو کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ان کو عمدہ سامانِ زیست دیا اور دنیا بھر کے لوگوں پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔ دین کے معاملہ میں ان کو واضح ہدایات دیں' پھر علم آ جانے کے بعد ان کے درمیان آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف ہوا۔ قیامت کے دن اللہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے۔ (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک

صاف شاہراہ یعنی شریعت پر قائم کیا ہے لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیے اور ایسے لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجیے جو علم نہیں رکھتے۔''

تیسرے رکوع میں دہریت کا مضمون بتمام وکمال بیان ہوا ہے' فرمایا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

''کیا تم نے غور کیا اس شخص کے حال پر جس نے خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو اس کے تمام تر علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون ہے جو اس کو ہدایت دے؟ تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟''

اس بات کو اگر آج کے دور پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو آج کل کیسا کیسا علم وجود میں آ چکا ہے اور سائنس وٹیکنالوجی کس درجہ تک ترقی کر رہی ہے لیکن بجائے اس کے کہ اس علم کی ترقی سے لوگوں کی بصیرت میں اضافہ ہوتا وہ حقیقت سے دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اگلی آیت میں دہریت کے اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم خود مرتے ہیں اور خود جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک کرنے والی شے محض گردشِ ایام ہے۔ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں' یہ صرف گمان سے کام لیتے ہیں''۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ کائنات آپ سے آپ چل رہی ہے اور رواں دواں ہے۔ آپ سے آپ ہی چیزیں بن رہی ہیں اور ختم ہو رہی ہیں۔ ہم نہیں مانتے کہ اور کوئی بالاتر ہستی یا طاقت ہے جس کا ارادہ یا مشیت یہاں کارفرما ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(اے نبی ﷺ) کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے۔ پھر وہ تم کو قیامت کے روز' جس میں کوئی شک نہیں' جمع کرے گا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے۔'' (آیت ۲۶)

آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں کفار کا قول نقل کیا جو قیامت کو

محض گمان خیال کرتے تھے۔ فرمایا: ''اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے' ہم اس کو محض گمان خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا''۔ اگر ہم غور کریں تو اس وقت قیامت کے حوالے سے ہم میں سے اکثریت کا حال یہی ہے کہ ہم بھی آخرت کو ایک گمان سمجھتے ہیں کہ شاید ایسا ہو۔ اگر ہمارا دل آخرت اور قیامت کے قیام کے حوالے سے مطمئن ہو جائے تو اس سے ہماری زندگی میں عملی اعتبار سے ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا' لیکن یہ وہ چیز ہے جو آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کبریائی اور بڑائی کو اپنے لیے مختص کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں اسی (اللہ) کی بڑائی ہے۔ اور وہ غالب اور دانا ہے''۔ انسانوں کے لیے تکبر کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث قدسی میں یہ الفاظ آتے ہیں: ''تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس' جس نے مجھ سے ان میں سے کسی ایک پر جھگڑا کیا تو میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔'' (ابوداؤد)

سُورۃُ الاَحْقَاف

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ مضامین کے اعتبار سے سورۃ الجاثیہ کا جوڑا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کو ان گمراہیوں کے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے جن میں نہ صرف وہ مبتلا تھے بلکہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اُن پر جمے ہوئے تھے اور الٹا اس شخص کو ہدفِ ملامت بنا رہے تھے جو انہیں ان گمراہیوں سے نکالنے کے لیے کوشاں تھا۔ قرآن کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قیامت' حیات بعد الموت اور سزا و جزا کی باتوں کو ایک مَن گھڑت افسانہ سمجھتے تھے۔ آغازِ کلام ہو رہا ہے:

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

''ح' م۔ اس کتاب کا نزول ہے اس ہستی کی طرف سے جو العزیز اور الحکیم ہے۔''

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جن سے سورۃ الجاثیہ کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس سورۃ کی آیت ۹ ایک اہم آیت ہے جس میں فرمایا گیا:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَآ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا نویلا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کل میرا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کر رہا ہوں (اور عمل کر رہا ہوں) کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے اور میں سوائے کھلے کھلے خبردار کر دینے والے کے اور کچھ نہیں۔''

یہ بڑی لرزا دینے والی آیت ہے۔ ایک تو اس سے لفظ بدعت کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا کہ بالکل نئی چیز جو پہلے سے نہ چلی آ رہی ہو بلکہ نئی ایجاد ہو' وہ بدعت کہلاتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ کہہ دو مجھے خود کچھ پتا نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ انسان اس پر غور کرے تو یہ جملہ لرزہ طاری کر دینے والا ہے۔

آیت ۱۲ میں موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل ہونے والی تورات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ قرآن اس کا مصدق (تصدیق کرنے والا) ہے۔ فرمایا:

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝

''اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (لوگوں کے لیے) امام تھی اور رحمت بھی۔ اور اب یہ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب (یعنی قرآن) اس پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے تاکہ ظالموں کو متنبہ کرے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو بشارت دے دے۔''

آیت ۱۵ میں والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس ضمن میں سلیم الفطرت انسان کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ کے انعامات کا شکر بجالانے کے لیے اللہ سے توفیق کی بڑی بلیغ اور جامع دعا کرتا ہے' فرمایا:

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے باوجود پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے ہی جنا۔ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا اڑھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر بجالاؤں اس احسان کے بدلے جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے اور (اس کی بھی توفیق دے) کہ میں نیک عمل کروں جس کو تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔''

یہ الفاظ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں بھی آ چکے ہیں۔ یہاں والدین کے لیے بھی دعا ہو رہی ہے اور اولاد کے لیے بھی کہ میری اولاد بھی صالح بنے۔ اس لیے کہ اگر کسی نیک انسان کی اولاد صالح نہیں ہے تو وہ بجائے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے اس کے لیے مسلسل کوفت کا موجب بنی رہے گی۔

دوسری بات یہ کہ صالح اولاد سب سے بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ انسان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے اپنے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کے حساب میں اس کی اولاد کے اعمالِ صالحہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے سورۃ الفرقان میں اولاد کے لیے ایک دعا سکھلائی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝۷۴﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ انسان چالیس سال کی عمر میں سن رُشد کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی کو بنیاد بناتے ہوئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ پاکستان کے سیاسی نظام میں ووٹر کی عمر بھی چالیس سال ہونی چاہیے تاکہ وہ پوری سمجھ داری سے اپنا رائے دہی کا حق استعمال کرے۔

آیت ۲۱ میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے جس میں حضرت ہود اور ان کی قوم کا

معاملہ مذکور ہے۔ فرمایا: ''اور یاد کرو (قوم) عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی —— اور تحقیق ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے ہیں —— کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ لے آؤ وہ چیز (عذاب) جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو''۔ قوم کے انکار اور ہٹ دھرمی پر ان پر آندھی کا عذاب آیا اور اس نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا۔

آیات ۲۹ تا ۳۲ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی موقع پر وعظ فرما رہے تھے یا قرآن سنا رہے تھے تو جنات کے ایک گروہ کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے وہاں پر قرآن سنا جس کے نتیجہ میں ان کے اندر دعوت کا جذبہ اُبھرا اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر دعوت دی۔ فرمایا:

> ''اور جب ہم نے جنوں میں سے ایک جماعت تمہاری طرف متوجہ کی کہ قرآن سنیں، تو جب وہ اس کے پاس آئے (تو آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ جب (پڑھنا اور سننا) تمام ہوا تو اپنی قوم میں واپس گئے تاکہ انہیں نصیحت کریں۔ کہنے لگے اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، جو (کتابیں) اس سے پہلے ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے، سچ اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے دور رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

ہمارے لیے یہ ایک مثال ہے کہ کوئی خیر اور نیکی کی بات اور نیک دعوت اللہ کے کسی بھی بندے کے سامنے آئے تو وہ اس کو قبول کرے اور اس کا علمبردار اور پرچارک بن جائے۔

اس سورۃ کی آخری آیت میں تشویق و ترغیب کے بڑے دلکش پیرائے میں نبی

کریم ﷺ کو صبر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''پس (اے محمد ﷺ) آپ صبر کیجیے جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگیے۔ جس دن یہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے) گویا ہم (دنیا میں) صرف دن بھر ہی رہے۔ (یہ قرآن) پیغام ہے' پس اب نافرمان ہی ہلاک ہوں گے۔''

سُورۃُ مُحمّد

سورۃ الاحزاب کے بعد (سورۂ سبا سے) مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ سورۃ الاحقاف پر مکمل ہوا۔ ان تیرہ مکی سورتوں کے بعد اب تین مدنی سورتیں (محمد' الفتح' الحجرات) آ رہی ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بلا تمہید شروع ہو جاتی ہیں' یعنی نہ تو ان کے آغاز میں حروفِ مقطعات ہیں اور نہ ہی کوئی اور تمہیدی کلمات یا مضامین۔ بالخصوص سورۂ محمد کا آغاز تو ایسے ہو رہا ہے جیسے اچانک گفتگو ہوتی ہے۔ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

''وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی اور اللہ کے راستے سے (خود بھی رُکے اور دوسروں کو بھی) روکا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔''

یعنی اگر انہوں نے اس سے پہلے کوئی نیکیاں کی بھی تھیں تو حق کے آ جانے کے بعد اس کو ردّ کر دینے کی پاداش میں ان کی وہ نیکیاں بھی ضائع ہو گئیں۔ اگلی آیت میں اس کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کا تذکرہ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایمان لائے اس شے پر جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی' اور وہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے' اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی تمام برائیاں دور کر دے گا اور ان کے تمام معاملات کو صحیح کر دے گا۔''

آیت ۴ میں ایک اہم مضمون آیا ہے' اس کا تقابل سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ سے کرنا ہوگا۔ یہ ایک اہم علمی مسئلہ ہے' اس لیے اس پر غور وخوض کی ضرورت ہے۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ ہوا تھا' سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس پر ناپسندیدگی کا اظہار ہوا تھا۔ یعنی کفر کی کمر توڑے بغیر اگر ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو یہ دوبارہ کفر کی طرف سے طاقت بن کر حملہ آور ہوں گے۔ جبکہ یہاں واضح کیا جا رہا ہے کہ ہاں جب اسلام کو فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے اور کفر کی طاقت کو کچل دیا جائے تو پھر ان کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جا سکتا ہے۔ فرمایا:

''پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اُڑا دو۔ یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا کچھ مال لے کر' یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی دشمن میں جنگ کی طاقت نہ رہے اور لڑائی موقوف ہو جائے)۔''

آیت ۷ میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

نصرتِ خداوندی کے ضمن میں قاعدہ یہی ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کے لیے جدّوجُہد کرتے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے تعبیر کرتا ہے' اللہ کی مدد اُن ہی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جن کی دوستیاں اور وفاداریاں اللہ کے باغیوں کے ساتھ ہوں اور پھر وہ اللہ کی مدد بھی چاہیں تو اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۱۱ میں ایک اہم حقیقت واضح کر دی گئی:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝

''یہ اس لیے ہے کہ اللہ کارساز اور مددگار ہے مؤمنین کا اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے بعد جب نبی کریم ﷺ مسلمانوں کو لے کر کوہِ

اُحد پر چڑھ گئے تھے تو ابوسفیان، جو اُس وقت کفار کی فوج کا سپہ سالار تھے، نے نعرہ لگایا تھا: لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہلوایا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰکُمْ ۔ یہ بعینہٖ اسی آیت کا مفہوم ہے۔

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی صفات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا دوزخ اور جنت والے برابر ہو سکتے ہیں؟

''جنت، جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہیں کرے گا، اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہے، اور شہد مصفا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے)۔ اور (وہاں) ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے۔ (کیا یہ پرہیزگار) ان کی طرح (ہو سکتے ہیں) جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا؟''

تیسرے رکوع میں منافقین کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو۔ موت کے خوف اور دہشت کی وجہ سے اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوتی ہیں۔ پس ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے۔ (آیت ۲۰)

اگلی آیت میں اہلِ ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اطاعت کرو اور قولِ معروف اختیار کرو، پھر جب معاملہ طے ہو جائے (یعنی جنگ کا فیصلہ ہو جائے) تو پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کو خیر عطا فرمائے گا۔ (آیت ۲۱)

اسی سورۃ میں قرآن پر غور و فکر کرنے کے حوالے سے ایک عظیم آیت آئی ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جو حق کو نہیں مانتے اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

''کیا یہ لوگ قرآن مجید پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے

ہوئے ہیں؟''

اس کے ساتھ ہی قرآن حکیم کے بارے میں منافقین کے طرزِ عمل کا ذکر فرمایا گیا:

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُلٹے پاؤں پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی ان کو شیطان نے فریب دیا ہے اور ان کی (آرزوؤں کی) رسیاں دراز کر دی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کیا کہ بعض معاملات میں ہم آپ کی پیروی کریں گے' اور اللہ ان کی رازداری کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس دن ان کا کیا حال ہوگا جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کریں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔'' (آیات ۲۵ تا ۲۷)

آیت ۳۱ میں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے' تمہارے تمام حالات کی جانچ پڑتال کر کے رہیں گے کہ کون ہیں تم میں جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے!

اس سورۃ کی آخری آیت (۳۸) میں انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے —— سورۃ البقرۃ کے مضامین میں قتال کے ساتھ ساتھ انفاق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے' اس لیے کہ جان اور مال دونوں اللہ کی راہ میں کھپانا ضروری ہیں۔ اس سورۃ میں بھی قتال کے بعد اب انفاق کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

''تم وہ لوگ ہو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو! تو تم میں سے بخل کرنے والے بھی ہیں۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

چنانچہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم نبی کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اپنے مشن سے روگردانی اور اپنے فرضِ منصبی سے پہلوتہی کرو گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر اپنے دین کا جھنڈا کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

سُورۃُ الفَتح

یہ سورۂ مبارکہ پوری کی پوری صلح حدیبیہ کے گرد گھومتی ہے۔ صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' قرار دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

''ہم نے آپؐ کو یہ فتح مبین عطا فرمائی ہے تاکہ اللہ آپ کی خطاؤں کو معاف فرما دے جو پہلے ہوئی ہیں یا بعد میں ہوں گی' اور آپ پر اپنی نعمتوں کا اتمام کر دے اور آپ کی سیدھی راہ کی جانب راہنمائی فرمائے۔ اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے۔''

یہاں ایک علمی سا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی وہ کون سی خطائیں ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں جو تدبیریں اختیار فرماتے تھے اُن میں حضور ﷺ کے اپنے تدبّر' معاملہ فہمی' دور اندیشی اور منصوبہ بندی کو بڑا دخل حاصل تھا۔ ان معاملات میں بربنائے بشریت کہیں کوئی کمی رہ جانا قرینِ قیاس ہے۔ میں اس کا یہ مفہوم سمجھتا ہوں کہ اس گھمبیر جدوجہد میں اگر کہیں حکمت عملی کے اعتبار سے (strategically) کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس فتح مبین کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی کمیوں کے اثرات دور فرما دے گا۔

آیت ۱۰ میں بیعت شجرہ (بیعتِ رضوان) کا ذکر ہے جو سیرۃ النبی ﷺ کے حوالہ سے ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو کوئی عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے' اور جو کوئی اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔''

یہاں حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے بیعت قرار دے رہا ہے۔ یہ مضمون سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے ساتھ جڑ جاتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''بے شک اللہ نے خرید لیے ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بعوض جنت کے''۔ اصل میں تو خرید و فروخت اللہ اور بندے کے درمیان ہے' لیکن اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ اس بیع کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے یہ دراصل اللہ کے ساتھ بیعت ہو رہی ہے۔

تیسرے رکوع' آیت ۱۸ میں اسی بیعت کے حوالہ سے فرمایا گیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ

''اللہ اُن مؤمنوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے' اور اللہ کے علم میں تھا جو کچھ کہ اُن کے دلوں میں تھا' تو اللہ نے اُن پر سکینت نازل فرمائی اور ایک فتح قریب اُن کو عطا فرمائی۔''

درحقیقت یہ معاملہ ایک مقدمہ بننے والا تھا فتح مکہ کے لیے' اور اس میں ایک بڑی حکمت ہے جو آیت ۲۴۔۲۵ میں بیان ہوئی ہے کہ اُس وقت اللہ نے فریقین کے ہاتھ کیوں روک دیے تھے اور یہ صلح کیوں ہوئی تھی؟ اُس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مکہ میں ایسے اہلِ ایمان ضعفاء موجود تھے جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ اگر جنگ ہو جاتی تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جانے کے مصداق ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں وہ بھی کچلے جاتے۔ اس حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور وہی تو ہے جس نے روک دیے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے مکہ کی وادی میں اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اُن پر فتح دے چکا تھا۔ اور جو کچھ تم

کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو روکا مسجد حرام سے اور ہدی کے جانوروں کو (بھی روکا) کہ وہ پہنچیں اپنے مقام پر۔ اگر نہ ہوتے وہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے' ہو سکتا تھا کہ تم انہیں کچل ڈالتے اور لاعلمی میں ان کی طرف سے تمہیں بھی نقصان پہنچتا (تو سب قصہ طے کر دیا جاتا' لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جس کو چاہے۔ اگر (دونوں فریق) الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ہم ان کو دکھ دینے والا عذاب دیتے۔'' (آیات ۲۴۔۲۵)

اس سورۂ مبارکہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے۔ جیسا کہ سب کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر ایک خواب کی بنیاد پر کیا تھا کہ آپؐ عمرہ کر رہے ہیں' لیکن واپسی بغیر عمرہ ادا کیے ہوئی' جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک بے چینی پیدا ہوئی' جس کا ازالہ کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

''بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا (اور) حقیقت پر مبنی خواب دکھایا تھا۔ تم لازماً داخل ہو گے مسجد حرام میں' ان شاء اللہ' پورے امن کے ساتھ اور اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے بغیر کسی خوف کے۔ اللہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہیں جانتے تھے' پس اس نے اس (خواب کے پورا ہونے) سے پہلے یہ قریبی فتح دے دی۔''

اگلی آیت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بایں الفاظ بیان کیا جا رہا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے کُل کے کُل دین پر۔ اور اللہ کافی ہے بطورِ گواہ۔''

اس کے بعد آخری آیت میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کی جماعت کے افراد کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں' تم ان کو رکوع اور سجود میں مشغول پاتے ہو' تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔ ان کے چہروں پر نشان ہیں سجود کے اثر سے.....''

سُورۃُ الحُجُرات

یہ عظیم سورۃ اجتماعیاتِ انسانی کے ذیل میں عام سماجی و معاشرتی معاملات سے بلند تر سطح پر نہ صرف قومی و ملی امور سے بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی تأسیس اور تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی ہے اور اس میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و ہم رنگی کیسے برقرار رکھی جا سکتی ہے' بلکہ سیاست و ریاست کے متعلق امور سے بھی بحث کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے' اس کا دستورِ اساسی کیا ہے' اس کی شہریت کسے حاصل ہوتی ہے اور اس کا دنیا کے دوسرے معاشروں یا اس کی دوسری ریاستوں سے تعلق کن بنیادوں پر استوار ہوگا۔

اس سورۃ کو بغرضِ تفہیم تین حصوں میں منقسم سمجھنا چاہیے: پہلا حصہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے 'اصل الاصول' یعنی اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی اور ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے اصل قوام یعنی ''مرکزِ ملّت'' سے بحث کرتا ہے —— دوسرا حصہ ان احکامات پر مشتمل ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے ملّتِ اسلامیہ کے افراد اور گروہوں اور جماعتوں کے مابین رشتۂ محبت و الفت کے کمزور ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور اختلاف و انتشار اور فتنہ و فساد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے —— تیسرا حصہ دو انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے: پہلی بحث انسان کی عزت و شرف کے معیار سے متعلق ہے' جبکہ دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق و امتیاز کی وضاحت سے متعلق ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم طور پر یہ واضح فرما دیا کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست ''مادر پدر آزاد'' نہیں ہوگی بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے تابع ہوگی۔ آیت کے آخر میں اس اطاعت کی اصل روح کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ ہے۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

''اے ایمان والو! مت آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آگے آیت ۲ تا ۸ (سوائے آیت ۶ کے) میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعی کی ''اصلِ ثانی'' کو واضح کیا گیا جس کے گرد مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی اصل شیرازہ بندی ہوتی ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کا ادب' محبت اور تعظیم و توقیر۔ چنانچہ فرمایا:

''اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور مت گفتگو کرو انؐ سے بلند آوازی کے ساتھ جیسے تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے ہو' مبادا تمہارے تمام اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں' وہی ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو (اے نبی ﷺ) آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے' ان میں اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔..... اور جان رکھو کہ تمہارے مابین اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔ اگر وہؐ تمہارا کہنا اکثر معاملات میں ماننے لگیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ گے' لیکن اللہ نے تو ایمان کو تمہارے نزدیک بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے' اور تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر کو بھی اور نافرمانی کو بھی اور معصیت کو بھی۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اصل میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور مظہر ہے اس کی

نعمت کا۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔'' (آیات ۲ تا ۸)

دوسرے حصے سے متعلق احکام کو مزید دو عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اہم تر احکام جو وسیع پیمانہ پر گروہوں کے مابین تصادم سے بحث کرتے ہیں اور دوسرے وہ بظاہر چھوٹے لیکن حقیقتاً نہایت بنیادی احکام جو خاص انفرادی سطح پر نفرت و عداوت کا سدباب کرتے ہیں۔ مقدم الذکر احکام دو ہیں: افواہوں کی روک تھام اور نزاع کے واقع ہو جانے کی صورت میں صحیح طرزِ عمل۔

آیت ۶ میں افواہوں کی روک تھام کے ضمن میں یہ حکم دیا گیا کہ کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو' مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''

اس کے ضمن یہ اصول یاد رکھیں کہ اس صورتحال میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو تو کسی تحقیق' کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اگر خبر لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکام الٰہیہ پر اس طور سے کاربند نہیں ہے جس طرح ایک مؤمن صادق کو ہونا چاہیے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے' لہٰذا اس کی تحقیق' تبیین اور تفتیش ضروری ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے۔''

آیات ۹' ۱۰ بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی سے متعلق ہیں کہ اگر احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے' کوئی جھگڑا ہو جائے' کسی نوع کا اختلاف ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو

ایک مسلم معاشرے کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ''Nip the evil in the bud'' کے مصداق ان میں فوری صلح کرادے:

''اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرادو' اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلے تو پھر صلح کرادو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ' اور عدل سے کام لو' یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ یقیناً تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

مؤخّرالذّکر احکام چھ نواہی پر مشتمل ہیں۔ آیات ۱۱' ۱۲ میں ان چھ معاشرتی برائیوں کا ذکر کرکے ان سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے جن کے باعث بالعموم دو افراد یا گروہوں کے مابین رشتۂ محبت والفت کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ نفرت وعداوت کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ ان چھ معاشرتی برائیوں کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا:

(۱) ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ .....﴾ ''اے ایمان والو! تم میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے.....'' (۲) ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ''۔ (۳) ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ ''اور ایک دوسرے کے بُرے نام نہ ڈالو''۔ (آیت ۱۱) (۴) ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''اے ایمان والو! سوئے ظن سے بچتے رہو' بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''۔ (۵) ﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''اور کسی کا راز نہ تلاش کرو''۔ (۶) ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ ''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔'' (آیت ۱۲)

تیسرے حصے کے دو مباحث میں سے پہلی بحث انسان کی عزت وشرف کے معیار سے متعلق ہے' جس کے ذیل میں واضح کردیا گیا کہ انسان کی عزت وذلت یا شرافت و رذالت کا معیار نہ کنبہ ہے نہ قبیلہ' نہ خاندان ہے نہ قوم' نہ رنگ ہے نہ نسل' نہ ملک ہے نہ

وطن' نہ دولت ہے نہ ثروت' نہ شکل ہے نہ صورت' نہ حیثیت ہے نہ وجاہت' نہ پیشہ ہے نہ صرفہ' اور نہ مقام ہے نہ مرتبہ' بلکہ صرف تقویٰ ہے۔ اس لیے کہ پوری نوع انسانی ایک ہی خدا کی مخلوق بھی ہے اور ایک ہی جوڑے (آدم وحوا) کی اولاد بھی۔ چنانچہ آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تا کہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) باخبر ہے۔''

پوری سورت میں یہ ایک ہی آیت ہے جو یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہوئی ہے جبکہ پانچ دفعہ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' آیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ نہ نسلی معاشرہ ہے نہ لسانی' یہ حقیقتاً ایمان اور دستوراً و قانوناً اسلام کا اقرار کرنے والوں کا معاشرہ ہے۔

تیسرے حصے کی دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق وتمیز سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں ایمان واسلام اور مؤمن ومسلم کی اصطلاحات اکثر و بیشتر ہم معنی اور مترادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں' لیکن اس سورۂ مبارکہ میں ایمان اور اسلام کو ایک دوسرے کے مقابل لایا گیا ہے اور ''ایمان'' کی نفیٔ کامل کے علی الرغم ''اسلام'' کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس کا اصل مقصد اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد ایمان پر نہیں بلکہ اسلام پر ہے' اس لیے کہ ایمان ایک باطنی حقیقت ہے جو کسی قانونی بحث وتفتیش اور ناپ تول کا موضوع نہیں بن سکتی۔ لہٰذا مجبوری ہے کہ دنیا میں بین الانسانی معاملات کو صرف خارجی رویے کی بنیاد پر استوار کیا جائے' جس میں ایمان کا زیادہ سے زیادہ صرف ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ'' والا پہلو

شامل ہوسکتا ہے۔

آیت ۱۴ میں ایمان و اسلام کا فرق واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

اس بحث سے اس عظیم حقیقت کی جانب بھی رہنمائی ہوگئی کہ انسان کی ایک ایسی حالت بھی ممکن ہے کہ اُس کے دل میں نہ تو مثبت اور ایجابی طور پر ایمان ہی محقق ہو نہ منفی و سلبی طور پر نفاق' بلکہ ایک خلا کی سی کیفیت ہو' لیکن اس کے عمل میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت موجود ہو۔ ایسی حالت میں اس قاعدہ وکلیہ کی رو سے کہ ''بغیر ایمان انسان کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں'' ایسے شخص کی اطاعت قبول نہ کی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ دو اسمائے حسنیٰ غفور اور رحیم استعمال کر کے اس اطاعت کو بھی سندِ قبولیت عطا فرما دی۔

آیت ۱۵ میں ''حقیقی ایمان'' کی ایک جامع و مانع تعریف بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ فی الحقیقت ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایسے پختہ یقین کا جس میں شکوک و شبہات کے کانٹے نہ چبھے رہ گئے ہوں اور جس کا اولین اور نمایاں ترین عملی مظہر جہاد فی سبیل اللہ ہے' یعنی یہ کہ انسان ہدایتِ آسمانی کی نشر و اشاعت' حق کی شہادت اور اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کے غلبہ و اظہار کے لیے جان و مال سے کوشش کرے اور اس جدوجہد میں اپنا تن من دھن سب قربان کر دے۔

❁ ❁ ❁

چھٹا گروپ

قٓ .....تا..... التَّحرِیم

سُورَۃُ قٓ

نظم قرآن کے اعتبار سے مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل چھٹا گروپ سات مکیات اور دس مدنیات پر مشتمل ہے —— سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ سات مکی سورتیں ہیں اور مکی سورتوں کا یہ گلدستہ ادب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن حکیم کا حسین ترین مقام ہے۔ قرآن حکیم کئی اعتبارات سے معجزہ ہے' مثلاً علمی و فکری اعتبار سے' پیشین گوئیوں کے لحاظ سے' فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے' وغیرہ۔ لیکن قرآن حکیم کا سب سے نمایاں اور اس کے اوّلین مخاطب یعنی اہلِ عرب پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا پہلو' ادبی اور فصاحت و بلاغت والا پہلو ہے۔ ادبیت اور فصاحت و بلاغت کے حوالے سے یہ سات سورتیں (قٓ سے الوَاقِعَة) قرآن حکیم کی معراج اور نقطۂ عروج ہیں۔ ان میں سے ایک سورۃ ''الرحمٰن'' ہے' جسے نبی کریم ﷺ نے ''عُروسُ القرآن'' (قرآن مجید کی دلہن) قرار دیا ہے۔

ان تمام سورتوں کا اہم ترین موضوع آخرت ہے۔ آخرت کے حالات اور اس کی نقشہ کشی کی تعبیر اگر ایک لفظ میں کی جائے تو وہ ہے ''اِنذار'' (خبردار کرنا) جو ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔ یوں تو مکی سورتوں میں ہر جگہ ''ایمانیاتِ ثلاثہ'' یعنی توحید' آخرت اور رسالت کی بحث ملے گی' لیکن ان سورتوں میں زیادہ نمایاں پہلو خبردار کرنے کے حوالہ سے ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب تمہیں اپنے ربّ کے حضور حاضر ہونا ہوگا' اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی' جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے اور جنت و جہنم میں سے کسی ایک میں تمہیں داخل ہونا پڑے گا۔

ان سورتوں میں پہلی سورۂ قٓ ہے' جس کی ابتدائی آیات ہی اس کا عمود متعین کر رہی ہیں' جس میں بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝

''قٓ۔ قسم ہے اس عظیم الشان قرآن کی (کہ آپؐ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں)۔ مگر ان کو بڑا تعجب ہوا (اس بات پر کہ) ان کے پاس ایک خبردار کرنے والا آیا ہے' تو انکار کرنے والے کہنے لگے کہ یہ تو بہت حیران کن بات ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا)؟ یہ تو بہت دُور کی بات ہے۔''

آیت ۴' ۵ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی اس بات کا جواب بایں الفاظ دیا:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝

''تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کیا کم کرتی ہے' اور ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے۔ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آ پہنچا' پس یہ اُلجھی ہوئی بات میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

بعث بعد الموت کے منکرین کو ایک جواب اللہ تعالیٰ نے آیت ۱۵ میں دل میں اتر جانے والے انداز میں بایں الفاظ دیا:

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

''کیا ہم پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد اب عاجز آ گئے ہیں؟ (حالانکہ ہماری قدرت اور قوت کے خزانے میں تو کوئی کمی نہیں آئی) بلکہ یہ لوگ دوبارہ پیدا کیے جانے میں دھوکہ میں آ گئے ہیں۔''

آیات ۶ تا ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں اور انعامات خصوصاً آسمان' زمین اور

بارش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کیسے رونق دی کہ اس میں کوئی رخنہ تک نہیں؟ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ (یعنی پہاڑ تاکہ یہ ہل نہ سکے) اور اُگائی اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز۔ (یہ ساری چیزیں) آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر (حق کی طرف) رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے برکت والا پانی' پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ اور فصلیں جو کاٹی جاتی ہیں اور (اسی سے اُگائے) بلند و بالا درخت کھجور کے جن کے خوشے تہ در تہ ہیں۔ یہ بندوں کے لیے رزق ہے' اور اس کے ذریعے ہم بنجر زمین کو قابل کاشت بناتے ہیں۔ اسی طرح تمہارا (مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ) نکلنا ہے۔'' (آیات ۶ تا ۱۱)

آیات ۱۶ سے ۲۳ تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تذکرہ ہے جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ انسانی خیالات سے لے کر اس کے افعال تک ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کے مقرر کردہ فرشتے انسان کے تمام اعمال اس کے اعمال نامہ میں لکھ رہے ہیں اور وہ قیامت کے دن اسے ہر چیز کی خبر دے گا۔ فرمایا:

''اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے دل کے خیالات کو بھی جانتے ہیں' اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) وہ لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھتے ہیں' لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس (لکھنے کو) تیار رہتا ہے..... (قیامت کے دن) ہر شخص (ہمارے سامنے) اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اُس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانک کر لانے والا ہوگا اور ایک (اس کے اچھے برے اعمال کی) گواہی دینے والا ہوگا..... اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا کہ یہ (اعمال نامہ) میرے پاس حاضر ہے!'' (آیات ۱۶ تا ۲۳)

اس سورۃ کی آیت ۳۹' ۴۰ میں پانچ نمازوں کے اوقات کا تذکرہ موجود ہے' فرمایا

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝

''(اے نبی ﷺ!) جو کچھ یہ (کفار) بکتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجیے آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں پھر اس کی تسبیح کیا کریں اور نمازوں کے بعد بھی۔''

بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ پر ابتدا میں صرف تین نمازیں فرض تھیں، جن کا ان آیات میں ذکر ہے، یعنی فجر، عصر اور تہجد۔ جبکہ بعض کے مطابق ان آیات میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ ہے۔ ''قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ'' سے مراد فجر ''قَبْلَ الْغُرُوْبِ'' سے مراد ظہر و عصر اور ''مِنَ اللَّيْلِ'' سے مراد مغرب اور عشاء ہے۔

سُورۃُ الذّٰریٰت

یہ سورۃ چھوٹی چھوٹی ۶۰ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدائی آیات میں چار مختلف قسم کی ہواؤں کی قسمیں کھائی گئی ہیں اور ان کے بعد فرمایا:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝

''بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے، اور جزا و سزا ضرور واقع ہو کر رہے گی۔''

یہی وہ بنیادی خبر ہے جو ان ساتوں سورتوں (سورۂ ق تا سورۃ الواقعہ) کا بنیادی موضوع ہے۔

آیات ۱۵ تا ۱۹ میں متقین کی صفات اور ان کے اجر کا بیان کیا ہے جو ان کو قیامت کے دن ملے گا۔ فرمایا:

''بے شک اللہ سے ڈرنے والے (اس دن) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں دے رہا ہوگا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو (عبادتِ ربّ کی وجہ سے) بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت استغفار کرتے تھے۔ اور ان کے اموال میں حق

تھا مانگنے والوں اور محروموں کا۔'' (آیات ۱۵ تا ۱۹)

آیات ۲۴ سے ۳۷ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ کا تذکرہ ہے کہ جب ان کے پاس فرشتے انسانی شکل میں بیٹے کی بشارت لے کر آئے تو آپؑ ان کی ضیافت کے لیے موٹا تازہ بچھڑا بھون کر لے آئے' مگر انہوں نے نہ کھایا۔ آپؑ نے فرمایا:

''تم کھاتے کیوں نہیں؟ اور آپؑ دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے: ڈریے نہیں' اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی۔ پس آپؑ کی بیوی متعجب ہو کر آئیں اور اپنے منہ پر (تعجب کے باعث) طمانچہ دے مارا اور کہنے لگیں: میں بوڑھی اور بانجھ ہوں (میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟) انہوں نے کہا: ایسا ہی کہا ہے تیرے ربّ نے' بے شک وہ بہت حکمت والا اور جاننے والا ہے۔'' (آیات ۲۷ تا ۳۰)

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن فرشتوں سے اُن کے آنے کا مقصد دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں ایک مجرم قوم (قومِ لوطؑ) کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اس کے بعد آیات ۳۸ تا ۴۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' قومِ عادؑ قومِ ثمود اور قومِ نوحؑ کا اجمالاً تذکرہ ہے۔ تیسرے رکوع کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے حیاتِ اُخروی کے ثبوت کی ایک اور دلیل دیتے ہوئے فرمایا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝
وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور بے شک ہم بڑی وسیع قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس زمین کو ہم ہی نے بچھایا ہے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم۔ اور ہر شے کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

اگر تمہیں نباتات و حیوانات میں جوڑے نظر آ رہے ہیں تو اسی طرح بلندی و پستی ہے اور زمین و آسمان ہے۔ ان کو بھی آپ جوڑوں کی شکل میں سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش

برستی ہے تو زمین سے روئیدگی برآمد ہوتی ہے۔ اسی طرح حیاتِ دنیوی کا بھی ایک جوڑا ہے اور وہ ہے حیاتِ اُخروی۔ یہ بھی حیاتِ اُخروی کے اثبات کی ایک دلیل ہے کہ جب ہر شے کا ایک جوڑا ہے تو اسی طرح زندگی بھی ایک نہیں ہو سکتی' لازماً اس کا بھی جوڑا ہوگا۔ اگر اس کا بھی جوڑا نہ ہو تو پھر اس کی تخلیق ہی بے معنی رہے گی کہ نہ کسی کو نیکی کی جزا ملے اور نہ بدی کی سزا۔

ایک نہایت اہم آیت اس سورۂ مبارکہ میں آئی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

بعض مفسرین کے نزدیک '' اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ '' یہاں '' اِلَّا لِيَعْرِفُوْنِ '' کے معنی میں ہے۔ یعنی ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی پہچان اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

سُورۃُ الطُّور

یہ سورۃ ۲ رکوع اور ۴۹ آیات پر مشتمل ہے۔ پچھلی سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ ابتدائی چھ آیات میں پانچ اشیاء کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا:

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝

''قسم ہے طور (پہاڑ) کی' اور لکھی ہوئی کتاب کی' جس کے صفحات کشادہ ہیں' اور آباد گھر کی' اور اونچی چھت کی' اور اُبلتے ہوئے دریا کی۔''

اگلی آیات میں مُقسَم علیہ یعنی جس چیز کے لیے قسم کھائی جا رہی ہے' کا بیان ہے اور وہی ان سورتوں کا بنیادی موضوع ہے۔ فرمایا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے' اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

جس دن کہ آسمان کپکپا کر لرزے گا' اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ سو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

منکرین اور کافرین کے انجام کا تذکرہ آیت ۱۶ تک چلتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۷ سے ۲۸ تک متقین کے انجام اور ان انعامات کا تذکرہ ہے جو متقین کو قیامت کے دن ملیں گے۔ مثلاً وہ باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ہر طرح کے میوے اور شراب وطعام ہوگا' بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ایسی پاکیزہ شراب ہوگی کہ جس کے پینے سے انسان حواس باختہ نہیں ہوگا (اللّٰھم اجعلنا منھم)۔ ان انعامات میں ایک انعام یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم (جنت میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے (چاہے ان کا رتبہ ان سے کچھ کم ہی ہو) اور (اس کے بدلے میں) ہم اُن (جنتیوں) کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ (یاد رکھو) ہر آدمی اپنی کمائی کا ذمہ دار ہے۔''

دوسرے رکوع کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے نبی اکرم ﷺ کی ذات پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝

''(اے نبی ﷺ!) آپ یاد دہانی کراتے رہیں' آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ آپ تو ایک شاعر ہیں اور ہم منتظر ہیں گردشِ زمانہ کے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ بھی کہہ دیجیے: (ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

اگلی آیات میں کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

''کیا واقعتاً ان کی عقلیں انہیں یہی رائے دے رہی ہیں یا یہ اُن کے مزاج کی سرکشی اور تکبّر ہے (جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے)؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) خود پیغمبرؐ نے گھڑ لیا ہے؟ درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ اگر یہ سچے ہیں (اس بات میں کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے) تو یہ بھی بنا لائیں ایسا ہی کلام!''

قرآن حکیم عام طور پر فطری استدلال کا راستہ اختیار کرتا ہے، لیکن کہیں کہیں اپنے استدلال میں فلسفہ اور منطق کو بھی اختیار کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝

''کیا یہ بغیر کسی پیدا کیے کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں؟''

ظاہر بات ہے کہ یہ محالِ عقلی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میں اپنے آپ کو پیدا کرنے والا نہیں ہوں، تو لازماً میرا کوئی خالق ہے جس نے مجھے وجود بخشا ہے۔

اس سورۃ کے آخر میں فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

''(اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اپنے رب کے حکم کے ساتھ، بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور اپنے ربّ کی تسبیح بیان کریں اس کی حمد کے ساتھ جب آپ (سو کر) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رات کو بھی اللہ کی تسبیح بیان کریں اور (اس وقت) جب ستارے پیٹھ دکھا رہے ہوں۔''

سُورۃُ النَّجَم

یہ سورۃ چھوٹی چھوٹی ۶۲ آیات پر مشتمل ہے۔ پچھلی دو سورتوں کی ابتدائی آیات

کی طرح اس کی پہلی آیت میں بھی ستارے کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱﴾ ''قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔''

اس سورۃ کی ابتدائی آیات نہایت اہم اور مشکلات القرآن میں سے ہیں جن پر بڑی علمی بحثیں ہوئی ہیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے معراج واقعہ کے دوسرے یعنی آسمانی حصہ کا تفصیلاً ذکر ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔ ستارے کی قسم کے بعد آگے ارشاد ہوا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝

''تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ تو گمراہ ہوئے ہیں اور نہ ہی غلط راستہ پر چلے ہیں۔ اور نہ ہی وہ اپنی ہوائے نفس کی بنا پر کچھ کہتے ہیں۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر (نازل) کی جاتی ہے۔ انہیں تعلیم دی ہے بڑی طاقت والے' زور آور (جبرائیل) نے' جب وہ سیدھا بیٹھا۔'' (آیات ۲ تا ۶)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے۔ پہلی مرتبہ افق پر اور دوسری مرتبہ شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ اگلی آیات میں اس کا بیان ہے۔ فرمایا:

''(نبی اکرم ﷺ نے جبریل کو اصلی شکل میں پہلی دفعہ دیکھا) جب وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھے۔ پھر وہ قریب آئے اور لٹک گئے۔ پھر دو کمانوں جتنا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے کو جو وحی کی۔ جو کچھ (آنکھوں نے) دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔ تو کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا؟ اور البتہ تحقیق انہوں نے ان (حضرت جبرائیلؑ) کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا ہے' سدرۃ المنتہیٰ کے قریب' جس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (یعنی تجلیاتِ ربانی کا نزول ہو رہا تھا)۔'' (آیات ۷ تا ۱۶)

یہ مضامین ایسے ہیں کہ ان کو کتنے ہی سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے' ہماری عقل کی

گرفت میں نہیں آ سکتے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر کیا کیفیات ہیں' تجلیاتِ ربانی کی کیا کیفیت ہے' یہ ہماری عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ پھر کیا اندازِ بیان اختیار کیا گیا کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اب تم کیا سمجھو گے کہ کیا ڈھانپے ہوئے تھا؟ آگے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾

''ان کی نگاہ نہ کج ہوئی نہ حد سے بڑھی' اور انہوں نے اپنے ربّ کی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔''

ایک طرف تو آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کو نظر جما کر دیکھا ہے اور دوسری جانب آپ ﷺ کی نگاہ میں ادب بھی ہے کہ وہ حد سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے' لیکن اتنا تحمل بھی ہے کہ وہ چکا چوند نہیں ہو رہی ہے۔

آیات ۱۹ اور ۲۰ میں کفار کے تین بُتوں کا ذکر ہے جن کو وہ سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتے تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے مشرکین سے خطاب کیا جا رہا ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾

''بھلا تم نے لات اور عُزّیٰ پر بھی نظر کی ہے؟ اور وہ جو تیسری (دیوی) منات ہے؟''

مشرکین ان بُتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اگلی آیات میں ان کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں ہیں؟ یہ تو بہت غلط تقسیم ہے۔ یہ تو بس ایک قسم کے نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے ہیں اور اللہ نے اس معاملے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ محض اپنے گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔'' (آیات ۲۱ تا ۲۳)

آیات ۲۷ اور ۲۸ بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں کہ کفارِ مکہ فرشتوں کو بھی اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اس کو بھی گمان کی پیروی قرار دیا۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ﴿۲۸﴾

''جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ ان فرشتوں کے عورتوں والے نام رکھتے ہیں' حالانکہ ان کے پاس اس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ یہ محض اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں' اور حق بات کے مقابلے میں گمان کچھ کام نہیں آئے گا۔''

آیات ۴۲ تا ۴۵ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ اس عالمِ ارضی میں جتنے بھی متقابل اور متضاد احوال ہیں وہ سب میں نے ہی پیدا کیے ہیں۔ فرمایا:

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾

''اور یقیناً (ہر ایک کو) تیرے رب تک پہنچنا ہے۔ یقیناً وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے' وہی مارتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے' اور وہی ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا نر اور مادہ کی صورت میں۔''

سُورۃُ القَمَر

اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں ''شق القمر'' کے واقعہ کا ذکر ہوا ہے جس کو عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو تحدّی (challenge) کے ساتھ پیش کیا جائے' اور حضور ﷺ کا معجزہ صرف ایک ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ جبکہ خرقِ عادت یعنی عام طبعی یا فطری قوانین سے ہٹ کر واقعات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بے شمار ہوئے ہیں۔ شق القمر بھی ایک خرقِ عادت واقعہ تھا' جس کی تفاصیل بڑی مختلف ہیں' لیکن خلاصہ یہ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اُس کے بعد وہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔

ابتدائی آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اگلی دو آیات میں اس جیسے واقعات پر کفار کے عمومی رویے کو بیان کیا گیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾

''قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی' اور ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ میں آیات ۹ تا ۱۷ میں قومِ نوح کا' آیات ۱۸ تا ۲۲ میں قومِ عاد کا' آیات ۲۳ تا ۳۲ میں قومِ ثمود کا اور آیات ۳۳ تا ۴۰ میں قومِ لوط کا مختصراً مگر جامع انداز میں تذکرہ ہے۔ ان واقعات میں ایک چیز مشترک اور اہم ہے کہ ان میں سے ہر واقعہ کا اختتام ایک ہی آیت پر ہو رہا ہے اور وہ آیت ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ ''اور ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لیے آسان کر دیا ہے' تو ہے کوئی اس سے نصیحت یا ہدایت کا طالب؟'' —— یہ قرآن مجید کا ایک چیلنج ہے اور اتمامِ حجت کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ قرآن اپنے علمی پہلوؤں کے اعتبار سے بہت غامض ہے اور اپنے اندر ایسی گہرائیاں لیے ہوئے بھی ہے کہ جن کی تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' لیکن دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کے لیے اصل ہدایت اور رہنمائی اس کی سطح پر ہی موجود ہے' جس کے لیے بہت زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہے۔ نصیحت اور ہدایت کے پہلو سے قرآن آسان ہے' جس کو ''تذکر'' کہا جاتا ہے' البتہ اس کی علمی' فکری اور عقلی گہرائیوں میں جانا انتہائی محنت و مشقت کے بغیر ممکن نہیں ہے' جس کو ''تدبر'' کہا جاتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۴۳ تا ۴۵ میں ایک طرح کی پیشین گوئی آئی ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جتنے بھی مخالفین ہیں یہ سب پیٹھ دکھا دیں گے اور ان سب کو شکست ہو جائے گی۔ فرمایا:

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝

''کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے (پہلی) کتابوں میں فارغ خطی لکھ دی گئی ہے؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط

ہے؟ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''

چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے آغاز سے قبل رات کو رسول اللہ ﷺ نے طویل ترین سجدہ کیا۔ اس کے بعد جب سر اٹھایا تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾﴾ معلوم ہوا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کی توثیق فرمائی۔

سُورۃُ الرَّحمٰن

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ سورۂ قٓ سے سورۃ الواقعہ تک' مکی سورتوں کا گلدستہ عبارت کے حسن' ادب اور فصاحت و بلاغت کے پہلو سے قرآن مجید کا حسین ترین مقام ہے' اور پھر ان میں سے بھی سورۃ الرحمٰن کو اس حوالے سے قرآن مجید کا نقطۂ عروج کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کو ''عروس القرآن'' قرار دیا ہے۔ اس سورۃ میں سے علیحدہ سے کوئی مضامین نکال کر لے آنا ممکن نہیں ہے' البتہ اس کی ابتدائی چار آیات میں چار چیزوں کا تذکرہ ہے' جو اپنی اپنی جگہ پر چوٹی کی ہیں۔ فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

''(اللہ جو) نہایت مہربان (ہے)' اُسی نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسی نے اس کو بیان کرنا سکھایا۔''

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے چوٹی کے نام ''الرحمٰن'' کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں افضل ترین علم کا ذکر ہے جو اس نے اپنی مخلوق کو دیا ہے اور وہ چوٹی کا علم ہے ''قرآن''۔ تیسری آیت میں مخلوقات میں سے چوٹی کی مخلوق ''انسان'' کا تذکرہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ چوتھی آیت میں انسان کو ودیعت کی گئی صلاحیتوں میں سے چوٹی کی صلاحیت ''بیان'' کا ذکر ہے۔ انسانی دماغ

میں کلام اور بیان کا جو علاقہ ہے وہ سب سے زیادہ developed ہے۔ اب ان چار آیات کو جمع کیا جائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی قوتِ بیانیہ کا بہترین مصرف قرآن کو بیان کرنا ہے۔ اور یہ وہی بات ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمائی: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))(۱) ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور اسے (دوسروں کو) سکھائیں۔''

اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ان تمام روحانی' جسمانی' دنیوی اور اُخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جن سے جنوں اور انسانوں کو سرفراز کیا گیا' کیا جا رہا ہے یا کیا جائے گا — ہر نعمت کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝﴾ ''تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!'' مذکورہ جملہ اس سورۃ میں ۳۱ مرتبہ آیا ہے' اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں:

> ''ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے تو آپ نے فرمایا: ''میں نے یہ سورۃ ایک رات جنوں کو سنائی تھی' وہ اس کا تم سے بہتر جواب دے رہے تھے۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝﴾ تو وہ جواب میں کہتے: لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ ''اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔''(۲)

ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم بھی جب اس آیت کو پڑھیں یا سنیں تو یہی جواب دیں۔

آیت ۴۶ سے سورۃ کے آخر تک ان نعمتوں کا ذکر ہے جو آخرت میں متقی اور نیک انسانوں اور جنوں کو عطا کی جائیں گی۔ فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الرحمٰن۔

''اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے' دو باغ ہیں..... ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور..... ان باغوں میں دو رواں چشمے ہیں..... ان باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں..... (جنتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں (پھلوں سے) جھکی ہوں گی..... ان کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی جن اور انسان نے نہیں دیکھا ہوگا..... ایسی خوبصورت جیسے ہیرے موتی..... ان باغات میں پھل' کھجوریں اور انار ہوں گے..... ان میں خوبصورت اور خوب سیرت بیویاں ہوں گی..... خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حوریں ہوں گی..... وہ جنتی سبز قالینوں اور نادر فرشوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل وکریم کا نام۔'' (آیات ۴۶ تا ۷۸)

سُورۃُ الوَاقِعَة

سورۂ ق سے جو سات مکی سورتوں کا گلدستہ شروع ہوا وہ سورۃ الواقعہ پر آ کر اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ ان تمام سورتوں کا اہم ترین موضوع قیامت ہے اور اس سورۃ کی ابتدا بھی اسی سے ہو رہی ہے۔ فرمایا:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝

''جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا' تو پھر اس کا جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔''

آج تو یہ جھٹلا رہے ہیں کہ کیسے ممکن ہے' کیونکر ہوگا' کب ہوگا' وغیرہ وغیرہ' لیکن جب یہ وقوع پذیر ہوگا تو اس وقت یہ دنگ رہ جائیں گے اور ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں گی۔

آیت ۳ میں قیامت کے ایک پہلو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝﴾ ''(اور یہ واقعہ) کچھ کو نیچے گرا دے گا اور کچھ کو اونچا کر دے گا''۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اِس دنیا میں اُس دن سے غافل ہو کر بڑی شان وشوکت اور عیش وعشرت میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں اُس روز وہ پستیوں میں گرنے والے ہیں' جبکہ دوسری جانب وہ لوگ جو اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں درویشانہ زندگی گزار رہے ہیں' جن کے متعلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کہیں رشتے کا پیغام بھیجیں تو کوئی ان سے رشتہ کرنا پسند نہ کرے' وہ کسی کی سفارش کرنا چاہیں تو کوئی ان کی بات نہ سنے اور یہ لوگ کسی محفل میں جگہ نہ پا سکیں' لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں بھولے سے قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھے گا۔ قیامت کے روز اللہ کے ہاں ایسے لوگ بلند مراتب پر فائز ہوں گے۔

اس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے دن تمام انسانوں کے تین گروہوں میں منقسم ہو جانے کا ذکر ہے۔ ویسے تو اجمالی طور پر سورۃ الرحمٰن میں بھی اس کا ذکر آیا ہے' لیکن اس سورۃ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝

''(جب قیامت واقع ہوگی) اور تم (بنی نوع انسان) تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے: (۱) داہنی طرف والے' کیا خوب ہیں داہنی طرف والے (۲) بائیں طرف والے' کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے (۳) سبقت لے جانے والے' (کیا ہی خوب ہیں) سبقت لے جانے والے۔''

جو کامیاب ہونے والے لوگ ہوں گے وہ بھی دو جماعتوں میں منقسم ہوں گے: ایک ''السّابقون'' ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کے معاملہ میں بھی سبقت کی' یعنی ایمان لانے میں پہل کی اور پھر اس کے لیے جان و مال قربان کرنے میں بھی آگے نکل گئے' ان کے بارے میں فرمایا گیا:

''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے قریب ترین ہوں گے' نعمت کے باغات میں۔ ان میں پہلوں میں سے زیادہ اور بعد والوں میں سے کم لوگ شامل ہوں گے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے' تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ گھومتے پھرتے ہوں گے ان (کی خدمت) کے لیے نوجوان لڑکے جو ہمیشہ ایک سے رہیں گے۔ (ان کے ہاتھوں میں) پیالے' آفتابے اور جام ہوں گے شرابِ طہور کے' جس سے نہ وہ سر درد محسوس کریں گے

اور نہ مدہوش ہوں گے۔ اور میوے ہوں گے جو وہ پسند کریں گے۔ اور اڑتے پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی' ایسے موتیوں کی مانند جو غلافوں میں چھپے ہوئے ہوں۔ یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے تھے۔'' (آیات ۱۱ تا ۲۴)

اہلِ جنت کا ایک دوسرا گروہ ''اصحابُ الیمین'' بھی ہوگا' جو ''السابقون'' سے درجے میں کم ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا:

''وہ (مزے کر رہے) ہوں گے بے خار بیریوں میں' اور کیلے کے گچھوں میں' اور لمبے سایوں میں' اور پانی کے آبشاروں میں' اور پھلوں کی بہتات میں' کہ نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا' اور اونچے (پلنگوں پر بچھے ہوئے) بستروں میں۔ ہم نے پیدا کیا ہے ان (کی بیویوں) کو اچھی اٹھان پر' پس ہم نے ان کو کنواریاں' پیار کرنے والیاں اور ہم عمر بنایا۔ (یہ سب نعمتیں ہیں) اصحابِ یمین کے لیے۔ (ان میں شامل ہوں گے) ایک بڑی جماعت پہلوں میں سے اور ایک بڑی جماعت بعد والوں میں سے۔'' (آیات ۲۷ تا ۴۰)

تیسرا گروہ ''اصحاب الشمال'' یعنی جہنم والوں کا ہے۔ ان کے برے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''(اصحابُ الشمال) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی' اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے' نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ..... ان کو کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے (اور ان سے کہا جائے گا) تم بھرو اس سے اپنے پیٹ کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا ہوا پانی (اور ان سے کہا جائے گا) پیو جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی مہمان نوازی ہوگی قیامت کے دن۔'' (آیات ۴۱ تا ۵۶)

اصحاب الشمال کے اس بُرے انجام کی وجوہات کا بھی تذکرہ کیا گیا کہ یہ لوگ قیامت کے قیام اور بعث بعد الموت کا نہ صرف انکار کرتے تھے بلکہ تضحیک بھی کرتے تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی چند چیزوں کا تذکرہ کر کے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ان چیزوں کو کس نے پیدا کیا اور یہ کس کی قدرت میں ہیں؟ فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝

''بھلا دیکھو جو پانی کا قطرہ (نطفہ) تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اس سے (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟''

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝

''بھلا دیکھو جو تم بوتے ہو۔ کیا تم اس کو اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟''

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝

''بھلا دیکھو وہ پانی جو تم پیتے ہو' کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم ہیں اتارنے والے؟''

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝

''بھلا دیکھو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو۔ کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے؟''

سورۃ کے آخری رکوع میں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی قسم کھا کر قرآن مجید کا ذکر بڑی عظمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی —— اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے —— کہ بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے' جو لکھا ہوا ہے ایک محفوظ کتاب میں۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں (یعنی فرشتے)۔ اُتارا گیا ہے تمام جہانوں کے مالک کی طرف سے۔''

﴿ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ ﴾ کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ ناپاکی کی حالت میں اس کلام پاک کو نہ چھوا جائے' اسے باوضو ہاتھ لگایا جائے' لیکن اس کا ایک

مفہوم یہ بھی ہے کہ جن کے اندر پاکی نہیں ہوتی' جن کا تزکیۂ نفس نہیں ہو چکا ہوتا ان کی رسائی اس کتاب کے اصل مطالب تک نہیں ہو سکتی۔ ویسے تو یہ کھلی اور روشن کتاب ہے لیکن اس کے مطالب و مفاہیم تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی فکر و نظر کے اندر طہارت ہو' اس کی نیت درست ہو' اس میں طلب ہدایت پیدا ہو چکی ہو۔ ایسے لوگوں پر اس کے مطالب منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

آیات ۸۸ تا ۹۴ میں ایک مرتبہ پھر اجمالی طور پر بنی نوع انسان کے مذکورہ بالا تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' جبکہ اس سورۃ کی آخری آیت تسبیح و تحمید کے اعتبار سے بہت اعلیٰ شان والی ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾﴾ ''پس آپ اپنے رب کے نام کے ساتھ تسبیح کیجیے جو سب سے بڑا ہے''۔ بعینہٖ یہی الفاظ اس سورۃ کی آیت ۷۴ میں بھی آئے ہیں۔

سُورَۃُ الْحَدِید

سورۃ الحدید سے پہلے سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ سات مکی سورتوں کا ایک گلدستہ ہے' جو اختتام پذیر ہوا۔ اب یہاں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا گلدستہ ہے جو قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد کے حوالہ سے مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ ہے۔ ان سورتوں کا ایک خاص معاملہ یہ ہے کہ یہ مدنی دور کے نصف آخر میں نازل ہوئی ہیں اور ان میں اصل خطاب اُمتِ مسلمہ سے ہے' اور ان سورتوں کے جو اہم موضوعات ہیں وہ بھی مسلمانوں ہی سے متعلق ہیں۔ ان میں دوسری مشترک بات یہ ہے کہ دوسری بڑی مدنی اور مکی سورتوں میں جو مضامین تفصیلاً زیر بحث آئے ہیں' ان کا خلاصہ ان سورتوں میں دیا گیا ہے۔ اُمت مسلمہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ضمناً اہلِ کتاب کا بھی ذکر آیا ہے' لیکن وہ صرف بطور نشانِ عبرت کے ہے۔ ان کی غلطیوں' سرکشیوں اور نافرمانیوں' جن کی وجہ سے ان کو اس مقام سے معزول کیا گیا جس پر اب نئی اُمتِ مسلمہ کو فائز کیا گیا ہے' سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان ان راہوں

سے بچیں جن پر یہ لوگ چلے تھے اور نتیجتاً عذاب الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔

ان میں سے پانچ سورتوں (الحدید' الحشر' الصّف' الجُمعۃ' التّغابن) کا آغاز سَبَّحَ لِلّٰہِ یا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ یعنی تسبیح خداوندی سے رہا ہے' اس لیے ان پانچ سورتوں کے مجموعے کا ایک نام "اَلْمُسَبِّحات" بھی ہے۔ اس مجموعہ میں سب سے بڑی سورۃ "سورۃ الحدید" ہے جو سب سے زیادہ جامع بھی ہے۔ میں نے اس کو "اُمُّ الْمُسَبِّحات" کا نام دیا ہے' اس لیے کہ ان مُسَبِّحات سورتوں کے تمام مضامین جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید میں آئے ہیں' جبکہ بقیہ سورتوں میں ایک ایک مضمون کسی قدر شرح و تفصیل سے آیا ہے۔ مجھے اس سورۃ سے ایک خاص قلبی اور ذہنی لگاؤ ہے اور میرے نزدیک اس سورۃ کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا ہے۔

اس سورۃ کی پہلی چھ آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ہیں' اور میرے اندازے (assesment) کے مطابق یہ اس ضمن میں قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ فرمایا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ زبردست' حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کے لیے ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے اول (پہلا) اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں اور غالب) اور

وہی ہے باطن (چھپا ہوا اور انتہائی مخفی)' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں' پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے' اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو' اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے' اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) بالآخر اُسی کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ سینوں کے پوشیدہ راز تک جانتا ہے۔''

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے حوالہ سے یہ قرآن مجید کا سب سے عظیم مقام ہے اور ان آیات میں چوٹی کی آیت ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾۔ اس چھوٹی سی آیت کی ہمارے صوفیاء اور فلاسفہ کے نزدیک بہت اہمیت ہے۔ امام رازی' جو بہت بڑے منطقی' فلسفی اور متکلم ہیں' اس آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں: اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الْمَقَام مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِيقٌ مُهِيبٌ ''جان لو کہ یہ مقام انتہائی غامض' عمیق' نہایت گہرا اور پُرہیبت مقام ہے۔''

اگلی چھ آیات (۷ تا ۱۲) میں اللہ تعالیٰ کے انسانوں سے دو تقاضے بیان ہوئے ہیں: ایمان اور انفاق۔ یہ گویا انسانوں کی کامیابی کی دو شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمیں ماننے جیسے ماننے کا حق ہے اور دوسری یہ کہ جو کچھ ہم نے اس کو دیا ہے اسے ہماری راہ میں لگا دے اور کھپا دے۔ اب جو شخص یہ دونوں کام کرے گا وہ کامیاب قرار پائے گا اور جو ان سے پہلو تہی کرے گا وہ ناکام و نامراد ہوگا۔ فرمایا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

''ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر (یا ایمان رکھو اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر) اور خرچ کر دو (لگا دو' کھپا دو) ان سب چیزوں میں سے جس میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ تو جو لوگ تم میں سے (دینِ متین کے یہ دو تقاضے پورے

کر دیں، یعنی) ایمان لے آئیں اور انفاق کا حق ادا کر دیں تو ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔"

اس آیت میں جامعیت کے ساتھ دین کے تقاضوں کو دو الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے، جبکہ اس کے بعد ہر ایک تقاضے پر دو دو آیات آ رہی ہیں۔ ایک آیت میں ذرا سرزنش اور ملامت کا انداز ہے اور دوسری میں ترغیب و تشویق ہے۔ ایمان باللہ کے حوالے سے فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے درانحالیکہ رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ اپنے ربّ پر ایمان رکھو، اور وہ تم سے قول و قرار لے چکا ہے، اگر تم واقعی مؤمن ہو۔"

اگلی آیت بھی ایمان باللہ کے حوالے سے ہے لیکن اس میں ترغیب و تشویق ہے اور ایمان کا منبع و سرچشمہ قرآن کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"وہی ہے (اللہ) جو نازل فرما رہا ہے اپنے بندے پر روشن آیات، تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

اگلی دو آیات (۱۰، ۱۱) دین کے دوسرے تقاضے یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت میں وہی سرزنش کا سا انداز ہے۔ فرمایا:

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (تم پر بخل کیوں طاری ہو گیا؟ تم نے سینت سینت کر رکھنے کی روش کیوں اختیار کر لی؟) حالانکہ آسمان و زمین کی وراثت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ (تم سب دنیا سے چلے جاؤ گے اور یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے رہ جائے گا۔) برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے انفاق اور قتال کیا تھا۔ ان کے درجات بہت بلند ہیں اُن

کے مقابلے میں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور قتال کیا' اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

اس آیت میں خرچ کرنے کے دو درجات بتائے گئے ہیں کہ جنہوں نے اسلام کی غربت' کمزوری اور فتح سے قبل خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی ان کا درجہ و رتبہ ان لوگوں کی نسبت بہت بلند ہے جو یہی کام اسلام کو غلبہ حاصل ہونے کے بعد کر رہے ہیں۔

آیت ۱۱ بھی انفاق ہی سے متعلق ہے لیکن اس میں انداز ترغیب و تشویق کا ہے۔ فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝

''کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسنہ تو اللہ اسے اس کے لیے بڑھاتا رہے' اور اس کے لیے بہت بڑا باعزت اجر ہے۔''

اب خرچ نہ کرنا' بچ بچ کر چلنا اور منجھدار میں کودنے سے پہلو تہی کرنے کا نتیجہ نفاق ہے۔ ''انفاق'' اور ''نفاق'' میں بس ایک ''الف'' ہی کا فرق ہے —— اس سورۃ کی آیات ۱۲ تا ۱۵ بھی اہلِ ایمان اور منافقین کے مابین تفریق ہی سے متعلق ہیں۔ پھر ان میں سے بھی میرے نزدیک پورے قرآن مجید میں آیت ۱۳ انفاق کی حقیقت کے موضوع پر عظیم ترین آیت ہے جس میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے' جس میں ایک مرحلہ ایسا آئے گا جسے ہم ''پل صراط'' سے تعبیر کرتے ہیں' اس مرحلہ پر اہلِ ایمان اور منافق چھانٹ چھانٹ کر علیحدہ کر دیے جائیں گے۔ اُس وقت منافق اہلِ ایمان کو پکاریں گے۔

یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

''وہ انہیں پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (اہلِ ایمان) کہیں گے: کیوں نہیں! (یعنی دنیا میں تو تم بھی مسلمان شمار ہوتے تھے) مگر تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کیا اور پھر تم گومگو اور شکوک و شبہات کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے' اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکہ دیتا رہا۔''

اس سورۃ کی آیت ۱۶ بھی میرے نزدیک اپنے مضمون ''تاخیر و تعویق'' کے اعتبار

سے قرآن مجید کا نقطہ عروج ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

''کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے اہلِ ایمان کے لیے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے اور (وہ تسلیم کرلیں اس سب کو) جو حق میں سے نازل ہوا ہے؟ اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کے مانند جنہیں کتاب دی گئی تھی پہلے، تو ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں بہت سے فاسق و فاجر ہیں۔''

آیت ۲۰ بھی میرے نزدیک قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ اس میں دُنیوی زندگی کی حقیقت کھول کر دکھا دی گئی ہے اور اس میں انسانی زندگی کے پانچ مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دِل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا، پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی، پھر وہ بُھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

آیت ۲۵ اس سورۃ کی عظیم ترین آیت ہے اور اس پوری سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب بھی اتاری اور میزان بھی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی صلاحیت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے منافع بھی' تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں (اس کے وفادار جو غیب میں رہتے ہوئے بھی اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا' زبردست ہے۔''

میزان دراصل وہ نظامِ شریعت ہے جس میں ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے گئے ہیں تاکہ کوئی نہ تو کسی کو اس کے حق سے محروم کرے اور نہ خود اپنے حق سے زیادہ حاصل کرے۔ یہ میزان صرف دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ نصب کرنے کے لیے اتاری گئی ہے' اور پھر جو اس میزان اور نظامِ شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے تو ان کا سر کچلنے کے لیے ہم نے لوہا اتارا ہے۔

یہ موضوع دراصل دین کے فلسفے اور حکمت کے حوالہ سے اہم ترین موضوع ہے۔ جس نے اس کو نہیں سمجھا اس کے نزدیک دین صرف ایک مذہب بن کر رہ جائے گا اور اس کی حیثیت ایک مکمل نظام کی نہیں رہے گی' لہٰذا جس نے اس آیت اور اس کے مفہوم کو سمجھ لیا تو اس کے سامنے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اس سے بڑا انقلابی پیغام اور کوئی نہیں ہے۔ اسی نظامِ عدل کو سورۃ الشوریٰ میں بایں بیان کیا گیا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ﴾ (آیت ۱۷)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی اور میزان اُتاری۔''

سُورۃُ المُجَادَلَة

یہ سورۃ ۲۲ آیات اور ۳ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا میں ظہار کے احکام

تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص غصے میں اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ تم میری ماں کی طرح ہو تو سمجھا جاتا تھا کہ اب وہ اس پر ماں کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ اس سورۃ کی ابتدائی چار آیات میں ظہار کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ زبان سے کہہ دینے سے بیوی ماں نہیں بن جائے گی' البتہ اس طرح کہنے پر شوہر کے ذمہ کفارہ لازم ہوگا۔ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے — اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے — پس جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ پس جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے تقاضے ادا کرو۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' اور نہ ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیات ۷ تا ۱۳ میں نجویٰ یعنی دینی اسلامی جماعت اور اُس کے قائد یا رہنما کے خلاف سازشی انداز میں باتیں کرنے اور کھسر پھسر کرنے سے متعلق تفصیلی احکام آئے

ہیں۔ اس حوالے سے یہ باور کرایا گیا ہے کہ کسی بھی اسلامی جماعت اور اس کے مقصد کو دیمک کی طرح چاٹ جانے والی شے یہ نجویٰ ہے۔ اس لیے اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا' بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا جس کے سامنے تم جمع کیے جاؤ گے۔''

آیات ۱۴ تا ۱۹ میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے والوں کے برے انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے تھے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے' اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں یقیناً برا ہے..... جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے تھے اور گمان کریں گے کہ شاید (بچنے کی) کوئی راہ نکل آئے۔ سن لو! یہ بہت جھوٹے ہیں۔''

سورۃ کے آخر (آیات ۲۰ تا ۲۲) میں وہ مضمون آ گیا جو ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔ وہ لوگ جو حقیقتاً اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمنوں سے ہرگز محبت کرنے والا نہ پاؤ گے' خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے' یا ان کے بھائی ہوں یا رشتہ دار۔ (ایسے لوگ جن کی دلی محبت اللہ' اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ ہو' اور وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے تیار ہو گئے ہوں) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے روحِ خاص سے۔ اور اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ ہیں اللہ کی جماعت کے لوگ' آگاہ رہو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔'' (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

سُورۃُ الحَشْر

یہ سورۃ سلسلۂ ''مُسَبِّحات'' کی دوسری سورۃ ہے' اور سورۃ الحدید کی طرح سَبَّحَ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ ''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔''

آیات ۶ تا ۱۰ میں مالِ فے اور اس کے مصارف کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ مالِ فے سے مراد وہ مفتوحہ مال اور اراضی ہے جو بغیر جنگ اور لڑائی کے مسلمانوں کی جماعت کو حاصل ہو جائے۔ اس کے مصارف، مالِ غنیمت کے مصارف سے مختلف ہیں۔ فرمایا:

''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا وہ ایسا (مال) نہیں ہے جس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے' بلکہ اللہ اپنے رسولوں

کو جس پر چاہتا ہے تسلّط عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستی والوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ' رسول' (رسول کے) رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے' تاکہ وہ (مال و دولت) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (آیات ۶۔۷)

ان آیات میں ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ کے الفاظ میں اسلامی نظامِ معیشت کا ایک بنیادی اصول بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے' جس میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش ایک خاص طبقہ کے بجائے پورے معاشرے میں یکساں ہونی چاہیے۔

اس سورۃ کا اہم ترین حصہ اس کا آخری رکوع ہے اور اس رکوع کی ہر آیت قابلِ توجہ ہے۔ آیت ۱۸ میں آخرت کی تیاری کے حوالے سے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل (یوم قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک وہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔''

آیت ۱۹ فلسفہ و حکمت دین کے اعتبار سے چوٹی کی آیت ہے۔ کہا جا رہا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹

''تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے اُن کو اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی تو بدکردار لوگ ہیں۔''

اس کے بعد آیت ۲۱ میں قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ اور یہ وہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

ایسی ہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے سورۃ الاعراف میں آئی تھی۔ جب اُن کی طرف سے دیدارِ الٰہی کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلّی ایک پہاڑ پر ڈالی تو وہ پہاڑ اس تجلّی کی تاب نہ لاکر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ قرآن مجید بھی چونکہ اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلّم کی صفت ہوتا ہے لہٰذا اس کی شان بھی یہی ہے کہ اگر اسے کسی پہاڑ پر اُتار دیا جاتا تو اس پہاڑ کا نقشہ بھی وہی ہوتا۔

سورۃ الحشر کی آخری تین آیات سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات کی مانند عظیم مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنہ کا قرآن کریم میں سب سے بڑا گلدستہ آیا ہے۔ کسی اور مقام پر تین آیات میں سولہ (۱۶) اسماء حسنیٰ کا مجموعہ نہیں ملے گا۔ اس لیے یہ آیات معرفتِ خداوندی کے عظیم خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، پاک، سلامتی اور امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا۔ پاک ہے اللہ ان سے جو وہ شریک مقرر کرتے ہیں۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا،

ایجاد کرنے والا' صورتیں بنانے والا ہے' اُسی کے لیے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃ

سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا گلدستہ ہے جو قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد کے حوالے سے مدنی سورتوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ یہ سورتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں اصل خطاب مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمتِ مسلمہ ہے اور ان سورتوں کے جو اہم مضامین ہیں وہ بھی مسلمانوں ہی سے متعلق ہیں۔ دوسری مشترک بات ان سورتوں میں یہ ہے کہ ان میں انداز جھنجھوڑنے والا ہے' یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جذباتِ ایمانی' جوشِ جہاد اور جذبہ انفاق میں کوئی کمی آ رہی ہو جس پر ملامت کی جا رہی ہو۔ آج کے دور کے مسلمان' جن میں اب یہ چیزیں نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہیں بلکہ ناپید ہو گئی ہیں' اگر توجہ کے ساتھ ان سورتوں کا مطالعہ کریں تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ اُن کے جذبہ ایمانی میں کچھ حرارت پیدا ہو جائے اور جوشِ جہاد اور جذبۂ انفاق کو بھی جلا مل جائے۔ بہرحال آج کی پہلی زیر درس سورۃ ''الممتحنۃ'' ہے۔

سورۃ الممتحنۃ اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۃ المجادلہ کے بہت مشابہ ہے۔ سورۃ المجادلہ میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ آئی تھی کہ حزب اللہ ہونے کے اعتبار سے مسلمانوں میں یہ وصف راسخ ہو جاتا ہے کہ ان کی دلی محبتیں صرف اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ ہوں اور باقی ساری محبتیں اس کے تابع ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو جماعتی زندگی بہت کمزور ہو گی اور اللہ کی راہ میں ایسی جدوجہد نہ ہو سکے گی جیسے اس کا حق ہے۔ سورۃ الممتحنۃ کا آغاز بھی اسی مضمون سے ہو رہا ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (آیت ۱)

''اے اہلِ ایمان! میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔''

یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ کے ساتھ تعلق کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ))(سنن ابی داؤد)

''جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے اور کسی سے دشمنی رکھی تو اللہ کے لیے' کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور کسی سے کچھ روکا تو بھی اللہ کے لیے' تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔''

اس کے بعد آیت ۳ میں بھی یہی مضمون بڑی تاکید اور اہتمام کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں فرمایا گیا:

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

''قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار کچھ فائدہ دیں گے اور نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔''

پہلے رکوع کے آخر (آیت ۵) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ایک دعا نقل ہوئی ہے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں کفار کے لیے تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف فرما دے۔ یقیناً تُو غالب' حکمت والا ہے۔''

یعنی وہ اپنے رب کے حضور دعا گو تھے کہ یارب ہمیں ان ظالموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے بچانا' اس لیے کہ یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ جیسے مکہ میں مسلمان ستائے جا رہے تھے اور ہر طرح کا ظلم ہو رہا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ مکہ کو تو گویا مہلت دی جا رہی تھی اور اہلِ ایمان کی بہت سخت آزمائش ہو رہی تھی — انسان کو ہمیشہ

آزمائش سے بچنے اور آزمائش آ جانے کی صورت میں سرخرو ہونے کی دعا کرنی چاہیے۔

سورۃ کے آخر میں خواتین کی بیعت کا ذکر ہوا ہے جبکہ مردوں کی بیعت کا مفصل ذکر سورۃ الفتح میں بیعت رضوان کے حوالے سے آ چکا ہے۔ یہاں پر ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اے نبی (ﷺ) جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ نہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کریں گی' نہ چوری کریں گی' نہ بدکاری کا ارتکاب کریں گی' نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں ﴿وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ﴾ کے الفاظ آئے ہیں' جو بڑے بامعنی الفاظ ہیں۔ ان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی پر زنا کی تہمت نہ لگائی جائے جو قذف ہے' جبکہ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کے الفاظ انسان کی شرمگاہ کے لیے ایک استعارہ ہے اور عورت کی طرف سے اس معاملہ میں تہمت یہ ہے کہ وہ کسی اور کی اولاد اپنے شوہر کے نام کر دے۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

سُورۃُ الصَّف

اس سے پہلے بھی یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا یہ مجموعہ بہ لحاظ تعداد قرآن حکیم کا مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ ہے اور اس کے بالکل وسط میں سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ آئی ہیں۔ سورۃ الممتحنہ کے بعد اس مدنی گلدستے کی بقیہ چھ سورتیں حسین و جمیل جوڑوں کی شکل میں ہیں اور ان میں بھی سب

سے زیادہ حسین جوڑا سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کا ہے۔ جوڑے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سورتیں مل کر کسی ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں سورتیں مل کر رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے دو پہلو' آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت اور اس مقصد کو پورا کرنے کے طریقہ کار' کی تکمیل کرتی ہیں۔

سورۃ الصّف ''مُسَبِّحات'' میں سے ہے۔ اس کے آغاز میں فرمایا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

''اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے' اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس سورۃ کی مرکزی آیت اس کے پہلے رکوع کی آخری آیت ہے' جس میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨

''وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اس کو کُل کے کُل دین پر خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جو بات سورۃ الحدید میں تمام انبیاء و رسل کے لیے آئی تھی کہ ہم نے اپنے رسول بھیجے کتابوں اور میزان کے ساتھ تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں' اب وہی بات متعین طور پر حضور اکرم ﷺ کی شان میں آئی ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ دین اس لیے نہیں آیا کہ آپ کی تحقیق کا موضوع بن جائے یا زبان سے بس اس کی مدح کی جاتی رہے بلکہ درحقیقت یہ دین تو ایک نظام زندگی ہے اور نظام ہوتا ہی وہ ہے جو بالفعل قائم ہو۔ اب ظاہر بات ہے کہ غیر مسلم اور کفار اس دین (نظامِ زندگی) کے غالب ہونے کو گوارا نہیں کریں گے' وہ تو رکاوٹیں ڈالیں گے' جبکہ نبی کا کام یہ ہے ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اس دین کو قائم اور غالب کرے۔

آگے آیت ۱۰'۱۱ میں اہل ایمان کو جہاد کی دعوت دی جا رہی ہے اور اس کو ایک

ایسی تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو انہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلانے والی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ایسی تجارت کی طرف جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے! (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔''

ظاہر ہے کہ تجارت میں بھی جان اور مال دونوں لگانے پڑتے ہیں اور جہاد میں بھی ان ہی دونوں چیزوں کو لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ میں اس تجارت کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳﴾ ''اور ایک دوسری شے بھی (تمہیں حاصل ہوگی) جو تمہیں بہت پسند ہے۔ اللہ کی مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ اور مؤمنین کو اس کی خوشخبری دے دو''۔ یعنی اگر ہم اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اُخروی کامیابی کے ساتھ ساتھ اس دُنیوی زندگی میں بھی ہمیں نصرتِ خداوندی حاصل ہوگی۔ سورۂ محمد میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷﴾ ''اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا''۔ اسی طرح سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹﴾ ''(دیکھو) بے دل نہ ہونا اور غم نہ کرنا اگر تم مؤمن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے''۔ یہی موضوع زیرِ مطالعہ سورۃ الصّف کی آخری آیت میں اپنے عروج (climax) کو پہنچتا ہے جس میں اللہ نے اہلِ ایمان کو اپنا مددگار قرار دیا ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ (آیت ۱۴)

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟''

یہاں یہ بات بھی نوٹ کریں کہ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ (جو سورۃ الحدید کی عظیم ترین آیت ہے) کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ﴾ ''تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں جو اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں غیب میں رہتے ہوئے''۔ اب اسی مضمون پر سورۃ الصف کا بھی اختتام ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے میری نظر میں پوری سورۃ الصف سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ کی تشریح ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ الصف اور سورۃ الحدید کی ابتدائی آیت بھی تقریباً ایک جیسی ہے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①﴾۔ اس ابتدائی آیت میں ڈانٹ کا پہلو بھی ہے کہ اگر تم بھی اللہ وحدہٗ لاشریک کی تسبیح کر رہے ہو تو کون سا معرکہ سرانجام دے رہے ہو؟ وہ تو کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے! اللہ کو تو تم سے کچھ اور ہی مطلوب ہے جس کا ذکر سورۃ الصف کی آیت ۴ میں ہوا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④﴾ ''اللہ کو تو وہ لوگ محبوب ہیں جو اُس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند''۔ بقولِ شاعر ؎

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر!
زنوری سجدہ می خواہی، زخاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی!

اور اگر کوئی شخص اس کے لیے تیار نہیں تو پھر صرف زبان سے ہماری محبت کے بلند و بانگ دعوے کرنے کا حاصل کچھ نہیں ہوگا اور ایسا عمل تو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا

ہے۔اس حوالے سے آیت ۲‘۳ میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

''اے اہلِ ایمان! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔''

مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے ایک ایک حرف کو حرزِ جان بنائیں۔شاید کہ اس سے وہ جوش اور ولولہ پیدا ہو جائے جو اللہ کو مطلوب ہے۔

سُورۃُ الجُمُعَۃ

سورۃ الجمعہ کا شمار بھی ''مُسَبِّحَات'' میں ہوتا ہے اور اس سورۃ کا آغاز ''يُسَبِّحُ لِلّٰهِ'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے جو کہ فعل مضارع ہے۔عربی میں فعل مضارع میں زمانہ حال بھی پایا جاتا ہے اور زمانہ مستقبل بھی‘ جبکہ سورۃ الصّف کا آغاز ''سَبَّحَ لِلّٰهِ'' کے الفاظ سے ہوا تھا جو کہ فعل ماضی ہے۔اس طرح سورتوں کے اس جوڑے میں زمانہ کی تکمیل ہو گئی۔پہلی آیت میں فرمایا:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

''جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو حقیقی بادشاہ‘ پاک ذات‘ زبردست‘ حکمت والا ہے۔''

آیت ۲ اس سورۃ کی مرکزی آیت ہے جس میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

''وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیین میں ایک رسول انہی میں سے جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس (اللہ) کی آیات‘ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے‘ اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اس آیت میں دین کو غالب کرنے کا طریقہ کار بتا دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس کام کے لیے مردانِ کار یعنی اللہ کے ایسے وفادار بندے چاہئیں جو اس کام کے لیے اپنا تن مَن دھن لگا دینے کے لیے تیار ہوں۔ اب اس حزب اللہ کو تیار کرنے کا طریقہ کار اس کتاب مبین کے گرد گھومتا ہے جو آلۂ انقلابِ محمدیؐ ہے اور اسی کتاب مبین کے ذریعہ یہ تبدیلی برپا ہوگی— آیت کے ان الفاظ ﴿وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کے ساتھ سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۹ کو بھی ذہن میں لائیے جس میں فرمایا گیا: ﴿لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾۔ اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے: ''اس کے مضامین تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو پاک ہو چکے ہوں'' —— سورۃ الجمعہ کی اس مرکزی آیت میں ''يُزَكِّيهِمْ'' (ان کا تزکیہ کرتا ہے) کا لفظ پہلے لایا گیا ہے اور ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' (ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے) بعد میں لایا گیا ہے۔ اس ترتیب سے یہ واضح ہوا کہ باطن کی صفائی اور پاکیزگی پہلے ہے اور کتاب کی تعلیم بعد میں 'اس لیے کہ علم درحقیقت اسی وقت مفید ہوتا ہے جب دل کی صفائی ہو چکی ہو۔ اس حوالے سے مولانا روم کا شعر ملاحظہ ہو:

علم را بر دل زنی یارے بود!
علم را بر تن زنی مارے بود

یعنی اگر علم انسان کے دل پر اترتا ہے تو وہ علم انسان کا ساتھی اور رفیق ہے اور اگر علم صرف اوپر اوپر انسان کے تن وتوش تک محدود رہے تو پھر وہ سانپ ہے جو آدمی کو ڈستا ہے۔

اس آیت میں تو یہ واضح کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کام بھی کر رہے ہیں وہ قرآن حکیم کے ذریعے کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی آیت ۵ میں بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ بتا دیا گیا کہ ہم نے ان کو جو کتاب دی تھی انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا اور اسے بند کر کے رکھ دیا تو ان کی مثال اس گدھے کی سی ہوگئی جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔ فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''مثال ان لوگوں کی جو حامل تورات بنائے گئے پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (یعنی اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا) اس گدھے کی سی (مثال) ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ بُری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس مثال کے ذریعے اہلِ ایمان کو پیشگی تنبیہہ کی جارہی ہے کہ تم لوگ قرآن کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا' ورنہ تمہارا معاملہ بھی وہی ہوگا جو تم سے پہلے یہود کا ہو چکا ہے۔

سورۃ کے آخر میں نمازِ جمعہ کے حوالے سے حکم آیا ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تمہیں نماز کے لیے پکارا جائے جمعہ کے دن تو سب کاروبار چھوڑ کر اللہ کی یاد کی طرف لپکو! یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانو۔ پس جب نماز ادا ہو چکے تو رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا ذکر کثرت سے جاری رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

درحقیقت جمعہ تعلیم القرآن کا پروگرام ہے جس کو اس اُمت میں ابدی حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اُس روز کوئی نائبِ رسول منبرِ رسولؐ پر بیٹھ کر خصوصی طور پر کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ کا وہی فریضہ سرانجام دے جو درحقیقت محمد ﷺ کا بنیادی کام اور انقلابِ نبوی کی جڑ اور بنیاد ہی نہیں' بلکہ مرکز ومحور بھی ہے۔

سُورۃُ المُنافقُون

مدنی سورتوں کے سب سے بڑے گلدستے (سورۃ الحدید تا سورۃ التحریم) کی آخری چھ سورتیں دو دو کے جوڑے میں ہیں۔ ان میں سے ایک جوڑے سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے مطالعہ کے بعد اب سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن پر مشتمل دوسرے جوڑے

کا آغاز ہو رہا ہے۔ سورۃ التغابن میں ایمانیات کی بحث ہے لیکن اس سے پہلے سورۃ المنافقون کو لایا گیا ہے جس میں نفاق کے مرض اور اس کے علاج کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

''(اے محمد ﷺ!) یہ منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ آپؐ اُس کے رسول ہیں' لیکن اللہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔''

اس سے پہلے مدنی سورتوں مثلاً سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ میں نفاق کا مضمون بڑی تفصیل سے آ چکا ہے' لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تھا کہ یہ دس مدنی سورتیں مختلف مضامین کے خلاصے پر مشتمل ہیں۔ تو گیارہ آیات پر مشتمل سورۃ المنافقون میں ''نفاق'' کا خلاصہ بیان ہوا ہے۔

آیت ۲' ۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ نفاق کا مرض اصل میں ہے کیا۔ چنانچہ فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے پس وہ اللہ کے راستے سے رک گئے ہیں۔ اور یہ بہت ہی برا عمل ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ پہلے وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' سو اب وہ سمجھ رکھنے والے نہیں۔''

اس آیت میں جو ان کے کفر کا ذکر ہے اس سے مراد قانونی کفر نہیں ہے' اس لیے اگر قانونی کفر ہوتا تو یہ مرتد قرار پاتے بلکہ یہاں مراد حقیقی کفر ہے جو ان کے باطن میں راسخ ہے اور یہ حقیقی اعتبار سے کافر ہو چکے ہیں۔

آیت ۶ میں منافقین کے حسرت ناک انجام اور محرومی کا نقشہ کھینچا گیا جو ان کا مقدر ہے۔ فرمایا: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶﴾ ''(اے محمد ﷺ!) ان کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔ گویا آپ ﷺ کا استغفار بھی ان بدبختوں کے حق میں مفید نہیں ہے۔ اس حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیت ۸۰ ذہن میں لائیے جو اس موضوع کے اعتبار سے سخت ترین آیت ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) خواہ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (ان کے حق میں برابر ہے)۔ اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔''

آیات ۹ تا ۱۱ میں نفاق سے بچنے کا علاج بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر وہ ٹانک ہے جو نفاق جیسے مرض سے بچانے والا ہے۔ یادِ الٰہی قلب و ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اور اگر اس کی کوئی چھوت لگ گئی ہو تو اس کے ازالہ کا علاج ہے ''انفاق'' یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ موت تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو۔ چنانچہ آخری تین آیات میں ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے، اور جو ایسا کریں گے تو وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو

(اس وقت) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

سُورۃُ التَّغَابُن

جیسا کہ ماقبل ذکر ہو چکا کہ سورۃ التغابن میں ایمانیات کی بحث ہے۔ ایمانیات اگرچہ مکی سورتوں کا موضوع ہے اور مکی سورتیں بہت طویل سورتیں ہیں لیکن ایمانیات کا خلاصہ ان طویل مکی سورتوں سے نکال کر اٹھارہ آیات پر مشتمل سورۃ التغابن میں بیان کر دیا گیا ہے۔

سورۃ التغابن کی ابتدائی چار آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الحدید کی پہلی چھ آیات سے مشابہ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الحدید کے مطالعہ کے دوران میں نے یہ بیان کیا تھا کہ سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات میرے اندازے (assesment) کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ کے موضوع پر قرآن مجید کی چوٹی کی آیات ہیں' اسی طرح زیر مطالعہ سورۃ التغابن کی ابتدائی چار آیات بھی اس موضوع کے اعتبار سے ان چھ آیات کے قریب تر ہیں۔ ان آیات میں فرمایا گیا:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ کُل کائنات کی) بادشاہی بھی اُسی کی ہے اور کُل شکر و سپاس اور تعریف و ثنا کا مستحق حقیقی بھی صرف وہی ہے۔ مزید برآں وہ ہر چیز پر

قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم سب کو تخلیق فرمایا' لیکن تم میں سے کچھ (اس کا) انکار کرنے والے ہیں اور کچھ (اس کو) ماننے والے ہیں' اور جو کچھ تم (اس دنیا میں) کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہاری نقشہ کشی کی اور تمہاری بہت ہی اچھی نقشہ کشی (اور صورت گری) فرمائی' اور (تمہیں) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور اللہ سینوں میں پوشیدہ رازوں کا بھی جاننے والا ہے۔''

ایمان باللہ اور توحید کے ذکر کے بعد آیت ۶ میں رسالت اور رسالت کے ضمن میں نوعِ انسانی کو جو سب سے بڑی ٹھوکر لگتی ہے' اس کا ذکر ہوا ہے۔ اس دنیا میں جو بھی پیغمبر آئے تو ان کی قوم کی طرف سے ان کو جھٹلایا گیا' ان کی بات نہیں مانی گئی اور بہت سوں کو ہلاک بھی کر دیا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

''یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن تعلیمات کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس انہوں نے کفر کیا اور پیٹھ موڑ لی تو اللہ نے بھی استغناء اختیار فرمایا' اور اللہ تو ہے ہی غنی اور (اپنی ذات میں از خود) محمود۔''

اس حوالے سے سورۃ الفرقان میں ہم کفار کا یہ قول پڑھ آئے ہیں: ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ﴾ (آیت ۷) ''یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے!'' لہٰذا رسولوں کی بشریت اس دَور کے لوگوں کے لیے ان کو رسول ماننے کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ دوسری جانب جنہوں نے ان کو اللہ کا رسول مان لیا ان میں سے بھی کچھ لوگوں نے بعد میں ان کو بشریت سے نکال کر الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک ہی مرض کی دو صورتیں ہیں۔ یعنی پہلے لوگوں نے کہا کہ بشر رسول کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ بعد کے لوگوں نے کہا کہ رسول

بشر کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد آیت ۷ میں خاص طور پر قیامت کا ذکر بڑے زوردار انداز میں ہوا ہے۔ اس آیت میں اس کے انکار کی پُرزور نفی اور اس کے وقوع کا نہایت تاکیدی اثبات فرمایا گیا ہے:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

''کافروں کو مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ یہ (موت کے بعد) اٹھائے نہ جائیں گے۔ (اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں! اور میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے' پھر تمہیں جتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔''

بعد ازاں آیت ۸ میں تینوں ایمانیات کا ذکر کر کے بڑے پیارے انداز میں ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ اس حوالے سے فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''تو ایمان لاؤ اللہ پر' اور اس کے رسولؐ پر' اور اُس نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔''

سورۃ کے دوسرے رکوع میں ایمان کے پانچ بنیادی لوازم بیان ہوئے ہیں اور ہمارے حوالے سے یہ بڑا اہم موضوع ہے۔ اس کی بنیاد پر ہم اپنا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی ایمان کی کوئی رمق ہے یا نہیں؟ پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ دنیا میں ہم پر اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی۔ جس کو اللہ پر ایمان ہوتا ہے اس کے دل کو اطمینان اور سکون رہتا ہے' وہ پریشان نہیں ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ بلکہ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ میرے رب نے کیا ہے میں اُس پر راضی ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے۔ اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا

علم رکھنے والا ہے''۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہو تو پھر ان کی اطاعت بھی کرنی ہوگی۔ اگر اطاعت نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے کہ تم حقیقتاً مانتے نہیں ہو اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہو۔ فرمایا: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول (ﷺ) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان رکھو کہ) ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے''۔ تیسری بات یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اللہ کی ذات پر توکل رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''اللہ وہ ہستی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' پس اہلِ ایمان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

چوتھی اور پانچویں چیز یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے دل میں جن چیزوں کی محبت در آتی ہے وہ بڑے خطرے کے نشان (red signals) ہیں۔ یہ محبتیں مثلاً بیوی' اولاد اور مال کی محبت اگر حدِ اعتدال سے ذرا تجاوز کریں گی تو وہ فتنہ بن جائیں گی اور عاقبت برباد کر دیں گی۔ اس لیے کہ انہی کی خاطر انسان دنیا میں جھوٹ بولتا ہے' رشوت لیتا اور دیتا ہے' حرام خوریاں کرتا ہے' لہٰذا ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں یہ بات ہمیشہ مستحضر رہے کہ یہ تو صرف آزمائش اور کسوٹی ہے کہ جس میں تمہیں کسا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

''اے اہلِ ایمان! یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے بچ کر رہو' اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے حق میں) فتنہ ہیں' اور اللہ ہی ہے جس

کے پاس بڑا اجر ہے۔''

اس کے بعد آخری تین آیات میں ایمان کے مندرجہ بالا پانچ بنیادی تقاضوں کو بالفعل ادا کرنے کی تاکیدی دعوت ہے۔ فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا بھی تمہارے بس میں ہے' اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں جتنا خرچ کر سکتے ہو' اس لیے کہ) یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جو جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

سُورۃُ الطَّلَاق

اب یہاں سے زیر مطالعہ مدنی گلدستے کا آخری جوڑا شروع ہو رہا ہے جو سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں میں عائلی زندگی کی دو انتہاؤں سے بحث کی گئی ہے۔ عائلی زندگی کی ایک انتہا یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے مابین موافقت نہ ہو اور علیحدگی تک نوبت پہنچ جائے۔ یہ موضوع سورۃ الطلاق میں بیان ہوا ہے' جبکہ دوسری انتہا یہ ہے کہ میاں بیوی کے مابین محبت اتنی گہری ہو جائے کہ اس کے سبب اللہ کے احکام توڑے جائیں۔ اس حوالہ سے سورۃ التحریم میں بات ہوئی ہے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں کی حیثیت ایک جوڑے کی ہے۔ سورۃ الطلاق کا بنیادی موضوع طلاق اور اس کے متعلقات ہیں۔ اس حوالے سے پہلی آیت میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

''اے پیغمبرؐ (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ اور اللہ سے ڈرو جو

تمہارا پروردگار ہے۔ نہ تو تم ہی ان کو (ایامِ عدّت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں' سوائے اس کے کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں' اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) راہ پیدا کر دے۔''

طلاق کے ضمن میں آیت ۲ اور ۳ میں یہ بتا دیا گیا کہ اگر انسان اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس معاملے میں بھی کوئی راہ نکال دے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

''پھر جب وہ اپنی میعاد (یعنی انقضائے عدت) کے قریب پہنچ جائیں پھر یا تو ان کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مَردوں کو گواہ کر لو اور (اے گواہو) اللہ کے لیے درست گواہی دینا۔ ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اُس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔ اور اُس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو (اللہ) اس کے لیے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ نے ہر شے کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

آیت ۴ میں عدت کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ۙ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ

يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝

''اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے)۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔ اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔''

اس کے بعد آیت ۶ میں مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ اور مُرضعہ کو اجرت دینے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝

''(مطلقہ) عورتوں کو (ایامِ عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔ اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو۔ پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو اور اگر باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔''

اس کے بعد آیت ۱۰ اور ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن اور بعثتِ محمدی ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

''(اے اہل ایمان!) اللہ نے تمہارے لیے یہ ''الذکر'' نازل کر دیا ہے۔ (اور اپنا) پیغمبر ﷺ (بھی بھیجا ہے) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح المطالب آیتیں پڑھتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں گے۔ یقیناً اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔''

سُورۃُ التَّحرِیم

اس جوڑے کی دوسری سورۃ ''التحریم'' ہے۔ جیسے ماقبل بیان ہوا کہ اس سورۃ میں میاں بیوی کے حوالے سے دوسری انتہا کا ذکر ہے جب زوجین میں ایسی محبت پیدا ہو جائے کہ احکاماتِ الٰہیہ ٹوٹنے لگیں۔ سورۃ التحریم کی پہلی آیت ملاحظہ ہو:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

''اے پیغمبر (ﷺ)! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو اس کا (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ) کوئی امکان نہیں تھا کہ اللہ کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال کر لیں' البتہ یہ ضرور تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) کی رضا جوئی کے لیے ایک حلال چیز پر قسم کھالی تھی کہ آئندہ میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ اس پر تھوڑی گرفت ہو گئی کہ ایسا کیوں کیا گیا؟

اس کے بعد آیات ۳ تا ۵ میں نبی اکرم ﷺ کی عائلی زندگی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے اپنی کسی زوجہ رضی اللہ عنہا سے کوئی راز کی بات کہی۔ ان زوجہ سے غلطی ہوئی اور انہوں نے کسی دوسری زوجہ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے

نبی اکرم ﷺ کو اس افشائے راز کی خبر دے دی۔ آپؐ نے شکوہ اور شکایت میں بھی التفات اور ملائمت کے پہلو کو پیش نظر رکھا تا کہ ان زوجہ محترمہ کو انتباہ ہو جائے۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

''اور جب نبی (ﷺ) نے ایک بات اپنی بیوی سے راز میں کہی تھی' پھر جب اُس بیوی نے وہ راز (کسی اور پر) ظاہر کر دیا' اور اللہ نے نبی (ﷺ) کو اُس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو نبی (ﷺ) نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی (ﷺ) نے اسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا: آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ نبی (ﷺ) نے کہا'' مجھے اُس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا اور خوب باخبر ہے۔''

آیت ۶ میں اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے اہل وعیال کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کریں۔ اس ضمن میں عائلی زندگی کے حوالے سے یہ نکتہ نوٹ کر لیں کہ اولاد اور بیویوں سے محبت اپنی جگہ ایک حد تک مطلوب ہے لیکن اگر اس حد سے آگے بڑھو گے تو پھر یہ ایک فتنہ ہے۔ چنانچہ آیت ۶ میں فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے' جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر' اور جس پر بہت تند خُو اور سخت دل فرشتے مامور ہیں جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔''

اس آیت میں ایک مسلمان خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری مثبت انداز میں امر کے صیغے

میں بیان کی گئی ہے کہ سربراہ کی ذمہ داری اپنی بیوی بچوں کو صرف نان ونفقہ فراہم کرنے کی نہیں ہے بلکہ ان کو جہنم کی آگ سے بچانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

آیت ۸ میں فرمایا گیا کہ اگر ابھی تک کوئی کوتاہی ہوتی رہی ہے' کسی غلط راستہ پر چلتے رہے ہو تو اللہ کی جناب میں خلوص کے ساتھ توبہ کرو۔ یعنی دھوکہ بازی اور دکھاوے کی توبہ نہ ہو کہ توبہ بھی ہو رہی ہو اور کام بھی سارے وہی غلط ہو رہے ہوں۔ اگر اخلاص کے ساتھ اور اس عہد کے ساتھ توبہ کرو گے کہ آئندہ ہم غلط حرکتوں کا ارتکاب نہیں کریں گے تو اللہ تمہاری برائیوں کو دور فرما دے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''اے اہلِ ایمان! توبہ کرو اللہ کی جناب میں خالص توبہ۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیوں کو دور کر دے گا اور تمہیں ان باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ اس روز اللہ اپنے نبی (ﷺ) اور ان کے اہلِ ایمان ساتھیوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے دائیں جانب اور سامنے کی جانب دوڑتا ہو گا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس نور کو پورا فرما دے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

بعد ازاں آیت ۱۰ تا ۱۲ میں خواتین کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ دین میں اپنے شوہروں کے تابع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عائلی زندگی میں شوہر گھر کا نگران ہے اور بیوی کو اس کا فرمانبردار ہونا چاہیے' لیکن اللہ کے ہاں اس کو شوہر کی کسی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا' بلکہ اس کے کام اس کی اپنی نیکی ہی آئے گی۔ چنانچہ اس حوالے سے چند مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی ہیں کہ حضرات نوح و لوط علیہما السلام (جو اللہ کے رسول ہیں) کی بیویوں کے بارے میں بتایا گیا

کہ وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین و پاکیزہ خاتون کی ہے کہ فرعون (جو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا) کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ایک جنتی خاتون ہیں۔ پھر حضرت مریم کی مثال دی گئی جو خود بھی نیک سیرت تھیں اور ان کی تربیت اللہ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی گود میں ہوئی۔ یہ مثال ہے ''نورٌ علیٰ نُور'' کی۔ یہ تو تین ممکنہ صورتیں ہو گئیں، جبکہ ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ شوہر بھی بدترین اور بیوی بھی بدترین۔ اس کی مثال سورۃ اللّھب میں بیان ہوئی ہے کہ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کے باوجود دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ یہ مثال ہے ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کی۔



ساتواں گروپ

المُلک .....تا..... النّاس

سُورَۃُ الْمُلْک

سورۃ التحریم مکی مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی آخری سورت تھی۔ اب سورۃ الملک سے ساتویں گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس آخری گروپ میں سورۃ الملک سے لے کر پورے دو پارے تقریباً مکیات پر مشتمل ہیں' آخر میں صرف دو سورتیں ''معوّذتین'' مدنی ہیں۔ گویا یہاں پہلے گروپ کے مقابلے میں نسبت بالکل عکسی ہے' جہاں مکی سورت صرف ایک یعنی سورۃ الفاتحہ ہے اور مدنی سورتیں چار ہیں یعنی سورۃ البقرۃ' آلِ عمران' النساء اور المائدۃ۔

انتیسویں (۲۹) پارے میں کُل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکّی ہیں اور یہ تمام سورتیں دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین کا بھی تقریباً وہی انداز ہے جو اس سے پہلے والی مکی سورتوں (سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ) کا ہے' یعنی قیامت' جزاء و سزا اور جنت و دوزخ کا تذکرہ۔ یوں سمجھئے کہ انذار و تبشیر جو نبوت و رسالت کا اصل مقصد ہے' اس میں جو انذار کا پہلو ہے وہ ان تمام سورتوں میں غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں بعض مقامات پر فلسفہ و حکمتِ قرآن کے اعتبار سے بہت اہم آیات آئی ہیں جن پر خصوصی توجہ درکار ہے۔

ان سورتوں میں سے پہلی سورۃ ''الملک'' ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی بڑے پُرجلال انداز میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ
الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝

''بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہے اصل بادشاہی اور اختیار' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ جانچ لے کہ کون تم میں نیک اعمال کرتا ہے۔ اور وہ زبردست' بخشنے والا ہے۔ اُسی نے سات آسمان بنائے ہیں ایک دوسرے پر تہ در تہ۔ (اے دیکھنے والے) کیا تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ ذرا اپنی نگاہ دوڑاؤ کیا تمہیں (آسمان میں) کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) اپنی نگاہ کو دوڑالو تو (ہر بار) تمہاری نگاہ ناکام اور تھک ہار کر واپس آ جائے گی۔''

آیت ۶ سے ۱۱ تک کفار اور ان کے انجامِ بد کا تذکرہ ہے اور اس ضمن میں جہنم کے داروغہ اور کفار کے درمیان ہونے والے ایک مکالمہ کا بھی بیان ہے۔ داروغہ کفار سے پوچھے گا: ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝۸﴾ ''کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟'' وہ کہیں گے: ﴿بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝۹ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰﴾ ''کیوں نہیں' ضرور ہدایت کرنے والا آیا تھا' لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور (اس سے) کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل نہیں کیا' تم تو بڑی گمراہی میں ہو۔ اور (کفار یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔''

آیات ۱۳' ۱۴ میں اللہ ربّ العزت کے علم کے حوالے سے یہ عمدہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' بھی ہے اور ''عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' بھی' یعنی اللہ دل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا:

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

''اور تم پوشیدہ بات کرو یا ظاہر۔ وہ (اللہ) تو دل کے خیالات تک سے واقف

ہے۔ بھلا جس نے پیدا کیا' کیا وہی نہیں جانے گا؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔''

دوسرے رکوع میں ایک آیت فلسفہ اور حکمتِ قرآنی کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ فرمایا: ﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾﴾ ''بھلا وہ شخص جو منہ کے بل گھسٹتا ہوا چل رہا ہے وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ جو سیدھا (سر اٹھائے) سیدھے راستے پر چلا جا رہا ہے''۔ اس آیت میں گویا ایک تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ایک شخص اپنے راستے پر سیدھا چل رہا ہے اور اس کی نگاہ اس منزل پر جمی ہوئی ہے جہاں اُس کو پہنچنا ہے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت کے ماننے والے ہیں اور جو یہ جانتے ہیں کہ ان کا اصل گھر اور منزل آخرت ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ آخرت اور اُخروی زندگی کے منکر ہیں ان کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا ہے اور منہ کے بل گھسٹ رہا ہے۔ ایسا شخص تو صرف حیوانی جبلتوں کی بنا پر زندہ ہے ورنہ حقیقت میں اس شخص کی زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی نصب العین۔ ☆

سُورَةُ الْقَلَم

انتیسویں پارے کی دوسری سورۃ ''القلم'' ہے جس کی ابتدائی سات آیات کے بارے میں بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات (پہلی وحی) کے بعد نازل ہونے والی یہ آیات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر دوسری وحی کے طور پر نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب پہلی وحی کا تذکرہ لوگوں سے کیا تو ان کو بہت عجیب لگا۔ اس لیے کہ اہلِ مکہ کے لیے نبوت و رسالت ایک بھولی بسری شے تھی۔ چنانچہ

☆ اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو دو آیات ایک جیسے الفاظ سے شروع ہو رہی ہیں' مثلاً آیت ۱۶ ''ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ'' سے اور آیت ۱۷ ''اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ'' سے۔ اسی طرح آیت ۲۳ اور ۲۴ کی ابتدا ''قُلْ هُوَ الَّذِيْ'' سے اور آیت ۲۸ اور ۳۰ کی ابتدا ''قُلْ اَرَءَيْتُمْ'' سے ہو رہی ہے۔ (مرتب)

عام طور پر یہ چرچا ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کے دماغ میں کوئی خلل یا فتور واقع ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے آپ کو مجنوں اور سحر زدہ کہا جس سے حضور ﷺ کو رنج اور صدمہ ہوا۔ اسی حوالے سے آپؐ کی دلجوئی کے لیے یہ سات آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ②﴾ ''ن۔ قلم کی اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم! آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں''۔ نہ آپؐ سحر زدہ ہیں اور نہ ہی آپؐ کو خلل دماغی کا کوئی عارضہ لاحق ہوا ہے۔ یہ گویا آپ ﷺ کی دلجوئی کی جا رہی ہے۔ آیت ۳ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③﴾ ''اور آپ کے لیے تو یقیناً بڑا اجر ہے''۔ ایسا اجر جو کبھی منقطع نہ ہو گا یعنی آپ ﷺ کو جنت کے سب سے بلند درجے کی خوشخبری دی جا رہی ہے اور یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اس وقت آپ کو جتنی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اتنے ہی آپؐ کے درجات بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

آیت ۴ میں فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④﴾ ''اور آپؐ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مجنون اور سحر زدہ شخص اتنے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپؐ کا اعلیٰ اخلاق کا حامل ہونا عملاً آپؐ کے مجنون اور سحر زدہ ہونے کی نفی ہے۔ آیت ۵، ۶ میں فرمایا: ﴿فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥﴾ ''عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کا دماغ پھر گیا ہے''۔ یعنی عنقریب اس سے پردہ اٹھ جائے گا کہ کہنے والے کا دماغ پھر گیا ہے یا (معاذ اللہ) محمد ﷺ کا۔ آیت ۷ میں فیصلہ کن انداز میں فرمایا جا رہا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦﴾ ''تمہارا ربّ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

آیات ۱۷ تا ۳۳ میں ''اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ'' یعنی باغ والوں کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند بھائیوں کو باپ کی وراثت سے پھلوں کا ایک باغ ملا۔ گھر

کا سارا خرچہ اسی باغ کی آمدنی سے پورا ہوتا تھا۔ باپ کی یہ عادت تھی کہ جس دن باغ کا پھل توڑا جاتا تھا تو اس دن شہر بھر کے فقیروں کو بلایا جاتا اور انہیں کچھ نہ کچھ دے دیا جاتا تھا۔ باپ کے بعد بیٹوں نے فقیروں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ کل علی الصبح پھل توڑ لیں گے اور جب فقیر آئیں گے تو باغ کو خالی پائیں گے اور خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے۔ اپنے اس منصوبے اور تدبیر پر انہیں اتنا یقین تھا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' بھی نہیں کہا۔ آخر رات کو اللہ کا عذاب آیا اور سارا باغ ملیا میٹ ہو گیا۔ پھر انہوں نے اپنے کیے ہوئے پر افسوس کرتے ہوئے کہا: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۲۹ ..... يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝۳۱﴾ ''پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم تو خود ہی ظالم ہیں ..... ہم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہیں''۔ آخر میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳﴾ ''یوں ہی آتی ہے آفت۔ اور آخرت کی آفت تو بہت بڑی (اور خطرناک) ہے۔ کاش ان (کفار) کو سمجھ ہوتی!''

دوسرے رکوع میں قیامت کے سلسلہ میں عجیب انداز میں ایک دلیل آئی ہے۔ فرمایا گیا:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۠ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝

''کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو سرکشوں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسی باتیں کرتے ہو؟''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت اور حساب کتاب کا دن برحق ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو پھر تو سب برابر ہی رہیں گے، بلکہ سرکش زیادہ فائدے میں رہیں گے کہ وہ تو اس دنیا میں بھی خوب عیش کرتے رہے اور گلچھرّے اڑاتے رہے۔ اور نیکوکار جو پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے، صحیح و غلط اور جائز و ناجائز کی تمیز کرتے رہے، وہ تو گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ اندھیر نگری چوپٹ راج۔ جبکہ اللہ کی لاٹھی اندھے کی لاٹھی نہیں ہے بلکہ وہاں اعمال کے حساب سے فیصلہ ہو گا بایں طور کہ سرکش جہنم کی آگ میں اور فرمانبردار نعمت کے باغات میں ہوں گے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ ان منکرین کی جانب توجہ مبذول نہ کریں بلکہ اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیں' ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ فرمایا:

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

''(اے نبی ﷺ!) مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجیے۔ ہم ان کو (عذاب میں جھونکنے کے لیے) آہستہ آہستہ ایسے لے آئیں گے کہ ان کو گمان تک نہ ہوگا۔ اور ابھی میں ان کی رسی دراز کیے ہوئے ہوں' جبکہ میری چال بڑی مضبوط ہے۔''

آیت ۴۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دے کر آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ ان کی طرح جلدی مت کیجیے۔ فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَکْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾﴾ ''اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہونا۔ جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور وہ غم سے گھٹ رہا تھا۔''

آیت ۵۱ میں ایک بہت عجیب بات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

''اور کافر جب یہ نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ یہ آپؐ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو دیوانہ ہے۔''

آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کچھ نفسیاتی ریاضتوں اور مشقتوں کے ذریعہ اپنی نگاہوں کے اندر قوت ارادی پیدا کر کے کسی کی قوتِ ارادی کو مسخر کرنا جانتے ہوں۔ یہ ایک فن ہے اور اس آیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ داؤ بھی نبی اکرم ﷺ پر آزمایا گیا تھا۔

سُورَةُ الْحَاقَّة

اس سورۃ کی ابتدائی ۱۲ آیات میں سابقہ اقوام میں سے قوم ثمود' قوم عاد اور فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ان اقوام نے کفر کی روش اختیار کی تو انہیں اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ آگے آیات ۱۳ تا ۱۸ میں قیامت کا مرحلہ وار تذکرہ ہے اور اس کے بعد آیات ۱۹ تا ۳۷ میں جنت اور جہنم والوں کے معیار (یعنی اس دن جنتی اور جہنمی کا فیصلہ کیسے ہوگا) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۚ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۚ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۚ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ

''اُس دن جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا' وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ اعمال پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص مَن پسند عیش میں ہوگا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں' جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) جو (عمل) تم ایامِ گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا' اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش موت (ابدالآباد کے لیے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔ (حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو' پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔''

اس سورۃ کا دوسرا رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ بظاہر اس میں حضور ﷺ سے خطاب کر کے کچھ باتیں کہی گئی ہیں، لیکن دراصل یہ منکرین اور معترضین کو جوابات دیے گئے ہیں۔ فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۚ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۘ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۘ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۘ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۘ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۘ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۧ

''میں قسم کھاتا ہوں اس کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور اس کی بھی جو تم نہیں دیکھتے (یعنی عالمِ غیب کی اشیاء) کہ یہ قرآن تو دراصل ایک عالی مقام فرشتے (جبرائیلؑ) کا پہنچایا ہوا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کہا ہوا ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم میں سے نصیحت اخذ کرتے ہیں۔ اس کا نزول تو اس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اگر یہ (محمد ﷺ) اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر ہماری جانب منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ہمیں (ایسا کرنے سے) روک سکتا۔ اور یہ (قرآن) تو دراصل یاددہانی ہے اہلِ تقویٰ کے لیے۔ اور ہم جانتے ہیں ان کو جو تم میں سے اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے حق میں حسرت بن کر آئے گا۔ (یہی بات حضور اکرم ﷺ نے بایں الفاظ فرمائی ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ کہ یہ قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف)۔ اور یہ حق ہے کہ اس پر پورا یقین کیا جائے۔ پس تسبیح کرو اپنے رب کی جو بڑی عظمت والا ہے۔''

سُورَةُ الْمَعَارِج

سورۃ المعارج کی پہلی آیت میں عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں کسی پوچھنے والے کے سوال کا ذکر ہے اور اگلی آیات میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۚ

''ایک عذاب طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا کافروں پر اور اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا۔ (اور یہ عذاب) اللہ صاحب درجات کی طرف سے ہوگا۔''

آیات ۱۱ تا ۱۸ میں قیامت کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا' نیک لوگوں کو جنت کے باغات کی صورت میں اور سرکش لوگوں کو جہنم کی آگ کی صورت میں۔ فرمایا:

..... وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــْٔوِيْهِ ۙ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

''.....اور کوئی دوست کسی دوست کا پُرسانِ حال نہ ہوگا' (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے' اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی' اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا' اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے' کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا۔ اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا۔''

آیات ۱۹ تا ۲۱ میں انسان کی ایک فطرتی خصلت کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا گیا ہے کہ انسان کم حوصلے والا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝

''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔''

اس کے بعد آیات ۲۲ تا ۳۵ میں انسان کی تعمیرِ سیرت کے حوالہ سے اساسی چیزوں اور اہلِ جنت کی صفات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝

''مگر وہ نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں) جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے کا اور محروم کا۔ اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں۔ اور جو لوگ ان کے علاوہ کسی اور کے طلب گار ہوں پس وہی ہیں جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ بہشت میں عزت و اکرام سے ہوں گے۔''

سُورَةُ نُوح

سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور پھر ان کی قوم کی ہٹ دھرمی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام کی دو دعاؤں کا تذکرہ ہے جو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ ایک دعا میں وہ فریاد کے طور پر بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں:

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾

''اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو پکارا رات کو بھی اور دن کو بھی۔ لیکن میرے پکارنے نے ان کے (دینِ حق سے) گریز ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) اور تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں (اپنے اوپر) لپیٹ لیں اور (اپنی ضد پر) اڑے رہے اور انتہائی درجے کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی پکارا، پھر میں نے بباتگِ دہل بھی ان کو دعوت پہنچائی اور علیحدہ علیحدہ خفیہ طور پر بھی۔ اور میں نے ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بہت معاف کرنے والا ہے (لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے)۔''

آیات ۱۳ تا ۲۰ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ایک ایک انعاماتِ الٰہیہ گنوا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان انعامات کے باوجود تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

''تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔''

آیات ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری دعا کا تذکرہ ہے اور یہ دعا ایسے سخت الفاظ پر مشتمل ہے کہ شاید ہی کسی اور رسول کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہوں۔ اپنی قوم کے بارے میں اتنی سخت دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کے لوگوں کو دن رات دعوت دی اور اس طویل عرصے کی دعوت کے نتیجے میں صرف چند لوگ ہی ایمان لائے۔ قوم کی اس ہٹ دھرمی کا اثر ان کی طبیعت کے اندر موجود تھا' تو انہوں نے یوں دعا کی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

''اے پروردگار! اس زمین پر ایک بھی کافروں کا گھر بستا نہ چھوڑ۔ اس لیے کہ اگر تو نے (ایک گھر بھی ان کا) چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔ اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی اور اہل ایمان میں سے جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو

جائے' ان کی مغفرت فرما دے اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔''

اگرچہ رسول نوعِ انسانی کے ہر فرد کے لیے شفیق ہوتا ہے لیکن لوگوں کے مسلسل ایذا، اعراض اور استہزاء کا حضرت نوح علیہ السلام کی طبیعت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ ان کی دعا میں غضب کی کیفیت عیاں ہے۔

سُورَةُ الجِنّ

سورۃ الجن میں جنوں کی ایک جماعت کا ذکر آیا ہے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کا ذکر کیا اور ان کو دعوت پیش کی۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ''الجن'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پورے واقعے کی خبر دی۔ فرمایا:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝

''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے اور وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار ابلیس) اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہتا رہا ہے۔''

آیات ۱۲ تا ۱۵ میں مذکور ہے کہ جنوں کی اس جماعت نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے آخر میں بہت خوبصورت انداز میں کہا:

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۝ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۝

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝
وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

''اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔ اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض ناانصافی کرنے والے (نافرمان) ہیں۔ تو جو فرمانبردار ہوئے انہوں نے بھلائی کی راہ ڈھونڈ لی۔ اور جو بے انصاف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن (بننے والے) ہیں۔''

اس سورۃ کی آیت ۱۸ میں شعائرِ اسلام میں سے مساجد کا ذکر ہوا ہے: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸﴾ ''اور یہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو'' —— مساجد اسلامی شعائر میں سے ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں مسجد معاشرت کی تنظیم کی بنیاد ہے' بایں معنی کہ ایک علاقے میں پنج وقتہ نماز ہو رہی ہے' لوگ جمع ہوتے ہیں' پھر جب کوئی نمازی نہیں آتا تو لوگوں کو تشویش ہونی چاہیے کہ آج فلاں صاحب نہیں آئے' آؤ چل کر پتا کریں۔ ان مساجد کو تو معاشرتی رابطے (social contact) کا ذریعہ بننا چاہیے۔ یہ نہیں کہ نماز کے لیے آئے' نہ کسی کو دیکھا نہ کسی سے کچھ پوچھا' نہ کسی کی کوئی مزاج پرسی کی' بس سلام پھیرا اور چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ تو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے۔ دراصل ہمارے ہاں مسجد کا نظام ان ہی چیزوں پر مبنی ہے۔

آیات ۲۵' ۲۶ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے وقوع کا علم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہے اور صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝

''(اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز

کر دی ہے۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے' سو وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔''
اگلی آیات میں ایک استثناء بیان کیا گیا ہے کہ اپنے جس پیغمبر کے لیے وہ پسند کرتا ہے اپنے علم غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

سُورَةُ الْمُزَّمِّل

انتیسویں (۲۹) پارے میں کُل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکی ہیں۔ ان گیارہ سورتوں کا مرکزی خیال ''انذار و تبشیر'' ہے اور پھر اس میں سے بھی انذار والا پہلو ان سورتوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان سورتوں میں سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر جوڑے کی شکل میں ہے۔ ان دونوں کے آغاز میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ سے تقریباً ہم معنی الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱﴾ ''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے'' اور سورۃ المدثر میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱﴾ ''اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے''۔ الفاظ تو اگرچہ مختلف ہیں لیکن معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ پھر سورۃ المدثر میں جس عملی جدوجہد کے آغاز کا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تیاری کے لیے آپ ﷺ سے جو ذاتی ریاضت اور مشقت کرائی گئی اس کو سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝

''اے کمبل لپیٹ کر لیٹنے والے! کھڑے رہا کرو رات کو سوائے اس کے تھوڑے حصہ کے۔ آدھا یا اس میں سے کچھ کم کر لو۔ یا اس سے کچھ زیادہ کر لو اور قرآن پڑھا کرو ٹھہر ٹھہر کر (یعنی اس کی کیفیات کو اپنے قلب و روح کی گہرائیوں میں جذب کرتے ہوئے تلاوت کیا کرو)۔ ہم یقیناً آپ پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔ درحقیقت یہ رات کا جاگنا نفس کو کچلنے میں بڑا ممد و موثر ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔''

رات کے اوقات میں انسان اور رب کے مابین کوئی حجاب نہیں ہوتا' اس لیے رات کی تنہائیوں میں انسان جو دعا کرتا ہے وہ براہ راست سیدھی جاتی ہے —— اس حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیں کہ تہجد کی نماز نبی اکرم ﷺ کے لیے اوّلاً فرض کا درجہ رکھتی تھی' لیکن بعد میں اسے نفل کا درجہ دے دیا گیا' جس کا ذکر اس سورۃ کی آخری آیت میں موجود ہے۔

آگے آیت ۱۰ میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ضمن میں عام مسلمانوں کو کفار کی بدتمیزیوں اور تکالیف پر صبر کرنے کا حکم دے کر اگلی آیات میں کفار کے بُرے انجام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝

''اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔ اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو۔ کچھ شک نہیں کہ (ان کے لیے) ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور گلوگیر کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ (ایسے بھربھرے گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے نہایت جامع آیت ہے۔ اس میں ایک طرف تو رات کے قیام یعنی تہجد اور قرآن کریم کی تلاوت کے حکم کے حوالے سے کچھ تخفیف کی گئی ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے' فلاحِ عامہ کے لیے خرچ کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۣ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا کرتے ہو۔ اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی' پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں' اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں' اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' تو اس (قرآن) میں سے جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو' اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور (مزید برآں) اللہ کو اچھا قرض (خلوصِ نیت سے) دیتے رہو۔ اور جو نیک عمل تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے۔ اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سُورۃُ المُدَّثِّر

نبی اکرم ﷺ کو آئندہ دنوں میں پیش آنے والے عملی کام کی تیاری کے لیے سورۃ المزمل میں ذاتی ریاضت کا ایک مکمل نصاب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سورۃ المدثر کے آغاز میں عملی جدوجہد کی طرف رہنمائی اس طرح کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣﴾ ''اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو'' —— بڑائی کا اعلان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کا نظام اس دنیا میں بالفعل قائم کیا جائے۔ دراصل یہ ہے حضور ﷺ کی اس دنیا کی حد تک عملی جدوجہد کا منتہائے مقصود کہ وہ نظام قائم ہو جائے

جس میں اللہ ہی کو سپریم اتھارٹی مان لیا جائے کہ آخری اختیار اُسی کا ہے۔

قبل ازیں بتایا گیا ہے کہ انتیسویں پارے کی گیارہ سورتوں کا مرکزی مضمون یوم القیامہ اور عذابِ جہنم کے حوالے سے انذار ہے۔ تو اس سورۃ کی بھی ابتدائی آیات میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کے بعد اس موضوع کو ایک الگ انداز میں بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر اس ضمن میں ایک ایسے شخص (ولید بن مغیرہ) کا بطور نمونہ تذکرہ کیا گیا ہے جس پر اللہ کے بے شمار انعامات تھے مگر اس نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن سن کر کسی قدر متاثر ہوا اور سردارانِ قریش کی محفل میں اس نے برملا کہا کہ میں شاعری میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سن کر رکھی ہیں' قرآن نہ تو شعر ہے اور نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا آخر تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر اس نے کچھ توقف کیا' لیکن پھر محض برادری کو خوش کرنے کے لیے منہ بنا کر کہا کچھ نہیں' بس جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ آیات ۱۸ تا ۲۵ میں اس کے اسی غور و فکر اور پھر سردارانِ قریش سے گفتگو کی طرف اشارہ ہے:

..... فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۭ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۭ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝

"..... پھر کہنے لگا کہ یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔ ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں گے۔ اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ (وہ ایسی آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔ اس پر انیس داروغہ ہیں۔"

آگے آیات ۳۲ تا ۳۴ میں چاند اور رات دن کی قسم کے بعد بتایا گیا کہ یہ دوزخ بھی بڑی چیزوں میں سے ہے' یعنی دوزخ اللہ کے عظیم نشانات میں سے ایک نشانی ہے جو درحقیقت انسانوں کے لیے ایک ڈراوا ہے —— ان آیات میں جہنم کے ذکر کے متصل بعد جنت اور اس ضمن میں جنت اور جہنم والوں کے ایک مکالمے کا تذکرہ کیا جا رہا

ہے جس میں اہلِ جہنم خود ہی اپنے اوپر فردِ جرم عائد کر رہے ہیں۔ فرمایا گیا:

..... اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ؕ﴿۳۹﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ ۛؕ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۙ﴿۴۰﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۙ﴿۴۱﴾ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴۳﴾ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ۙ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ۙ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ ﴿۴۷﴾

''.....مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ کہ) وہ بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور اہلِ باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔''

اس سورت کے آخر میں قرآن کریم کو نصیحت اور یاددہانی قرار دے کر فرمایا گیا کہ جو چاہے اس نصیحت سے سبق حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ایک اصولی بات کی نشاندہی کر دی گئی کہ کسی بھی شخص کا نصیحت حاصل کرنا اس کے اپنے ارادے کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا گیا:

کَلَّاۤ اِنَّہٗ تَذۡکِرَۃٌ ۚ﴿۵۴﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ؕ﴿۵۵﴾ وَ مَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ ہُوَ اَہۡلُ التَّقۡوٰی وَ اَہۡلُ الۡمَغۡفِرَۃِ ﴿۵۶﴾

''کچھ شک نہیں کہ یہ تو ایک یاددہانی ہے۔ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور نصیحت بھی تبھی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے۔ وہی ڈرنے کے لائق اور بخشش کا مالک ہے۔''

سُورۃُ القِیَامَۃ

یہ سورۃ بڑے منفرد مزاج کی حامل ہے —— ویسے تو ان تمام سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم (flow) بہت تیز ہے۔ میں اس کے لیے پہاڑوں کے درمیان بہنے والے ندی نالوں کی مثال دیا کرتا ہوں جن کی چوڑائی تو اگرچہ کم ہوتی ہے لیکن ان میں

پانی بڑے جوش وخروش اور طوفانی انداز میں بہتا ہے۔ اسی طرح کا انداز مکی سورتوں کا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہی دریا جب میدانی علاقوں میں آ جاتے ہیں تو خوب پھیل جاتے ہیں اور ان کے پاٹ بڑے ہو جاتے ہیں' اس وجہ سے ان میں پانی نرمی سے چل رہا ہوتا ہے' تو یہ انداز مدنی سورتوں میں پایا جاتا ہے۔

مکی سورتوں والا انداز سورۃ القیامہ میں سب سے نمایاں ہے۔ پورے قرآن حکیم میں قیامت کے موضوع پر اپنے مزاج کی یہ منفرد سورت ہے جس کا آغاز ہی بڑے پُرجلال انداز میں ہو رہا ہے۔ قیامت کی قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں شکوک وشبہات لاحق ہیں' جبکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ ایک شدنی اور یقینی شے ہے۔ فرمایا: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢﴾ ''نہیں' میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی۔ اور نہیں' میں قسم کھاتا ہوں نفسِ لوّامہ کی (کہ روزِ قیامت لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے)'' —— ''نفسِ لوّامہ'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اپنے اندر کوئی ایسی شے ہے جو اسے اس کے برے کام پر ملامت کرتی ہے۔ اس شے کو ہم ''ضمیر'' (conscious) کے نام سے جانتے ہیں۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نیکی اور بدی کا تصور انسان کے اپنے اندر موجود ہے اور اس تصور کا لازمی نتیجہ جزا و سزا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جزا و سزا کے حوالے سے وہ قانون پورا نہیں ہوتا جو فارسی کے اس مقولے ''گندم از گندم بروید جو ز جو'' (گندم سے گندم اگتی چاہیے اور جو سے جو) میں بیان ہوا ہے۔ یہاں تو سچ بولنے سے غیر تو غیر' اپنے بھی دشمن بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ نیکی اور دین کے راستے پر چلنا شروع کریں تو سب سے پہلے رشتہ دار ہی آپ سے لڑیں گے۔ اسی طرح اگر آپ کسی غلط رسم کو چھوڑنے کا ارادہ کریں تو سب سے پہلے آپ کے اپنے گھر میں ہی فساد ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس دنیا میں اچھائی اور نیکی کا بدلہ اچھا نہیں ملتا۔ اس حوالے سے یہ دیکھیں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوا' پتھراؤ کیا گیا' نعوذ باللہ گالیاں دی گئیں' برا بھلا کہا گیا' مجنون اور پاگل کہا گیا —— اس کے برعکس اس

دنیا میں جو لوگ نیکی اور بدی کی تمیز بھول کر زندگی گزارتے ہیں وہ عیش کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جزا و سزا کے لیے کوئی نہ کوئی دن لازماً مقرر ہونا چاہیے اور وہ یقیناً قیامت کا دن ہے جس کے یقینی ہونے کے بارے میں اس سورۃ کے آغاز میں دو قسموں کے ساتھ شہادت دی گئی ہے — آگے فرمایا گیا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝

''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم تو اس کی (انگلیوں کی) ایک ایک پور درست کر دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان یہ چاہتا ہے کہ آگے کو خود سری کرتا جائے۔''

بات یہ نہیں ہے کہ آخرت اور قیامت انسان کی سمجھ میں نہیں آتی' بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ فسق و فجور کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اس کو چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی جزا و سزا کو نہیں مانتے۔

اس کے بعد آیت ۷ میں وقوعِ قیامت کے بارے میں ایک سوال کا تذکرہ ہے اور پھر اگلی آیات (۷ تا ۱۵) میں روزِ قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝

''(انسان بڑی ڈھٹائی سے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ (اس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ) جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا' اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے (یعنی چاند سورج میں دھنس جائے گا) اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں؟ (جواب دیا جائے گا کہ) بے شک کہیں پناہ نہیں۔ اب تو تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے۔ اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے

ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔ بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے' اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔''

انسان نے اپنی زندگی میں جو اعمال سرانجام دیے وہ تقدیم ہے اور انسان جو کچھ پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے اس کی جزا و سزا بھی انسان کے حصہ میں آتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نیک اولاد چھوڑ آیا ہے تو اس کی نیکیاں اس کے حساب میں جمع ہوتی رہیں گی اور اگر کوئی شخص آوارہ اور بری اولاد چھوڑ کر آیا ہے تو اس کے اعمال کے گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ پھر قیامت کے دن اس شخص کو ہر ایک چیز بتا دی جائے گی' بلکہ انسان کو تو خود ہی پتا ہو گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے' اس لیے اسے بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔

قیامت کے اس نقشہ کو بیان کرنے کے بعد اگلی آیات (۱۶ تا ۱۹) میں خطاب کا رُخ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نزولِ وحی کے وقت بھول جانے کے ڈر سے' جلدی اور تیزی سے اس کو یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے' اس حوالے سے آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

''(اے محمد ﷺ!) آپ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلدی یاد کر لیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ پس جب ہم وحی پڑھا کریں تو آپ (اس کو سنا کریں اور) پھر اسی طرح پڑھا کریں۔ پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔''

حُفّاظ کو قرآن حکیم کے یاد کرنے میں کس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے بہ کمال شفقت و عنایت آپ ﷺ کو اس مشقت سے مستثنیٰ کر دیا۔ دوسری طرف ان آیات مبارکہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے' یعنی حضور ﷺ کے سینہ میں قرآن اللہ عزوجل کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق جمع ہوا ہے۔ یہ آیت بعض اہلِ تشیع کے اس عقیدہ کا رد کرتی ہے کہ قرآن نامکمل ہے' یہ تو مکمل طور پر جمع

نہیں ہوا یا یہ ناقص رہ گیا ہے' یا اس کی ترتیب کوئی اور تھی۔ یہ باتیں درحقیقت ان آیات کا صریح انکار ہے — اس حوالے سے آیت ۱۹ میں تو یہاں تک فرما دیا گیا کہ اس قرآن حکیم کی شرح کرنا بھی ہمارے ذمے ہے اور وہ شرح اب ہمارے پاس احادیث نبویہ کی شکل میں موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے خطاب کے بعد اگلی آیات میں ایک بار پھر قیامت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ آیات ۲۰'۲۱ میں دنیوی اور اخروی زندگی کے حوالے سے انسانوں کے رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۲۱﴾ ''مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو''۔ انسانوں کو دنیا کی زندگی بہت محبوب ہے' اس لیے کہ اس میں راحت بھی نقد ہے اور تکلیف بھی نقد (اس لیے اس کو ''عاجلہ'' کہا گیا ہے) اور آخرت چونکہ سامنے نہیں ہے اور اس میں جزا و سزا بھی ادھار ہے اس لیے بنی نوع انسان کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

آیات ۲۲ تا ۲۵ میں ایک بار پھر قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس دن کے حوالہ سے کہا جا رہا ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝۲۴ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝۲۵﴾ ''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے' اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اور بہت سے چہرے اس دن سوکھے ہوں گے' وہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ آج ان پر مصیبت واقع ہونے والی ہے''۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے سکول میں نتیجہ سنائے جانے کے دن بہت سے بچوں کے چہروں کے تاثرات سے ان کا نتیجہ عیاں ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی چہروں کے تاثرات سے ہر شخص کا اندازہ ہو جائے گا۔

قیامت کی دو قسمیں ہیں: (۱) قیامتِ کبریٰ' جس کا نقشہ ماقبل آیات میں کھینچا گیا اور (۲) قیامتِ صغریٰ۔ موت کو قیامتِ صغریٰ کہا جاتا ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ))(۱) ''جو مر گیا اس کی قیامت تو واقع ہو گئی''۔

---

(۱) تخریج الاحیاء للعراقی ۷۹/٤۔ راوی: انس بن مالك ﷺ (اسناده ضعیف)

اگلی آیات میں اس قیامتِ صغریٰ کا بیان ہے کہ پہلے تو انسان موت کا انکار کرتا ہے' لیکن جب حالتِ نزع واقع ہوتی ہے تو پھر اسے پروردگار کی یاد آتی ہے' لیکن اس وقت افسوس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ فرمایا گیا:

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ۝ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ۝ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۝ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۝

''دیکھو جب جان ہنسلی میں آ پھنسے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟ (اس لیے کہ ڈاکٹر وحکیم تو جواب دے چکے ہوں گے) تو اس روز احساس ہو جائے گا کہ اب تو وقت فراق ہے (یعنی جس دنیا سے دل لگا رکھا تھا اب اس سے وقت رخصت ہے)۔ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اس روز تو تیرے رب ہی کی طرف ہانکے جانا ہے۔ نہ تو اس (عاقبت نااندیش) نے (کلام اللہ کی) تصدیق کی' نہ نماز پڑھی' بلکہ جھٹلایا اور رخ موڑ لیا' اور پھر چلا اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا۔ ہلاکت و بربادی ہے تمہارے لیے' پھر ہلاکت و بربادی ہے تمہارے لیے۔''

اگلی آیات میں انسان کی تخلیق کا بڑے خوبصورت انداز میں ذکر کر کے بتایا جا رہا ہے کہ جو ذات انسان کو عدم سے وجود میں لا سکتی ہے وہ ذات بلاشبہ مردہ کو زندہ کر دینے پر بھی قادر ہے۔ فرمایا:

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۝

''کیا انسان نے یہ سمجھا ہے کہ وہ یونہی چھوٹ جائے گا؟ کیا وہ منی کی ٹپکائی ہوئی ایک بوند نہ تھا؟ پھر وہ ایک لوتھڑا ہوا' پھر اللہ نے اس کو بنایا اور اس کے نقش ونگار درست کیے۔ پھر اس کی دو جنسیں بنا دیں' ایک مذکر اور ایک مؤنث۔ تو کیا وہ ہستی اس پر قادر نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کر سکے؟''

سُورۃُ الدَّھْر

اس سورۃ کا ابتدائیہ حکمتِ قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہے —— اس حوالے سے بتایا گیا تھا کہ انتیسویں پارے کی ان گیارہ مکی سورتوں کی بعض آیات فلسفہ وحکمتِ قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہیں' سورۃ الدّہر کی ابتدائی آیات بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں —— سورۃ القیامہ کا اختتام نطفہ سے انسان کی تخلیق پر ہوا تھا تو اس سورۂ مبارکہ کا آغاز اسی مضمون سے ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں سورتوں کی حیثیت بھی ایک جوڑے کی سی ہے۔ فرمایا گیا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

''کیا انسان کو یاد ہے کہ اس پر ایک وہ وقت بھی گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا؟ (حقیقت یہ ہے کہ) ہم نے انسان کو ملے جلے نُطفے سے بنایا ہے تاکہ اسے آزمائیں' چنانچہ ہم نے اس کو سماعت بھی دی' بصارت بھی دی اور سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ (پھر اس کو اختیار دے دیا کہ) چاہے تو شکر گزاری کا راستہ اختیار کرے چاہے ناشکری کا۔''

البتہ شکر گزاری اور ناشکری کا نتیجہ ایک دوسرے کے برعکس ہو گا —— اگلی آیات (۴ تا ۲۲) میں شکر گزار اور نیکوکاروں پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ ہے (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!) اور دوسری طرف ناشکروں اور کافروں کے لیے عذاب اور سزاؤں کا بیان ہے (اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ!) لیکن ارحم الراحمین کا انداز ملاحظہ ہو کہ ان ۱۹ آیات میں سے صرف ایک آیت میں عذاب وسزا کا ذکر ہے جبکہ باقی ۱۸ آیات میں انعاماتِ الٰہیہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ پھر ان آیات کے درمیان (آیات ۷ تا ۱۱ میں) ان لوگوں کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ان انعامات کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا

عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝

''جو نیکوکار ہیں وہ ایسی شراب نوشِ جاں کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے (چھوٹی چھوٹی) نہریں نکال لیں گے۔ یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی' خوف رکھتے ہیں۔ اور باوجود یکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں' نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (طلب گار)۔ ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور (دلوں کو) سخت (مضطرب کر دینے والا) ہے۔ تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا۔ ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔''

سورۃ القیامہ کی طرح اس سورۃ میں بھی چند آیات میں خطاب کا رُخ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کیا گیا ہے۔ نزولِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝

''(اے محمد ﷺ!) ہم آپ پر یہ قرآن نازل کر رہے ہیں جیسے کہ نازل کرنے کا

حق ہے (یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے) پس اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور گناہگار اور ناشکرے لوگوں (کے دباؤ اور مخالفت سے متاثر ہو کر ان) کی رائے قبول نہ کیجیے۔ اور صبح و شام اپنے رب کو یاد کریں' اور رات کا ایک طویل حصہ اللہ کی تسبیح اور سجدہ میں گزاریں۔''

اس کے بعد آیت ۲۷ میں وہی بات بیان کی گئی ہے جس کا ذکر سورۃ القیامۃ میں بھی ہوا تھا۔ فرمایا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾﴾ ''یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور آنے والے قیامت کے ثقیل اور بھاری دن کو پس پشت چھوڑ دیتے ہیں۔''

سورۃ المدثر کی طرح اس سورۃ کے آخر میں بھی اس اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ تم لاکھ کچھ کرنا چاہو اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک اس میں اللہ کی مشیت شامل نہ ہو اور جب تک تمہیں اس کی توفیق نصیب نہ ہو۔ فرمایا گیا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو۔ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا اور کمال حکمت والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے' اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سُورۃُ المُرسَلٰت

سورۃ المرسلات انتیسویں پارے اور اس میں موجودہ گیارہ مکی سورتوں کی آخری سورت ہے۔ اس کا مرکزی مضمون بھی قیامت اور انذار ہے۔ اس کے بعد آنے والی آخری پارہ کی پہلی سورۃ ''النبا'' اور سورۃ المرسلات باہم جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ المرسلات کا آغاز پانچ قسموں سے ہو رہا ہے —— ان میں سے چار قسمیں ہواؤں سے متعلق ہیں۔ ہواؤں کی قسمیں اس لیے کھائی گئی ہیں کہ گزشتہ اقوام میں سے چند ایک پر ان ہواؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا۔ پانچویں قسم وحی لانے والے

فرشتوں کی ہے ——— یہ تمام قسمیں اس بات پر اٹھائی جا رہی ہیں کہ جس قیامت کی تمہیں خبر اور دھمکی دی جا رہی ہے وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور یہ کوئی جھوٹ موٹ کی بات نہیں ہے۔ فرمایا گیا:

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝

''ان ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں' پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں' اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں' پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔ پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں' تاکہ عذر (رفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے' کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے وہ ہو کر رہے گا۔''

اس سورۂ مبارکہ میں ایک آیت تکرار کے ساتھ دس بار آئی ہے: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝﴾ یعنی افسوس' رنج و صدمہ' تباہی و ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اس آنے والے دن یعنی قیامت کو جھٹلایا ——— اس سورۃ کی آیات باہم مربوط ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے تسبیح کے دانوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا گیا ہو۔ اس سورۃ میں چار پانچ آیات میں قیامت سے متعلق ایک بات کو بیان کیا گیا ہے اور پھر ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝﴾ لا کر قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت کا اعلان بھی ساتھ ہی کر دیا گیا ہے۔

آیات ۸ تا ۱۴ میں ماقبل سورتوں کی طرح قیامت کا ایک نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا ہے:

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

''پس جب تاروں کی چمک جاتی رہے' اور جب آسمان پھٹ جائے' اور جب پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں' اور جب پیغمبر (وقت مقررہ پر) جمع کیے جائیں' بھلا (ان امور میں) تاخیر کس لیے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لیے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

قبل ازیں سورۃ القیامہ اور سورۃ الدھر میں قیامت کے ثبوت کے لیے نطفہ سے تخلیقِ انسانی کا تذکرہ کیا گیا تھا تو اس سورۃ میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا گیا:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

''کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ (پہلے) اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک وقتِ معیّن تک، پھر اندازہ مقرر کیا، اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔''

آیات ۴۱ تا ۴۹ میں اوّلاً نیک اور متقی لوگوں کے لیے انعامات کا تذکرہ ہے اور آخراً مجرمین کے لیے ایک دھمکی ہے کہ اس دنیا میں جو مزے اڑانے ہیں اڑا لو، پھر تمہیں عذابِ الٰہی کا سامنا بھی کرنا ہے۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

''بے شک پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہوں گے، اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں۔ جو اعمال تم کرتے رہے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔ (اے جھٹلانے والو!) تم کسی قدر کھا لو اور فائدے اٹھا لو، تم بے شک گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو جھکتے نہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس میں قرآن مجید کے حوالے سے فرمایا گیا: ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝٥٠﴾ ''اس

حدیث کے بعد یہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟'' یعنی جب قرآن جیسا نسخہ کیمیا بھی نازل ہو گیا اور وہ اس کو پڑھ کر بھی ایمان نہیں لا رہے تو اب اس کے بعد اور کونسی چیز ہو گی جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ یہی بات سورۃ الزمر میں بایں الفاظ کہی گئی تھی: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ (آیت ۲۳) ''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیات) ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں''۔ اسی طرح نبی آخر الزمان ﷺ نے بھی اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ((وَخَيْرُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ))(۱) ''اور بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے'' —— ان دونوں آیات اور فرمانِ رسول ﷺ میں قرآن یعنی اللہ کے کلام کو ''حدیث'' کہا گیا ہے' جبکہ ہمارے ہاں قولِ رسولؐ کو حدیث کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ان دونوں یعنی قول اللہ اور قول رسولؐ پر حدیث کا اطلاق ہو سکتا ہے' لیکن چونکہ اب ''حدیث'' کا لفظ قولِ رسول کے لیے ایک اصطلاح بن گیا ہے لہٰذا جب بھی ہم ''حدیث'' کہیں گے تو اس سے صرف ''قولِ رسول'' ہی مراد ہو گا۔

سُورَةُ النَّبَا

قرآن حکیم کی آخری منزل سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے۔ تعدادِ سور کے اعتبار سے یہ آخری منزل تقریباً نصفِ قرآن ہے اور اس میں کُل ۶۵ سورتیں ہیں' جن میں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔ مزید برآں دو اور سورتیں (البیّنہ اور النصر) مدنی ہیں' جبکہ ان کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکی ہیں۔ قرآن مجید کی اس آخری منزل کے حوالے سے۔ دوسری بات یہ نوٹ کیجیے کہ قرآن مجید کا یہی حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔ یہ حصہ حجم کے اعتبار سے اگرچہ چھوٹی چھوٹی سورتوں پر مشتمل ہے' لیکن یہ سورتیں اپنے معانی اور مفاہیم کے لحاظ سے بہت جامع ہیں۔

---

(۱) تخریج کتاب السنة للالبانی' ح ۲٤۔ راوی: جابر بن عبداللہ ؓ (اسنادہ صحیح علی شرط مسلم)

تیسویں پارے کی مکّی سورتوں کا رنگ وہی ہے جو انتیسویں پارے کی سورتوں کا تھا یعنی خبردار کرنا' قیامت سے قبل اور بعد میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا بیان جزا و سزا' بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ کا تذکرہ' وغیرہ ——— تیسویں پارے کی پہلی سورۃ ''النبا'' ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا نقطۂ آغاز انذار ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢﴾ چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلے آخرت کے بارے میں خبر دی تو اس پر ایک ہنگامہ سا شروع ہو گیا' ایک ہلچل برپا ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس کا نقشہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥

''یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اُس بڑی خبر کی نسبت جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں! (قیامت کے بارے میں ان کے خیالات ہرگز درست نہیں!) یہ عنقریب جان لیں گے۔ ہاں' ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔''

آیات ۶ تا ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کیے گئے اپنے انعامات کا تذکرہ بطور دلیل کے کیا ہے کہ وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنا سکتی ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو جزا و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کرے!— اور اس کے بعد آیات ۱۷ تا ۲۰ میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝١٨ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝١٩ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠

''بے شک، فیصلے کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ فوج در فوج آ موجود ہو گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔''

آگے آیات ۲۱ تا ۳۷ میں پہلے اہلِ دوزخ اور ان کے دردناک حالات کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے فوراً بعد اہلِ جنت اور ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہونے

والے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

''یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعام متعین۔ وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے' بڑا مہربان ہے' کسی کو اس سے بات کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جس دن روح (حضرت جبرائیلؑ) اور ملائکہ (پروردگار کے سامنے) صف در صف کھڑے ہوں گے' اور اس وقت (دہشت کا وہ عالم ہوگا کہ) خدائے رحمٰن کے اذن کے علاوہ کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی اور جو بولے گا وہ صحیح بولے گا۔ یہ دن برحق ہے' پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس (اپنا) ٹھکانہ بنا لے۔ (اے لوگو!) ہم نے تمہیں اس عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو آنے والا ہے۔ اُس دن انسان اپنے کرتوتوں کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا!''

دیکھئے یہ کلمۂ حسرت ہے جو اُس دن وہ لوگ کہیں گے جو ناکام و نامراد قرار دیے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ایک چڑیا ہوتا یا گھاس کا ایک تنکا ہوتا جس کا کوئی محاسبہ نہیں! اگر انسان اس دنیا میں ہی اس محاسبے کا احساس کر لے تو وہ کامیاب ہو جائے گا' ورنہ اُس روز یہ حسرت بھرا کلمہ کہنا پڑے گا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ''کاش میں مٹی ہوتا!''

سُورَةُ النّٰزِعٰت

سورۃ النازعات اور سورۂ عبس جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ النازعات کا آغاز کچھ قسموں سے ہو رہا ہے۔ ان قسموں کے مفہوم کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ عام

طور پر یہ خیال ہے کہ یہ فرشتوں کے مختلف اعمال کی قسمیں ہیں جس طرح سورۃ الصافات کے شروع میں ہیں —— دراصل یہ پانچ سورتیں ہیں: الصافات' الذاریات' المرسلات' النازعات اور العادیات' ان سب کا آغاز مختلف قسموں سے ہو رہا ہے —— اس سورۃ کے آغاز میں فرشتوں کے چند افعال کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ

''قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں' اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں' اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں' پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں' پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔''

یہاں پر مقسم علیہ محذوف ہے' لیکن قسم اسی بات پر کھائی جا رہی ہے جو اس سے قبل سورتوں میں آ چکی ہے۔ یعنی جس بات (قیامت) کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے وہ اٹل اور یقینی ہے اور جزا و سزا کا معاملہ ہو کر رہے گا۔

آیات ۶ تا ۱۴ میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور آیات ۱۵ تا ۲۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا گیا ہے —— جبکہ سورۃ کے دوسرے رکوع میں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ اصل فیصلہ کن بات آخرت کا یقین' آخرت کی باز پرس اور حساب و کتاب کا خوف ہے۔ اگر تو یہ انسان کے اندر موجود ہے تو انسان کا انجام اچھا اور بھلا ہو گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو زبان سے خواہ وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو' چاہے آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا ورد کر رہا ہو' لیکن دل میں یہ کچھ نہ ہو تو اس کا انجام کچھ اور ہی ہو گا۔ فرمایا:

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۙ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۙ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ۙ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۙ

''تو جب بڑی آفت (یعنی قیامت) آئے گی' تو اس دن انسان اپنے کاموں کو

یاد کرے گا' اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے نکال کر رکھ دی جائے گی۔ تو جس نے سرکشی کی روش اختیار کی' اور اس دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی' تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (اس کے برعکس) جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو بُری خواہشات سے روکتا رہا' تو اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

آگے لوگوں کے ایک سوال کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لازمی واقع ہوگی لیکن اس حوالے سے وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝

''(اے پیغمبر ﷺ! لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ سو آپ اس کے ذکر سے کس فکر میں ہیں؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) آپ کے پروردگار ہی کو (معلوم) ہے۔ جو شخص اس سے ڈر رکھتا ہے آپ تو اسی کو ڈر سنانے والے ہیں۔ جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔''

سُورَۃ عَبَس

اس سورۃ کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے' اس لیے کہ بظاہر اس میں نبی اکرم ﷺ پر گرفت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کچھ سردارانِ قریش کی محفل میں تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو ہو رہی تھی —— ظاہر ہے کہ گفتگو (معاذ اللہ) کسی اپنی غرض سے نہیں بلکہ دعوتِ دین کے حوالہ سے ہو رہی تھی اور حضور ﷺ کا التفات اُن کی جانب تھا —— اس دوران درویش صحابہ میں سے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بار بار آپؐ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی' جس سے آپ کو ناگواری کا

احساس ہوا اور آپؐ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ دیکھا جائے تو یہ معاملہ ہر اعتبار سے بجا (justified) تھا کہ میں مصروف ہوں اور یہ دخل اندازی کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں تھی' لیکن دیکھنے والوں کو بہرحال ایک اندیشہ اور گمان ہو سکتا تھا۔ یہ ہے وہ بات جس پر بظاہر کچھ گرفت ہوئی —— اسی طرح کا مضمون سورۃ الکہف کی آیت ۲۸ میں بھی بیان ہوا تھا: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''آپؐ اپنے آپ کو روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ کیا آپؐ بھی دنیا کی زندگی کے طالب ہو گئے ہیں!'' معاذ اللہ' اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ آپؐ کی یہ کیفیت ہو' لیکن دیکھنے والوں کو تو ایسا گمان ہو سکتا ہے' اس لیے کچھ گرفت ہوئی —— سورۂ عبس میں اس حوالے سے فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝

''(محمد ﷺ نے) تیوری پر بل ڈالے اور رخ موڑ لیا' جبکہ ان کے پاس آیا ایک نابینا۔ اور آپؐ کو کیا معلوم کہ (اگر آپ اس کی طرف التفات کرتے تو) شاید اس کو تزکیہ حاصل ہو جاتا' یا آپ اسے سمجھاتے تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو استغنا دکھا رہا ہے (اور آپ کی دعوت کی جانب متوجہ نہیں ہو رہا) اس کی طرف آپ متوجہ ہیں' حالانکہ اگر وہ تزکیہ اخذ نہ کر سکے تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو آپ کے پاس دوڑ کر آیا' اور اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے' اُس سے آپ غفلت برت رہے ہیں!''

روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تو آپؐ اُن پر بہت شفقت فرماتے اور کہتے: ((مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ

فِيْهِ رَبِّيْ))[1] ''خوش آمدید اُس شخص کو جس کے معاملے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا!'' پھر پوچھتے: هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَة ''کوئی کام ہے تو بتاؤ!''

اس کے بعد کی آیات بہت اہم ہیں۔ آیت ۱۱ اور ۱۲ میں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ استغنا کا بیان ہے۔ فرمایا گیا: ﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ (قرآن) تو ایک نصیحت (یاددہانی) ہے۔ پس جو چاہے اس نصیحت (یاددہانی) سے فائدہ اٹھائے''۔ یعنی جو چاہتا ہے اس سے فائدہ اٹھالے یہ اس کے نفع اور بھلے کی بات ہے اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو آپ اپنے آپ کو اس کے پیچھے ہلکان نہ کیجیے۔ اگلی آیات میں قرآن کی شان اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

''(یہ بڑی قدر و منزلت والی کتاب) بہت باعزت صحیفوں میں درج ہے' جو (اپنی شان میں) بہت بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں' معزز اور نیکوکار کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔''

سورۃ کے آخر میں قیامت کا نقشہ لرزہ طاری کر دینے والے انداز میں یوں کھینچا گیا ہے جسے ہم عام الفاظ میں کہتے ہیں کہ اس وقت نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور ہر انسان کو اپنی پڑی ہوگی' نہ کوئی بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے۔ فرمایا گیا:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿٣٤﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿٣٧﴾

''جب وہ کٹھن گھڑی آئے گی' تو اس دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے' اپنے ماں باپ سے' اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ اُس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی' کسی اور کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔''

سورۃ کی آخری پانچ آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام بنی نوع انسان ربّ العالمین کے سامنے فیصلے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے' جبکہ فیصلہ اور نتیجہ ان کے

(۱) علوم القرآن' اسباب النزول' ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی۔

اپنے چہروں سے عیاں ہو رہا ہوگا۔ یوں سمجھ لیں جیسے سکول میں نتیجہ سنائے جانے کے دن اکثر بچوں کے چہروں کے تاثرات سے ان کا نتیجہ عیاں ہو رہا ہوتا ہے' اسی طرح قیامت کے دن بھی چہروں کے تاثرات سے ہر شخص کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس حوالے سے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۚ

''اور کتنے ہی چہرے اُس روز (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے' خنداں و شاداں ہوں گے۔ اور کتنے ہی چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ وہ ہوں گے جو کفار اور بدکردار تھے۔''

سُورۃُ التَّکوِیر

سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار دونوں جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان کے مضامین بھی تقریباً ایک جیسے ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۃ الانفطار کی نسبت سورۃ التکویر میں یہ نقشہ ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دونوں سورتوں میں ایک ہی مضمون آیا ہے۔ سورۃ التکویر میں فرمایا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾﴾ ''اس روز انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے!'' جبکہ سورۃ الانفطار میں فرمایا گیا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾﴾ ''اُس روز ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا!''

سورۃ التکویر کی اگلی آیات میں وہ مضمون آ رہا ہے جو سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پہلے حضور ﷺ کا ذکر تھا' بعد میں حضرت جبرائیل کا' اور یہاں حضرت جبرائیل کا ذکر پہلے آیا ہے اور حضور ﷺ کا بعد میں۔ جیسے حدیثِ نبوی میں ہم دیکھا کرتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کون ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے کہ نہیں' اسی طرح یہ قرآن ''حدیث اللہ'' —— ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ —— ہے۔ اس کے راویٔ اوّل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور

راویٔ دوم حضرت محمد ﷺ۔ اب ان دونوں راویوں نے ایک دوسرے سے ملاقات بھی کی ہے یا نہیں؟—— یہ مضمون سورۃ النجم میں آیا تھا اور اب یہاں سورۃ التکویر میں اس کا اعادہ ہو رہا ہے۔ یہاں چار قسموں کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۚ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ؕ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ؕ﴿۲۸﴾

''بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ جو صاحبِ قوت، مالکِ عرش کے ہاں اونچے درجے والا سردار اور امانت دار ہے۔ اور (اے مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔ انہوں نے اس (جبرائیلؑ) کو افق مبین پر (ان کی اصلی شکل میں) دیکھا ہے۔ اور وہ پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرنے میں بخیل نہیں ہیں۔ اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ تو تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔ جو بھی تم میں سے چاہے سیدھی راہ اختیار کرے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت میں مشیتِ الٰہی سے متعلق وہی مضمون دہرایا گیا ہے جو اس سے پہلے سورۃ المدثر— ﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (آیت ۵۶) ''اور نصیحت بھی تبھی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے''— اور سورۃ الدھر— ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (آیت ۳۰) ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو''— میں بیان ہوا ہے، جبکہ سورۃ التکویر کی آخری آیت میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو تمام جہانوں کا پروردگار چاہے!''

سُورۃُ الانفِطَار

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو گیا کہ سورۃ الانفطار کی ابتدائی آیات میں قیامت اور اس

دن پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے' لیکن اس کا مرکزی مضمون آیت ۶ میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶﴾ ''اے انسان! تجھے اپنے ربّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے؟'' — اس سورت کے مرکزی مضمون کے حوالے سے یہ سمجھ لیجیے کہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کو ذہنی سہارا بنا کر گناہوں پر جری ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت کی اس قدر امید کہ اُس کی پکڑ کا خوف نہ رہے' یہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بہت بڑی صورت ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ انسان میں بین الخوف والرجاء کی کیفیت برقرار رہے۔ اللہ کی پکڑ کا خوف بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی ہو۔ اگر یہ دونوں کیفیات بیک وقت ہوں اور متوازی بھی ہوں تو انسان کا طرزِ عمل درست ہے' لیکن اگر اس کی رحمت اور شانِ غفاری کے حوالے سے دھوکہ کھا گئے — جیسے سورۃ الحدید میں فرمایا: ﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۱۴﴾ ''اور تم کو دھوکہ دیا اللہ کے بارے میں بڑے دھوکہ باز (شیطان) نے'' — تو یاد رکھو کہ وہ انتقام لینے والا اور سزا دینے والا بھی ہے۔ اس لیے آگے آیات میں فرمایا:

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۴

''ہرگز نہیں' بلکہ تم لوگ تو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (اور تمہارے اعمال کو) لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ جنت میں' اور گناہگار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔''

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

سورۃ المطففین اور سورۃ الانشقاق بھی ایک جوڑے کی شکل میں ہیں — 'طف' عربی زبان میں بہت ہی حقیر چیز کو کہا جاتا ہے اور مطفّفین کا مطلب ہے بہت ہی حقیر چیز کے لیے دھوکہ دینے والے — کم تولنا بھی ایک دھوکہ ہے جس میں انسان معمولی سی چیز کے لیے اپنا ایمان فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''ہلاکت ہے گھٹانے والوں کے لیے۔ جو لوگوں سے ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں' اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں گمان نہیں کہ ایک دن انہیں اٹھایا جائے گا! وہ بہت بڑا دن ہے' جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سورتوں کی بعض آیات قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں' اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے دو مقام بہت اہم ہیں۔ پہلا مقام ہے:

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

''جب اس کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔''

انسانی جسم میں دل بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس میں معرفتِ خداوندی مضمر ہے۔ یہ گویا آئینہ جہاں نما ہے' لیکن اس پر انسان کے برے اعمال کی وجہ سے داغ دھبے پڑتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے اور گناہ کرتا رہے تو اسی طرح داغ پڑتے پڑتے دل پوری طرح زنگ آلود ہوتا ہے اور بند مٹھی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ آئینہ قلب کے جلاء وصیقل کا ذریعہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ :((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ))(۱)
''بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے!'' دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دُور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ''موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!''

قرآن مجید کے فلسفے اور حکمت کے حوالے سے اس سورۃ کا دوسرا اہم مقام آیت ۲۶ ہے۔ ماقبل آیات میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں فرمایا: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''تو (جنت کی ان نعمتوں کے) شائقین کو چاہیے کہ اس کی رغبت کریں''۔ تنافس کہتے ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو۔ یہاں فرمایا گیا کہ جنت کی نعمتوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دولت، شہرت، عزت، وجاہت اور اقتدار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورۃ کی آخری آیات جزا و سزا کے حوالے سے مؤمنین کے لیے بہت امید افروز اور حوصلہ افزا ہیں۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

''جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مؤمنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔ اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہی تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو آج مؤمن کافروں سے ہنسی کریں گے۔ (اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو کیا کافروں کو ان کے اعمال کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا!''

---

(۱) رواه البيهقي في شعب الايمان۔ مشكوٰة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث۔

سُورۃُ الْاِنْشِقَاق

سورۃ المطففین کی طرح اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے ایک بڑی عظیم آیت آئی ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں چند قسموں کے ذکر کے بعد آگے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

''اے انسان! تم کو دکھ سہتے ہوئے بالآخر اپنے رب کے حضور پہنچ جانا ہے۔''

فلسفہ کے اعتبار سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو بے پناہ دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت کا فلسفہ یہ ہے کہ ''سرگم دکھم'' یعنی اس دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بھولے کا مادہ رکھا ہے' جو ایک safety valve ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ یہ دکھ بھول جاتا ہے' ورنہ یہ صدمات انسان کے لیے سوہانِ روح بن جائیں۔ دوسری طرف یہ صدمات اور تکلیفیں حیوان بھی برداشت کرتے ہیں' لیکن انسان کا معاملہ حیوانات سے مختلف ہے اور انسانوں کو ان تمام مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد ایک دن اپنے رب کے سامنے محاسبہ کے لیے بھی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ اس دن کے حوالے سے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

''اُس دن جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو اُس کا حساب کتاب آسان ہوگا' اور وہ لوٹے گا اپنے گھر والوں کے پاس بہت مسرور و شادمان ہو کر!''

''حساب یسیر'' کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ربّ العالمین کے سامنے پیشی ہوگی اور بس سرسری سا حساب ہوگا۔ اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَّسِيْرًا ''اے اللہ! ہم سے آسان حساب لینا!'' آگے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝

''اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے تھمایا جائے گا' وہ تو موت کی خواہش کرے گا۔ (لیکن موت نہیں آئے گی) اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یہ اپنے اہل وعیال میں بہت مسرور رہتا تھا' اور خیال کرتا تھا کہ اُس کو کبھی (اللہ کی طرف) لوٹنا نہ ہوگا۔''

غور کیجیے کہ جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ وہاں اپنے اہل وعیال کے پاس خوش ہو کر آئے گا' جبکہ یہ شخص جس کو بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملا ہے یہ دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ عیاشیاں کر آیا ہے' اس لیے اب اس کے لیے جہنم ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلك!

سُورۃُ البُرُوْج

اگلا جوڑا سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کا ہے۔ سورۃ البروج میں بدترین تعذیب و تشدد کا ایک تاریخی واقعہ ذکر کیا گیا ہے' جس میں ایک مشرک بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ ان کا قصور بس یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ سورۃ المؤمن میں بھی ہم نے مؤمنِ آلِ فرعون کا یہ قول پڑھا تھا: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ (آیت ۲۸) ''کیا تم ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے!'' —— فرمایا:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾

''خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیے گئے۔ (یعنی) آگ (کی خندقیں) جن میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔ جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے اور ان مؤمنوں سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہ تھی کہ وہ

اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو غالب اور قابلِ ستائش ہے۔ جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔''

سُورۃُ الطَّارِق

سورۃ الطارق کی ابتدا بھی قسموں سے ہو رہی ہے۔ رات کو نمودار ہونے والے روشن تارے کی قسم کھا کر فرمایا: ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴﴾ ''کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہیں ہے!'' پھر انسان کو اس کی اپنی پیدائش پر غور کرنے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸

''پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا ہوا ہے' جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔''

آگے آسمان اور زمین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی حقانیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝۱۱ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝۱۲ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝۱۳ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝۱۴ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝۱۵ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝۱۶ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝۱۷

''آسمان کی قسم جو بارش برساتا ہے' اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی (یعنی فصل اگاتی) ہے' یقیناً یہ قرآن قولِ فیصل (حق کو باطل سے جدا کرنے والا بن کر نازل ہوا) ہے۔ اور یہ بے ہودہ بات نہیں۔ یہ لوگ اپنی چال چل رہے ہیں' اور میں بھی اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔ تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کافروں کو بس چند روز کی مہلت دیں!''

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی رسی دراز کی ہوئی ہے' لیکن اس کے بعد عنقریب یہ شکنجے میں کسے جانے والے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ!

سُورَۃُ الْاَعْلٰی

سورۃ الاعلیٰ سے لے کر سورۂ الم نشرح تک ۸ سورتیں بنتی ہیں اور ان میں سے ہر دو جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں پہلا جوڑا سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا ہے۔ ان کے بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ بالعموم جمعہ اور عیدین کی نماز میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اب ظاہر بات ہے: فِعْلُ الْحَکِیم لَا یَخْلُو عَنِ الْحِکْمَۃ ''کسی دانا کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا'' کے مصداق حضور ﷺ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس فعل کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں خطبہ ہوتا ہے جس کا مقصد تزکیہ ہے اور ان دونوں سورتوں میں بھی حضور اکرم ﷺ کو تزکیہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ ان سورتوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے—— سورۃ کی ابتدا ہی میں فرمایا گیا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪﴿۲﴾ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪﴿۳﴾

''(اے پیغمبر ﷺ!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو' جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا' اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا پھر (اس کو) راستہ بتایا۔''

آگے آیات ۹ تا ۱۱ میں تذکیر کے حوالہ سے فرمایا گیا: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۹﴾ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ﴿۱۰﴾﴾ ''سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی اُمید) ہو نصیحت کرتے رہو۔ جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا''—— یہ اس شخص کی کیفیت کا ذکر ہے جس کے دل میں بنیادی طور پر ایمان موجود ہے لیکن اس پر کچھ حجاب سا آ گیا ہے یا زنگ لگ گیا ہے' جس کی وجہ سے کچھ بداعمال ہو رہے ہیں' تو آپ ﷺ جب قرآن کے ذریعہ تذکیر فرمائیں گے تو وہ حجاب اور زنگ دور ہو جائے گا' جو غفلت طاری ہو گئی تھی وہ ہٹ جائے گی—— آگے فرمایا: ﴿وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى ﴿۱۳﴾﴾ ''اور جو آپ کی

تذکیر سے روگردانی کرے گا تو وہ شقی اور بدبخت ہے' جو (قیامت کے روز) بڑی تیز آگ میں ڈالا جائے گا۔ پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔''

سورۃ کے آخر میں فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾﴾ ''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے''۔ بعینہٖ یہی مضمون سورۃ القیامہ میں بایں الفاظ آیا تھا: ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾﴾ ''مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کیے دیتے ہو۔''

سُورۃُ الْغَاشِیَۃ

سورۃ الغاشیہ میں سورۃ القیامہ والا تیز انداز اختیار کیا گیا ہے اور اس کی آیات ایسی مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی کو الگ کر کے آپ بیان نہیں کر سکتے — سورۃ کی پہلی سات آیات میں جہنم' اہلِ جہنم اور ان کی صفات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا گیا:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾

''کیا پہنچ چکی ہے تمہارے پاس اس ڈھانپ لینے والی کی بات! جس روز کچھ چہرے (والے) ذلیل ہوں گے' سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ جو دہکتی آگ میں پھینکے جائیں گے' جہاں ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا' اور ان کے لیے کھانے کو بھی خاردار جھاڑ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ نہ تو اس سے کوئی طاقت ملے گی اور نہ ہی بھوک مٹے گی۔''

مذکورہ سات آیات میں تو اہلِ جہنم اور ان کے انجامِ بد کو بیان کیا گیا ہے' جبکہ اگلی ۹ آیات میں اس کے مقابل اہلِ جنت اور ان کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

''اور بہت سے چہرے اُس روز تر و تازہ اور اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش دل ہوں گے' بہشت بریں میں۔ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے' اور آب خورے (قرینے سے) رکھے ہوئے' اور گاؤ تکیے قطار کی قطار میں لگے ہوئے' اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں۔''

اگلی آیات میں اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوقات میں سے کچھ کی طرف اشارہ کر کے نبی اکرم ﷺ کو تذکیر و یاددہانی کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

''یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹوں کو کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے۔ اور آسمان کو کہ کیسے اوپر بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کیسے پھیلا دی گئی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ تو بس نصیحت کرتے رہیں' اس لیے کہ آپ تو نصیحت کرنے والے ہی ہیں' اور ان پر داروغہ نہیں ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ ان کے اوپر کوئی داروغہ نہیں ہیں کہ زبردستی اُن کو ہدایت پر لے آئیں۔ دراصل یہ آپؐ کی دلجوئی کی جا رہی ہے' اس لیے کہ جب آپؐ کو اپنی شب و روز کی محنت کا بظاہر کوئی نتیجہ نکلتا محسوس نہ ہوتا ہوگا تو آپؐ کی طبیعت پر بوجھ اور ملال ہوتا ہوگا' اسی لیے فرمایا گیا کہ بس آپ اپنا کام کرتے رہیں' تذکیر جاری رکھیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی انکار اور روگردانی کرے گا تو: ﴿اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾﴾ ''یقیناً ان کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' اور پھر ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''—— اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ دعائیہ الفاظ پڑھنے چاہئیں: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَّسِيْرًا ''پروردگار! ہم سے آسان حساب لینا!''

سُورۃُ الْفَجْر

سورۃ الفجر اور سورۃ البلد ایک جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ الفجر کے آغاز میں کئی قسمیں ہیں۔ فرمایا:

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾

''فجر کی قسم' اور دس راتوں کی' اور جفت اور طاق کی' اور رات کی جب جانے لگے۔ بے شک یہ چیزیں عقل مندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں۔''

اقسام القرآن کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ یہ ایک مشکل معاملہ ہے' لیکن بہر حال یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور حکمت قرآنی کا بہت اہم حصہ ہے — ان قسموں کے بعد کچھ سابقہ اقوام (قومِ عاد' قومِ ثمود اور فرعون) کی سرکشی اور ان کے انجام کا مختصراً ذکر ہے کہ کس طرح ان پر عذاب نازل ہوا۔

آیت ۱۵' ۱۶ میں سورۃ الفجر کا اہم ترین مضمون بیان ہوا ہے جو حکمتِ قرآنی کے اعتبار سے معرفت کا ایک موتی ہے۔ شکوہ کے انداز میں کہا گیا ہے:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾

''بہر حال انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے' پھر اس کو عزت دیتا ہے اور نعمتیں بخشتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور (دوسری طرف) جب آزما کر (فراوانی کی بجائے) ناپ تول کر دیتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا۔''

اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر دونوں باتیں غلط نہیں ہیں' اس لیے کہ وہ کشادگی اور تنگی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے' کسی دیوی دیوتا کی طرف منسوب کر کے شرک کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے جسے قرآن نے ''ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا'' یعنی کھلی گمراہی قرار دیا ہے' تو پھر شکوہ کیسا؟ اس میں اصل نکتہ یہ ہے کہ انسان دراصل اس دنیا کی عزت کو عزت

اور ذلت کو ذلت سمجھ رہا ہے جبکہ یہ دونوں حالتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں اور دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ کبھی اللہ زیادہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی کم دے کر —— اس آیت میں حکمت کی اگلی بات یہ ہے کہ تنگی اور فقر میں تو اللہ یاد رہتا ہے لیکن کشادگی اور آسائش میں اللہ کا خیال عموماً محو ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ زیادہ بڑا اور کڑا امتحان ہے۔

اس سورۃ کی آخری چار آیات بڑی عظیم آیات ہیں جنہیں ہر شخص کو حفظ کر لینا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل فرما لے جن کے استقبال کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ملے گا:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾

''اے اطمینان پانے والی روح! ☆ اب تو لوٹ آ اپنے رب کی طرف۔ اس

☆ قرآن مجید نے نفس کی تین کیفیات کو بیان کیا ہے: (۱) اگر انسان کے قلب کا رُخ یکسو ہو کر روح کی طرف ہو جائے تو قلب ایک آئینہ کی مانند ہو جائے گا' بایں معنی کہ روح کی ساری تجلیات اور انوارات —— روح کا تعلق چونکہ امرِ ربی سے ہے اس لیے وہ ربانی تجلیات —— انسان کے پورے وجود میں سرایت کر جائیں گی اور پورا وجود منور ہو جائے گا۔ اس کیفیت کا نام ''نفسِ مُطْمَئِنَّہ'' ہے جس کے بارے میں سورۃ الفجر میں فرمایا گیا: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾﴾ ''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔'' (۲) دوسری کیفیت یہ ہے کہ قلب کا رُخ مکمل طور پر نفسِ امارہ کی طرف ہو جائے تو نفسِ امارہ کی ساری تاریکیاں انسان کے وجود میں منعکس ہو جائیں گی اور سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ (یوسف:۵۳) ''بے شک نفس انسان کو برائی پر ہی اُکساتا رہتا ہے۔'' (۳) اس کے علاوہ ایک کیفیت یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا قلب ڈانواں ڈول رہتا ہے' یعنی اگر کوئی اچھا کام کیا تو اندر سے شاباش ملتی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ہے اور اگر کوئی برا کام کیا تو روح ملامت کرتی ہے۔ اس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں اور اس کیفیت کو سورۃ التوبہ میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے: ﴿خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا﴾ (آیت ۱۰۲) ''(کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں) جو خلط ملط کر لیتے ہیں اچھے کاموں کے ساتھ دوسرے برے کام بھی۔''
(ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب سے ماخوذ)

حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا!''

اللہ کے ممتاز بندوں کی تفصیل سورۃ النساء میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾﴾ ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا (یعنی) انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے'' — اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

سُورۃُ البَلَد

سورۃ الفجر کی طرح سورۃ البلد کی ابتدا بھی مختلف قسموں سے ہو رہی ہے — اقسام القرآن کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مشکلات القرآن میں سے ہیں اور حکمتِ قرآنی کا ایک اہم موضوع ہیں — ارشاد ہوا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿٤﴾

''قسم ہے اس شہر (مکہ) کی' اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو اس شہر میں (ایذا رسانی کے لیے) حلال کر لیا گیا ہے۔ اور باپ (یعنی آدم علیہ السلام) اور اس کی اولاد کی قسم کہ ہم نے انسان کو مشقت (کی حالت) میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے۔''

دنیا کے رنج و غم اور شدائد و مسائل ہر انسان کا مقدر ہیں' کوئی اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ کسی کو ذہنی کوفت زیادہ ہے تو کسی کے لیے جسمانی مشقت۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی آسائش میں ہے' ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں مخملیں گدّوں پر براجمان ہے' لیکن چین اس کو بھی نصیب نہیں ہے' نیند اسے بھی نہیں آ رہی' وہ بھی پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ الغرض انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔

سورۃ الفجر میں بھی انسانوں سے ایک شکوہ کیا گیا تھا اور اس سورۃ میں بھی ایک، بات

شکوے کے سے انداز میں کہی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے کہ ہم نے اس پر اتنے بڑے احسان کیے ——﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝١٠﴾ ''کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں' ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے نہیں دکھا دیے؟'' —— مگر اس کی بدقسمتی کا عالم یہ ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝١٤ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝١٥ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝١٦ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝١٧ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝١٨

''پس یہ گھاٹی کو عبور نہ کر سکا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی غلام کی گردن آزاد کرا دینا یا کسی قحط کے دن کھانا کھلا دینا' اُس یتیم کو جو قرابت دار اور رشتہ دار بھی ہے' یا اُس مسکین کو جو خاک نشین ہے۔ (معلوم ہوا کہ مال کی محبت آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے اور گاڑی کو بریک لگا دیتی ہے۔) اور پھر شامل ہوان لوگوں میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے پر صبر اور رحم کرنے کی وصیت کی (یہ الفاظ سورۃ العصر کے مشابہ ہیں)۔ یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔''

سُورۃُ الشَّمْس

سورۃ الشمس سے سورۂ اَلَم نَشرح تک' ان چار سورتوں کو میں ''چہار سورۂ نور و ظلمت'' کا نام دیتا ہوں' اس لیے کہ ان سورتوں کے آغاز میں رات اور دن یعنی تاریکی اور روشنی کی قسمیں کھائی گئی ہیں —— سورۃ الشمس میں فرمایا: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝٤﴾ ''سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی' اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے' اور دن کی جب اسے چمکا دے' اور رات کی جب اسے چھپا لے''۔ سورۃ اللیل میں فرمایا: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ

اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ ''رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم جب چمک اُٹھے''۔
سورۃ الضحیٰ میں فرمایا: ﴿وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ ''آفتاب کی روشنی کی قسم اور رات (کی تاریکی) کی جب چھا جائے''۔۔۔سورۃ الم نشرح میں اگرچہ یہ قسمیں موجود نہیں ہیں مگر وہ سورۃ الضحیٰ کا تسلسل ہے اس لیے میں اس کو بھی ان میں شامل کرتا ہوں۔

ان قسموں کے بعد جو مقسم علیہ ہے یعنی جس پر قسم کھائی جا رہی ہے اس میں ایک بڑا تدریجی ارتقاء ہے۔ پہلی سورت یعنی سورۃ الشمس میں ان قسموں کے بعد یہ مضمون آیا ہے: ﴿وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ ''اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کی سمجھ عطا کی۔ تو کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا، اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو خاک میں ملا دیا''۔
یعنی جس کا روحانی عنصر اس کے زمینی عنصر کے تحت دب گیا تو وہ ناکام و نامراد ہوا۔

سُورۃُ الَّیۡل

سورۃ الیل میں تزکیہ کا مضمون تفصیل سے آ رہا ہے کہ تزکیہ، نیکی اور فلاح کا راستہ کون سا ہے اور دوسری طرف ناکامی اور ہلاکت کا راستہ کون سا ہے؟ اس سورۃ میں بتایا گیا کہ تین اوصاف ایسے ہیں جو کامیابی اور فلاح کی طرف لے جانے والے ہیں، ان میں پہلا عطا و سخاوت، دوسرا تقویٰ اور تیسرا حق بات کی تصدیق ہے۔ یہ تینوں اوصاف منزل کو آسان بنانے والے اور انسان کو جنت تک پہنچانے والے ہیں۔ اس کے برعکس تین اوصاف ایسے ہیں جو انسان کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والے ہیں، وہ ہیں: بخل، سرکشی اور سچائی کو جھٹلانا۔ اس حوالے سے متعلقہ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَكُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰی ۙ﴿۱۰﴾

''رات کی قسم جب (دن کو) چھپالے' اور دن کی قسم جب چمک اٹھے' اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا' درحقیقت تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی' اور نیک بات کو سچ جانا' اس کو ہم رفتہ رفتہ آسان منزل (جنت) تک پہنچادیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا' اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا' تو اس کو ہم رفتہ رفتہ مشکل منزل (جہنم) تک پہنچادیں گے۔''

سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۚ

''اور جہنم سے بچالیا جائے گا جو بہت متقی ہے' جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ کے حصول کے لیے' اور اس لیے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اتار رہا ہے' بلکہ اپنے بلند مرتبہ مالک کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہوجائے گا۔''

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں' اس لیے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ شان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نمایاں ہے۔ امام رازی نے تو اس سورۃ کو حضرت ابوبکرؓ کی سورۃ قرار دیا ہے اور اگلی سورت ''الضحیٰ'' کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سورۃ قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الضحیٰ میں یہ مضمون اُس انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک فائز ہے۔

ان آیات میں بیان ہوا ہے کہ یہ شخص بغیر کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے' صرف اللہ کی رضاجوئی کے لیے مال خرچ کرتا ہے — یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان نہیں تھا' مگر آپؓ نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے ان کو صرف اپنے پروردگار کی رضاجوئی کی خاطر آزاد کرایا تھا۔

سُورۃُ الضُّحٰی

اگلی دو سورتوں یعنی سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح سے عام طور پر مسلمانوں کو ایک خاص قلبی لگاؤ ہے' اس لیے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر محمد ﷺ سے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں بھی ہماری رہنمائی کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرآن مجید میں ثبت کر دی گئی ہیں۔ سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں' آپ کا رب آپ کا ساتھ چھوڑنے والا نہیں ہے۔ فرمایا:

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ﴿۵﴾

''گواہ ہے دن جب وہ روشن ہو جائے' اور رات جب وہ تاریک ہو جائے' کہ آپؐ کے رب نے نہ آپؐ سے تعلق منقطع کیا ہے اور نہ ہی آپؐ سے ناراض ہے۔ اور ہر آنے والی ساعت آپؐ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے (یعنی آپؐ کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں)۔ اور آپ کا رب آپؐ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔''

یہاں یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ سورۃ الیل کی آخری آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ''وَلَسَوْفَ يَرْضٰى'' یعنی غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ نبی نہیں ہیں اور ان سے براہِ راست خطاب نہیں ہے' جبکہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ آپ سے براہِ راست مخاطب ہے' اس لیے آپ کے لیے زیرِ مطالعہ سورۃ میں ''فَتَرْضٰى'' یعنی حاضر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

اگلی آیات میں ربّ العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین ﷺ پر ہونے والے انعامات کو اشارتاً بیان کر کے سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کو ان انعامات کے بیان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۪﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۪﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا

فَاَغْنٰی ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

''کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر آپؐ کی پوری پرورش کا بندوبست کیا؟ اور آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو آپ کو سیدھا راستہ دکھایا (یعنی پردے ہٹا کر آپؐ کو حقائق کا مشاہدہ کرا دیا)۔ اور آپؐ کو تنگدست پایا تو (دُنیوی اعتبار سے آپؐ کے لیے) غنی کا سامان کر دیا۔ تو اب آپ بھی کبھی یتیم پر جبر نہ کیجیے گا' اور نہ کسی مانگنے والے کو جھڑکیے گا۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کا اعلان کرتے رہیے گا۔''

سُورۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ

سورۃ الضحیٰ میں شروع ہونے والا مضمون تسلسل کے ساتھ زیرِ مطالعہ سورۃ میں بھی اس طرح جاری ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا یہ ایک ہی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپؐ بغیر بسم اللہ پڑھے دونوں سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

سورۃ کے شروع میں وہی انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ جاری ہے۔ فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾﴾ ''(اے محمد ﷺ!) کیا ہم نے آپ کے سینہ کو آپ کے لیے کھول نہیں دیا؟ اور آپ کی کمر سے وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر کو دوہرا کیے جا رہا تھا۔''

یہ گویا بڑی نجی سطح پر راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ ان کیفیات پر صوفیاء نے بحث کی ہے۔ صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں: (۱) قبض اور (۲) بسط۔ طبیعت میں اگر کہیں قبض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ان دونوں سورتوں میں بسط کی طرف لانے کی تاثیر ہے۔

سورۃ الضحیٰ کے آخر میں حضور اکرم ﷺ کو انعاماتِ الٰہیہ کے بیان کا حکم دیا گیا تھا جبکہ اس سورۃ کے آخر میں آپؐ کو عبادت کرنے اور پروردگار کی طرف متوجہ ہونے کا حکم

دیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸﴾ ''پس جب بھی آپ (دعوت وفرائض نبوت کی ادائیگی سے) فارغ ہوں تو فوراً اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جائیں (کمر کس لیں) اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔''

سُورۃُ التِّین

سورۃ التین سے سورۃ الناس تک بیس سورتیں ہیں' جن میں سے اکثر بہت چھوٹی ہیں۔ ان کے بارے میں مختصراً ہی کچھ ذکر کیا جائے گا۔ البتہ تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سورتوں کو حفظ کریں اور ان کے ترجمہ کو بھی یاد کریں۔ سورۃ التین کے آغاز میں فرمایا:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴

''انجیر اور زیتون کی قسم' اور طور سینین کی قسم' اور اس امن والے شہر کی قسم' کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''

جس بات پر قسمیں کھائی گئی ہیں — ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴﴾ — وہ عام طور پر ہمارے جمعہ کے خطبوں کا موضوع ہے۔ اس میں اشارہ ہے روحِ انسانی کی جانب جو امر ربی ہونے کے اعتبار سے بلند ترین درجے پر ہے — آگے فرمایا: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝۵﴾ ''پھر اس کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا''۔ اس آیت میں انسان کے حیوانی وجود کی طرف اشارہ ہے جو نچلوں میں سب سے نچلا درجہ ہے' جس کو اپنا اصل مقام حاصل کرنے کے لیے محنت ومشقت اور مجاہدہ کرنا ہوگا' اپنے حیوانی نفس کے خلاف تزکیہ کرنا ہوگا' پھر جا کر ''احسن تقویم'' والا درجہ دوبارہ حاصل ہوگا۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

سُورۃُ العَلَق

سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ ''تقریباً'' کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات کو پہلی وحی بتایا گیا ہے —— اس بارے میں نوٹ کر لیں کہ پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ (تین سال) تک وحی کا سلسلہ رک گیا تھا جسے ''فترۃ الوحی'' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ تمام مفسّرین اور محقّقین کا اس پر اجماع ہے کہ سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات فترۃ الوحی کے بعد نازل ہونے والی پہلی وحی ہے' جبکہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات علی الاطلاق پہلی وحی ہے۔ آغاز میں فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ

''(اے محمد ﷺ!) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے (تمام عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو پیدا کیا اُس جونک کی طرح کی چیز سے جو رحم مادر میں چمٹ گئی تھی۔ پڑھو! اور تمہارا رب بہت کریم ہے' جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے' اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان آیات میں صرف ایک حکم ''اِقْرَاْ'' ہے' جبکہ سورۃ المدثر میں تبلیغ کا حکم آیا ہے —— فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪﴿۳﴾﴾ ''اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو'' —— چنانچہ اس ضمن میں بعض محقّقین نے یہ رائے قائم کی ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے کہ سورۃ العلق سے حضور ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا ہے جبکہ سورۃ المدثر سے آپ ﷺ کی رسالت کا آغاز ہوا ہے۔

سورۂ مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد کی آیات حکمت قرآنی کا بڑا خزانہ ہیں'

جن میں فرمایا گیا: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧﴾ ''ہرگز نہیں! انسان سرکش ہو جاتا ہے جبکہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے''۔ انسان جب اپنے آپ کو آزاد دیکھتا ہے بایں طور کہ جو بداعمالیاں یہ کرتا ہے اس کا کوئی نتیجہ اس کے سامنے نہیں آتا تو اس کے اندر اپنی حدود سے تجاوز کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ: ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے''—— ایک روز اس کو ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے اور اس کی برائیوں اور گمراہیوں کے جو نتائج اس دنیا میں اس کے سامنے نہیں آ رہے وہ وہاں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس یقین کے ساتھ یہ سیدھا ہو جائے گا' اور اگر اس پر یقین نہیں کرتا تو پھر اس کو درست کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

آگے ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ ابوجہل نے دو مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر دست درازی کی کوشش کی تھی اور نماز سے روکا تھا۔ آیت ۹ تا ۱۶ میں اس واقعہ کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے اور اگلی دو آیات میں تو بڑے عجیب' پُررُعب اور چیلنج کے سے انداز میں کہا جا رہا ہے: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨﴾ ''تو وہ بلا لے اپنے ساتھیوں کو' ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔''

آخری آیت ''آیت سجدہ'' ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے: ﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ ان کی باتوں سے کوئی اثر قبول نہ فرمائیں۔ اپنے ربّ کے لیے سجدہ کریں اور اس سے قریب تر ہو جائیں''۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) (رواہ مسلم) ''بندہ اپنے رب سے قریب ترین سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے'' — اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ انانیت اور تکبّر نفس کی کُلی نفی کرتا ہے جبکہ یہی تکبّر نفس ہی بندے اور رب کے مابین سب سے بڑا حجاب ہے۔

سُورۃُ القَدْر

سورۃ القدر میں ''لیلۃ القدر'' کا ذکر آیا ہے' جو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے' اور یہ ایک ہزار مہینوں (تقریباً ۸۳ سال) سے افضل ہے۔ فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے' اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کو جاگ کر بسر کرو اور اس کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نہ صرف آپ ﷺ اپنی کمر کس لیتے بلکہ گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا یہ معمول نہ تھا کہ گھر والوں کو تہجد کے لیے بیدار کیا جائے۔ اس لیے کہ رات کی نماز نفل ہے وہ کوئی خود اپنی مرضی سے پڑھنا چاہے' لیکن رمضان کا آخری عشرہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس عشرہ کی طاق راتوں میں جاگ کر لیلۃ القدر کو تلاش کرنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔ اس رات میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہر اُس شخص کے لیے خصوصی رحمت لے کر آتے ہیں جو اس رات میں اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہو۔ تسبیح و تحمید' توبہ و استغفار اور عبادت میں مصروف ہو۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر کی ساعت نصیب ہو جائے تو میں اپنے رب سے کیا دعا کروں؟ تو آپؐ نے یہ دعا تلقین فرمائی: ((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (رواہ الترمذی) ''پروردگار! تو بہت معاف فرمانے والا' کرم کرنے والا ہے' اور معاف کرنا تجھے بہت پسند ہے' لہٰذا مجھے بھی معاف فرما دے!''

سُورَةُ الْبَيِّنَة

سورۃ البیّنہ کا ابتدائی مضمون بہت اہم ہے۔ مشرکینِ عرب اور اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف شہروں میں آباد تھے، حضور اکرم ﷺ کے اوّلین مخاطب تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

''کافر اہلِ کتاب اور مشرکین (گمراہی کے جس راستے پر چل رہے تھے اس سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ (روشن دلیل) نہ آجاتی۔ (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں بالکل درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں۔''

اس لحاظ سے نبی اکرم ﷺ اور قرآن حکیم مل کر ''بیّنہ'' بن جاتے ہیں۔

اس سورۃ کی آیت ۵ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے بایں طور کہ اس میں دین کا لُبِّ لُباب بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ﴿۵﴾

''ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہی کہ اللہ کی بندگی کریں اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی دینِ قیم (صحیح، درست اور مضبوط دین) ہے۔''

اس آیت میں ''بندگی'' کے مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ بندگی یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی ایسی اطاعت کرے جس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو اور پھر اس اطاعت کے اظہار کے لیے اسلام کے جملہ ارکان پر بھی عمل پیرا ہوا جائے ـــــ اس آیت میں اسلام کے بنیادی ارکان میں سے دو اہم ارکان نماز اور زکوٰۃ

کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی آخری آیت میں اہلِ جنت کا ذکر بڑے خوبصورت پیرائے میں کیا گیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ﴾ ''یعنی'' اہلِ ایمان جنت میں اس حال میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے کہ وہ اپنے پروردگار سے راضی اور پروردگار ان سے راضی۔ (سبحان اللہ!) —— اسی سے ملتے جلتے الفاظ سورۃ الفجر کے آخر میں بھی آئے ہیں' جہاں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾﴾ ''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل (اس حال میں کہ) تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔''

سُورَةُ الزِّلْزَال

سورۃ الزلزال سے سورۃ التکاثر تک چار سورتوں کا ایک گروپ ہے جس میں قیامت کا تذکرہ بہت زوردار اور جھنجھوڑنے والے انداز میں کیا گیا ہے —— یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن حکیم کی آخری ۱۶ سورتوں میں سے ہر ایک سورت کا مضمون ایسی مربوط شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ کسی ایک آیت کو الگ کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہاں ان سورتوں کا مکمل ترجمہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ بات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

سورۃ الزلزال میں زمین کی تباہی کو موضوع بنایا گیا اور بیان کیا گیا کہ روزِ قیامت زمین اپنی تمام خبروں کو بیان کر دے گی اور انسان اپنے تمام اعمال بچشمِ سر خود دیکھ لے گا۔ ارشاد ہوا:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

''جب یہ زمین بڑی شدت سے جھنجھوڑ دی جائے گی' اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی (یعنی وہ تمام انسان جو اُس کے پیٹ میں ہوں گے' انہیں باہر اُگل دے گی) اور انسان حیران و ششدر ہو کر کہے گا: اسے کیا ہوا؟ اس روز یہ زمین خود اپنی خبریں بتائے گی (کہ میری پیٹھ پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے کیا کیا کرتوت کیے ہیں) کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا ہوگا۔ اُس دن لوگ الگ الگ گروہ بن کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جس کسی نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا' اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''☆

سُورَۃُ العٰدِیٰت

یہ اس گروپ کی دوسری سورۃ ہے۔ اس کا آغاز چند قسموں سے ہو رہا ہے — میں عرض کر چکا ہوں کہ اس انداز کی پانچ سورتیں ہیں: الصّافّات' الذّاریات' المُرسلات' النّازعات اور العادیات۔ ان سب کا آغاز مختلف قسموں سے ہو رہا ہے اور اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ پانچوں سورتیں مماثل ہیں۔

سورۃ العادیات میں گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے — گھوڑوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑے اپنے مالک کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور مالک کے حکم کی تعمیل میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے۔ چنانچہ گھوڑوں کے پاؤں اگرچہ زخمی بھی ہوں تب بھی وہ اپنے

☆ سورۃ الزلزال کی آخری دو آیات کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨ ﴾ نازل ہوئیں تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنا عمل دیکھنے والا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے عرض کیا: یہ بڑے بڑے گناہ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے موٹے گناہ؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں' یہ بھی''۔ اس پر میں نے کہا: پھر تو میں مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ اے ابوسعید! ہر نیکی اپنے جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔'' (اضافہ از مرتب' بحوالہ تفہیم القرآن)

مالک کے حکم پر اس قدر تیزی سے دوڑ رہے ہوتے ہیں کہ دشمنوں کی صفوں کو چیرتے چلے جاتے ہیں اور پیٹھ نہیں پھیرتے —— اس سورۃ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ حیوانات کتنے سمجھ دار اور اپنے مالک کے وفادار ہیں' لیکن انسانوں میں تو حیوانوں جیسی وفا بھی نہیں ہے' بایں طور کہ انسان تو اللہ کے احکام سے سرتابی کرتا ہے جو اس کا خالق' مالک اور رازق ہے۔ اس ضمن میں فرمایا:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۚ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۚ

''ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم —— جو ہانپ اٹھتے ہیں☆۔ پھر پتھروں پر (نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ گرد اٹھاتے ہیں۔ پھر اس وقت (دشمن کی) فوج میں جا گھستے ہیں —— کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے۔ اور وہ یقیناً اس بات پر خود گواہ ہے۔ اور وہ یقیناً مال سے شدید محبت کرنے والا ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب کہ جو (مردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لیے جائیں گے۔ اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کر دیے جائیں گے۔ بے شک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہوگا۔''

سُورَةُ الْقَارِعَة

سورۃ القارعہ کا انداز بعینہٖ سورۃ الحاقّہ والا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا: ﴿اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣﴾ جبکہ یہاں فرمایا گیا: ﴿اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣﴾ یعنی اس سورہ میں قیامت کو کھڑکھڑانے والی

☆ ضَبْح کہتے ہیں اس خاص آواز کو جو دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی شدتِ تنفّس (یعنی زور سے سانس لینے کی وجہ) سے نکلتی ہے۔ یہ آواز گھوڑوں کے سوا کسی اور کے جانور کے منہ سے نہیں نکلتی۔ (مرتب)

سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مختصر سی سورت میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس کے قائم ہونے سے لے کر عذاب وثواب کے آخری مرحلے تک پورے عالمِ آخرت کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا:

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ۢ﴿۱۱﴾

''کھڑکھڑانے والی! کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟ اور تمہیں کیا پتا کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ (وہ قیامت ہے) جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے' اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ تو جس (کی نیکی) کا پلڑا بھاری ہوگا وہ (ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں) دل پسند عیش میں رہے گا' اور جس (کی نیکی) کا پلڑا ہلکا ہوگا' اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھو کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ آگ ہے دہکتی ہوئی!''

سُورۃُ التَّکاثُر

سورۃ الزلزال سے شروع ہونے والے چار سورتوں کے گروپ کی یہ آخری سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں لوگوں کے مال و دولت اور جاہ واقتدار میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے' ان پر فخر کرنے اور دنیا پرستی میں غرق ہو جانے کے بُرے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

''(لوگو! مال کی) بہتات کی طلب تمہیں غافل کیے رہتی ہے' یہاں تک کہ تم

قبروں تک جا پہنچتے ہو۔ ہرگز نہیں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں، اگر تم یقینی علم کے ساتھ جانتے (تو غفلت میں نہ پڑتے)۔ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ پھر اس کو ضرور دیکھو گے یقین کی آنکھ سے۔ پھر ضرور اس روز تم سے (تمہیں دی ہوئی) نعمتوں کا حساب مانگا جائے گا۔''

سُورۃُ الْعَصْر

سورۃ العصر کی اہمیت کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ''اگر لوگ صرف اس سورت پر ہی تدبر کر لیں تو یہ (ان کی ہدایت و رہنمائی) کے لیے کافی ہو جائے گی''۔ امام شافعی کا دوسرا قول ہے: لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ ''اگر قرآن مجید میں سوائے اس سورۃ کے اور کچھ بھی اُترتا تو یہ سورۃ ہی لوگوں کے لیے کفایت کر جاتی'' —— اس اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس مختصر سی سورۃ میں پورے قرآن مجید کا خلاصہ موجود ہے۔

سورۃ العصر اگرچہ قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے مگر اس میں معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے جس کو بیان کرنے کا حق ایک پوری کتاب میں بھی مشکل سے ادا کیا جا سکتا ہے —— ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' جو میں نے ترتیب دیا ہے اس کا نقطہ آغاز ''لوازمِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں'' کے عنوان سے اس سورۃ کو بنایا ہے —— اس سورۃ مبارکہ میں خسارے سے بچنے کی چار لازمی شرائط بیان کی گئی ہیں۔

ارشاد ہوا:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

''زمانہ کی قسم، یقیناً تمام انسان گھاٹے اور خسارہ میں ہیں، سوائے ان کے جو: (۱) ایمان لائے، (۲) نیک عمل کیے، (۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی، اور (۴) باہم ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی۔''

اس سورہ میں بالکل دوٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا راستہ کون سا ہے اور تباہی و بربادی کا راستہ کون سا ہے۔

سُورۃُ الھُمَزَۃ

سورۃ الھمزہ میں انسان کی سیرت و کردار کی پستی بیان ہوئی ہے۔ جیسے مکھی گندگی پر ہی بیٹھتی ہے ایسے ہی کچھ لوگ بڑے تنگ ظرف ہوتے ہیں اور ان کا کام صرف چغلیاں کھانا اور لوگوں کو طعنے دینا ہوتا ہے۔ ایسے انسان لوگوں کے دل دکھا کر بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے لوگ مال جمع کرتے ہیں' اس کو گنتے رہتے ہیں اور اس میں اضافہ سے ان کو خوشی اور سکون ملتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبر زیر مطالعہ سورت میں بڑی خوبصورتی سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝٢ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝٣ كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝٦ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْـِٔدَةِ ۝٧ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو دوام عطا کر دے گا۔ ہرگز نہیں' بلکہ وہ 'حُطمہ' میں جھونک دیا جائے گا۔ اور جانتے ہو کہ وہ 'حُطمہ' کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے' جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اس حال میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے' جیسے تندور کو اگر ڈھانپ دیا جائے تو اس کی آگ اندر ہی اندر جوش کھاتی رہتی ہے)۔''

سُورۃُ الفِیل

سورۃ الفیل اور سورۃ القریش ایک جوڑا ہے اور ان کا آپس میں خاص تعلق ہے۔

سورۃ الفیل میں ایک تاریخی واقعہ ''واقعہ اصحاب الفیل''☆ کا ذکر ہے۔ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے ابرہہ کی جو فوج آئی تھی اور پھر اس کا جو حشر ہوا' اسے جامع الفاظ میں اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو ناکام نہیں بنا کر رکھ دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جُھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے' جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پھر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا کر رکھ دیا۔''

اس سورۃ کی آیت ۴ میں ''سِجِّیل'' کا لفظ ہے جو فارسی کے لفظ ''سنگِ گِل'' سے بنا ہے اور اس سے مراد وہ مٹی ہے جو پک کر پختہ ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ سخت قسم کے سنگ ریزوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

سُورۃُ القُرَیش

سورۃ القریش میں قریش پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے خاص احسان کو بیان کیا گیا ہے جو صرف بیت اللہ کی بدولت ان پر ہوا۔ وہ احسان یہ تھا کہ یہ لوگ بلاخوف وخطر بغرضِ تجارت گرمیوں میں شام و فلسطین کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے۔ یہ لوگ بیت اللہ کے متولی تھے اور بیت اللہ کی عظمت کی وجہ سے عرب کے

☆ یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور تفہیم القرآن میں اس کی تفصیل اور اس کے پس منظر کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کی ایک خاص بات تو ابرہہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کا مکالمہ ہے' جبکہ دوسری خاص بات جناب عبدالمطلب کی وہ خاص دعا ہے جو انہوں نے اس موقع پر کعبہ کے دروازہ کے کنڈے کو پکڑ کر اشعار کی صورت میں مانگی تھی۔ یہ دونوں باتیں نہ صرف پڑھنے' بلکہ یقینی طور پر سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

تمام قبائل ان کا احترام کرتے تھے اور ان کے قافلوں کو چھیڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ دوسرا احسان یہ تھا کہ اس علاقے کو تجارتی قافلوں کی شاہراہ کا درجہ مل گیا تھا جو جزیرہ نمائے عرب سے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی تھی' اس طرح یہ لوگ باقی عرب سے خوشحال تھے۔ اس سورۃ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس احسان کو یاد کرا رہا ہے کہ اس عظمت والے گھر کی بدولت میں نے تم پر اتنے احسان کیے مگر تم نے احسان فراموشی کرتے ہوئے توحید کے اس عظیم مرکز کو شرک کا اڈا بنا دیا۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اسے شرک سے پاک کر کے دوبارہ توحید کا مرکز بنا دو اور صرف اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔ فرمایا:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۬ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۧ﴿۴﴾

''قریش کے مانوس کرنے کے سبب' (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی بندگی کریں' جس نے ان کو بھوک سے سیری عطا فرمائی (اس کے باوجود کہ جس وادی کے یہ رہنے والے ہیں اس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی) اور ان کو خوف سے امن دیا (کہ بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے کوئی ان کے تجارتی قافلوں کو نہیں چھیڑتا)۔''

سُورۃُ المَاعُون

اس سورہ کا مضمون سورۃ المطففین کے ابتدائی مضمون کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں ان کے عمل کی وجہ سے ان کے ایمان کی نفی کی گئی تھی کہ جو لوگ کم تولتے ہیں انہیں آخرت کا یقین نہیں ہے' جبکہ یہاں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ان کا کردار مختلف اعتبارات سے پست سے پست تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ؕ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۙ﴿۲﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ؕ﴿۳﴾

''بھلا تم نے ایسے شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کا منکر ہے؟ یہ وہی (بدبخت) ہے جو

یتیم کو دھکے دیتا ہے' اور مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف لوگوں کو راغب نہیں کرتا۔''
یعنی نہ تو خود ہی یہ کام کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔

سورۃ کے درمیان میں نماز کے حوالے سے خصوصی طور پر توجہ دلائی گئی۔ فرمایا:
﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦﴾
''پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے' جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں' اور ریاکاری کرتے ہیں ——— اس غفلت کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھ ہی نہیں رہے۔ دوسرے یہ کہ پڑھ تو رہے ہیں مگر اس کی روح موجود نہیں ہے' بس رسماً اُٹھک بیٹھک ہو رہی ہے' مگر اس میں خشوع وخضوع نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ بھی غفلت کا ایک درجہ ہے' جبکہ غفلت کا ایک درجہ ریاکاری ہے جس کا ذکر آیت ۶ میں تخصیص کے ساتھ کر دیا گیا ہے' اس لیے کہ ریاکاری سے کی گئی کوئی بھی عبادت اور نیکی قابلِ قبول نہیں۔

آخری آیت میں پھر سے قیامت کے منکرین کی پستی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کے کردار کی پستی اور کم ظرفی کا عالم یہ ہے کہ: ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧﴾ ''اور (ایسے لوگ) عام برتنے کی چیز بھی کسی کو وقتی استعمال کے لیے دینے کو بھی تیار نہیں۔''

سُورۃُ الکوثَر

سورۃ الکوثر میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص مقام بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣

''(اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا ہے' پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے' اور جان لیجیے کہ آپ کا دشمن ہی ہے جس کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔''

اس سورۃ کے حوالے سے دو باتیں جان لیجیے: (۱) ''کوثر'' (خیر کثیر) سے دنیا

اور آخرت کی بے شمار بھلائیاں مراد ہیں۔ اس ضمن میں بہت سے اقوال ہیں جن کو مختلف مفسرین کرام نے تفصیل سے اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ ان میں روزِ حشر کا حوضِ کوثر اور جنت کی نہر کوثر بھی شامل ہیں۔ (۲) ''ابتر'' عرب میں اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کی نسل ختم ہو جائے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی اولادِ نرینہ نہ تھی بلکہ صرف بیٹیاں ہی تھیں، جبکہ نسل بیٹوں سے چلتی ہے، تو قریش کے کچھ سرداروں نے حضور ﷺ کو ''ابتر'' ہونے کا طعنہ دیا تھا کہ بس کچھ دن تک آپ کا نام ہوگا اور پھر آپ کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔ اس طعنہ کے جواب میں حضور ﷺ کو تسلی دینے کے انداز میں کہا گیا کہ کچھ عرصہ میں آپؐ کے تمام دشمنوں کے تو نام ونشان تک مٹ جائیں گے — دراصل یہ ایک پیشین گوئی تھی جو عہدِ نبویؐ ہی میں پوری ہوئی اور بدر کے مقام پر قریش کے بڑے بڑے ستر (۷۰) سردار مارے گئے — جبکہ آپ ﷺ کا ذکر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے مصداق تا قیامِ قیامت قائم رہے گا، بلکہ اللہ عزوجل نے آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ بایں طور منسلک کر لیا ہے کہ جہاں کہیں اللہ کا نام لیا جائے گا وہاں حضرت محمد ﷺ کا نام بھی آئے گا۔ سبحان اللہ!

سُورۃُ الکَافِرُون

اس سورۃ میں کفار سے اعلانِ براءت کیا گیا ہے اور یہ اعلانِ براءت بتا رہا ہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ''اے کافرو'' کہہ کر خطاب ہوا ہے اور یہ داعیانہ انداز نہیں ہے۔ اس اندازِ خطاب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس آخری دور کی بات ہے جب اتمامِ حجت ہو چکا، لیکن کافر پھر بھی اپنے کفر پر اڑے رہے تو ان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

''(اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ہرگز ان (بتوں) کو پوجنے والا نہیں ہوں جن کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم پوجنے والے ہو اس (اللہ) کو جس کی پرستش میں کر رہا ہوں۔ اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی میں پرستش کرتا ہوں (اس لیے اب میرے اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہے' لہٰذا) میرے لیے میرا دین ہے اور تمہارے لیے تمہارا دین۔''

بعض لوگ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کو نرم انداز (جس کو آج کل ''مفاہمتی انداز'' کہا جاتا ہے) سمجھتے ہیں' جیسے کہا جائے کہ اچھا جی چلو تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین' یعنی ایک صلح کن انداز۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے' بلکہ یہ انقطاع کا اعلان ہے کہ اب میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا۔

سُورَةُ النَّصْر

سورۃ النصر کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے' جبکہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ مکی ہے۔ دراصل یہ سورۃ بلحاظِ نزولِ مقام مکی ہے اور بلحاظِ زمانہ مدنی ہے' یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس کا نزول حجۃ الوداع میں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری (مکمل) سورۃ ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ ارشاد ہوا:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

''جب آ پہنچی اللہ کی مدد اور فتح (حاصل ہو گئی) اور آپ نے لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیا (یعنی آپ کے مشن کی تکمیل ہو گئی)۔ پس آپ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت مانگیں۔ بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اس سورۃ میں رسول

اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ اکثر روایات میں آتا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد حضور ﷺ کثرت سے تسبیح و استغفار فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ الفاظ کہتے تھے: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ)) اس لیے کہ اس سورۃ میں آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے بعد رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت کا اشارہ ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت آپ ؐ کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى)) یعنی اب اللہ کی طرف لوٹنا ہے جو بزرگ و برتر رفیق ہے!

سُورۃُ اللَّهَب

یہ ابتدائی مکی دور کی سورۃ ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے پہلے خطبہ کا ذکر ہوا ہے۔ آپ ؐ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے عرب کے رواج کے مطابق جب کوہِ صفا پر چڑھ کر آواز لگائی: وا صَباحا تو قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ پہاڑ کے پاس جمع ہو گئے۔ تب آپ ؐ نے انہیں دین اسلام اور توحید کی دعوت دی تو اُس وقت ابولہب نے (نعوذ باللہ) یہ گستاخانہ الفاظ کہے: تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا ''ہلاکت و بربادی ہو تمہارے لیے کیا تم نے ہمیں اس کام کے لیے یہاں جمع کیا تھا؟'' اس کے جواب میں اس سورۃ کا نزول ہوا اور اللہ کے غضب کا اظہار ہوا۔ فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

''ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کسی کام نہ آیا۔ عنقریب وہ دہکتی آگ میں ڈال دیا جائے گا' اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی۔ جو ایندھن سر پر رکھے اٹھائے پھرتی ہے۔ اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔''

قرآن مجید کا یہ واحد مقام ہے جہاں دشمنانِ اسلام میں سے کسی شخص کا نام لے کر

اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ابولہب حضور ﷺ کا حقیقی چچا تھا اور اس کا اصل نام عبدالعُزّیٰ تھا۔ اس کی بیوی کا نام اَروٰی اور کنیت اُمّ جمیل تھی۔ اسے حضور ﷺ سے بہت بغض و عداوت تھی —— سورۃ التحریم میں میاں بیوی کے نیک اور بد ہونے کے حوالے سے قرآن کریم میں موجود چند ایک مثالیں بیان کی گئی تھیں۔ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی ہے کہ حضرات نوح ولوط علیہما السلام (جو اللہ کے رسول ہیں) کی بیویوں کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین و پاکیزہ خاتون کی ہے کہ فرعون (جو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا) کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ایک جنتی خاتون ہیں۔ پھر حضرت مریم کی مثال دی گئی جو خود بھی نیک سیرت تھیں اور ان کی تربیت اللہ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی گود میں ہوئی۔ یہ مثال ہے ''نورٌ علیٰ نور'' کی۔ ان تین صورتوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ شوہر بھی بدترین اور بیوی بھی بدترین۔ اس کی مثال زیر مطالعہ سورۃ میں بیان ہوئی ہے کہ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل، نبی اکرم ﷺ سے قرابت کے باوجود، دونوں آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ یہ مثال ہے ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کی۔

سُورۃُ الاِخلَاص

سورۃ الاخلاص قرآن حکیم کی عظیم ترین سورۃ ہے جس کو حضور ﷺ نے ثُلثِ قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ دین کی اصل اساسات تین ہیں: (۱) توحید، (۲) رسالت، اور (۳) آخرت۔ اور یہ سورۃ ان تین اساسات میں سے ایک یعنی توحید پر کامل ترین سورۃ ہے۔ ارشاد ہوا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

''کہہ دو وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ (سب سے) بے نیاز ہے (اور سب اس کے محتاج ہیں)۔ نہ اُس نے کچھ جنا اور نہ ہی وہ جنا گیا (یعنی نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے)۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

سُورۃُ الفَلَق

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دو الگ الگ سورتیں ہیں، لیکن ان میں مضامین کی اتنی یکسانیت ہے کہ ان کا ایک مشترک نام ''مُعَوِّذَتَین'' (پناہ مانگنے والی دو سورتیں) ہے۔ یہ دونوں سورتیں بالاتفاق مدنی ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ تعوّذ کی تلقین کی گئی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ مختلف برائیوں، گناہوں اور تکالیف و مصائب پہنچانے والی چیزوں سے اپنے رب کی پناہ میں آنے کی دعا مانگتا رہے۔

سورۃ الفلق میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ ''کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں'' — فَلَقَ یَفْلِقُ کے لغوی معنی پھاڑنے کے ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿فَالِقُ الْاَصْبَاحِ﴾ (آیت ۹۶) ''وہی ہے صبح کو پھاڑنے والا''۔ یعنی اللہ تعالیٰ رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے۔ یہاں بھی فلق سے مراد ''صبح'' ہے۔

سورۃ الفلق کی پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا بیان ہے جبکہ اگلی چار آیات میں ان اشیاء کا بیان ہے جن سے پناہ مانگی جا رہی ہے، فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۵

''کہو میں صبح کے مالک کی پناہ میں آتا ہوں، ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی۔ خصوصاً شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے (یہ حقیقت ہے کہ جب رات کی تاریکی کا پردہ تن جاتا ہے تو شر کا بازار زیادہ گرم ہو جاتا ہے)، اور گرہوں پر پھونک مارنے والیوں (یعنی جادو ٹونے کرنے والیوں) کے شر سے، اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔''

سُورۃُ النَّاس

سورۃ الناس میں سورۃ الفلق کے برعکس اللہ تبارک و تعالیٰ کی تین صفات بیان کر کے اس کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ
الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۧ

''کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پالنے والے' لوگوں کے حقیقی بادشاہ اور لوگوں کے معبودِ برحق کی' (شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے' جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے' خواہ وہ جنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ وسوسہ اندازی صرف شیاطینِ جنّ و اِنس ہی نہیں کرتے بلکہ خود انسان کا اپنا نفس بھی اندر سے وسوسہ اندازی کرتا ہے اور اس کے اپنے غلط نظریات اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں' اس لیے نفس کی برائی سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔

بکثرت صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں مُعوِّذَتَیْن' یا بعض روایات کے مطابق مُعَوِّذات (یعنی سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر' جہاں جہاں بھی ہاتھ پہنچ سکتے' انہیں پھیر لیتے تھے۔

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایّاكم بالآیات والذكر الحكیم○○

دُعَآءُ خَتْمِ الْقُرْآنِ

اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ، وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَةً ، اَللّٰھُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ○○